اردو

اسلام اور عقلیت

اسلام اور عقلیت

داخلہ نمبر = ۹۱۶
ش

(916)

عقلیت
دہریت

یف

سرت موہانی نے اپنے

گڑھ میں چھا

فہرست مضامین

مضمون
مقدمہ
عرب اور عقلیت
ہندوستان کے مسلمانان سلف
اور عقلیت
زمانہ حال اور عقلیت

اموت ثم بعث ثم نشر

حديث خرافة یا ام عمرو

مقدمہ

ب کی بات ہے کہ دنیا میں اب تک ایسے لوگ موجود ہیں جو خدا
ں جنوں قبر قیامت حساب میزان صراط جنت دوزخ وغیرہ
قصوں کہانیوں کو سچ سمجھتے ہیں۔ آج کل علم و عقل کا زمانہ ہے
لم و عقل کا تقاضا ہے کہ انسان کسی چیز کو نہ مانے جب تک کہ وہ
ہدے اور تجربے میں نہ آسکے۔

موز دہر کا دریافت کرنا قوانین فطرت کا سمجھنا اور اُن کے
طابق رہنے کے لیئے قواعد بنانا انسان کا کام ہے۔ خدا کا۔ ان

ان باتوں میں دخل دینا دخل درمعقولات ہی۔ مگر جو خدا ان
دخل دیتا ہی وہ اہل کتاب کا خدا ہی۔ خیالی خدا ہی اصلی خدا نہیں
خدا دہریہ ہی دنیا ہے یہہ خدا اہل کتاب کے خدا کی طرح پردہ نشیں
بلکہ بیّن ہی ظاہر ہی اظہر من الشمس ہے۔ جس کا جی چاہے
لے۔ جس کا جی چاہے اسے سمجھ لے۔

دانایان فرنگ نے اسے خوب دیکھا اور سمجھا ہے ان
دنیا جو اجرام فلکی کے مجموعے کا نام ہے مادے اور قوت
مادہ لاتخریب اور قوت لایزال ہی اسلیے دنیا ازلی اور ابدی
کسی نے نہیں بنایا خود بخود بنی ہے۔ دنیا غیر محدود ہی اس
فلکی بے شمار ہیں۔ یہہ ازل سے فضاے آسمانی میں تن
رہے ہیں۔ جب یا ذرے کے ذرے جو اسقدر لطیف اور
دکھائی بھی نہیں دیتے کشش کی وجہ سے جو ازلی ہے باہم
ان کا ایک بادل (غبار المنفوش) بن جاتا ہے۔ پھر جب

صہ میں ذروں کا امتزاج بہ نسبت اور حصوں کے
تو وہ مرکز بن جاتا ہے اور باقی ذرے اس کے گرد
. ذروں کی گردش سے بادل کی صورت کر دی
گردش اور تیز ہو جاتی ہے اور ذرے ایک دوسرے
تے ہیں تو کرہ گرم اور روشن ہو جاتا ہے۔ پھر جب
روشنی حد سے بڑھ جاتی ہے تو اس کے خط ہٹو
یہاں کشش مرکزی کا اثر کم ہوتا ہے بہت سے
تے ہیں اور کشش کی وجہ سے اس کے گرد گھومنے
کرے ٹھنڈے ہو جاتے ہیں تو زمین کی طرح
حیوانات سے آباد ہو جاتے ہیں۔ اور جب ضرورت
ے ہو جاتے ہیں تو چاند کی طرح چٹیل بدصورت اور
ہیں کسی دن جب وہ ٹھنڈے اور تاریک کرے
و تصادم کے زور سے پگھل کر آگ بن جاتے ہیں

ابن "ورده کالدہان" سے ابن آتش ترجمہ ہے اس
پھرنئے اجرام فلکی بنتے ہیں جو حالت اس وقت چاند کی
زمین کی ہو جاے گی اور جو حالت زمین کی ہو گی ایک
جاے گی۔ یہ چاند یہ زمین یہ سورج یہ تارے نیست و نابو
اور ان سے نئے چاند نئی زمینیں نئے سورج اور نئے
ہوں گے۔ جب دنیا ابدی اور ازلی ہے غیر محدود ہے
خوبصورت ہے اس قدر مہیب اور عظیم الشان ہے پھر کیا
لوگ اسے خدا نہیں سمجھتے۔ بعض تصویر والی پہیلیوں
نیچے لکھا رہتا ہے کہ اس تصویر میں چور کو تلاش کرو۔ پہیلی
تصویر کے کونوں اور چھوٹے چھوٹے دھبوں کو غور
ہے وہ یہ نہیں جانتا کہ ساری تصویر اگر ایک خاص طرف
چور کا چہرہ ہوتی ہے۔ اسی طرح بعضوں کا خیال ہے کہ خ
کیسے ہیں بعضوں کا خیال ہے کہ وہ عرش معلی پر متمکن ہے۔ وہ یہ

وللّٰہ المشرق والمغرب فاینما تولو فثم

۲

قطر...۸۶۰۰۰ میل ہے اور ا

سورج کسی زمانے میں ذروں لکا

نے کروی صورت اختیار کی او

ہزار ہا کڑے جدا ہوے - اور ا

نو بڑے کڑے سیارے کہلا

رد - زہرہ - زمین - مریخ - جوزا

ستوبن -

قطر.. ۳ میل ہے سورج سے

دورا سکے گرد ۸۸ دن میں ایک

ل ہی سورج سے ...۶۷۵ میں

منٹ میں اور سورج کے گرد

میں گھومتی ہے۔ زمین کا قطر ۷۹۲۶ میل ہے۔ سورج سے ۰۰۰
میل دور ہے اپنے محور کے گرد ۲۴ گھنٹے میں اور سورج کے گر
دن میں گھومتی ہے جس طرح زمین سورج سے جدا ہوئی تھی ج
جدا ہوا۔ چاند کا قطر ۲۱۶۲ میل ہے اور زمین سے ۰۰ ۸۸
دور ہے مریخ کا قطر ۴۲۰۰ میل ہے سورج سے ۰۰۰۰۰
میل دور ہے اپنے محور پر ۲۴ گھنٹے ۳۷ منٹ ۲۳ سیکنڈ
سورج کے گرد ایک سال ۳۱۲ دن میں گھومتا ہے جو زا
حصہ کا قطر ۸۰۰۵ میل ہے اور اپنے محور پر ۲۰ گھنٹے ۱۷ م
سیکنڈ میں گھومتا ہے۔ مشتری کا قطر ۸۶۰۰۰ میل ہے
۴۸۳۶۰۰۰۰۰ میل دور ہے اور اسکے گرد گھومنے میں ا سے
برس لگتے ہیں۔ مشتری کے گرد چار چاند گھومتے ہیں۔ زحل کا قط
۷۲۰۰۰ میل ہے سورج سے ۸۷۴۰۰۰۰۰۰ میل دور ہے اور ا
کے گرد گھومنے میں ۳۰ برس لگتے ہیں۔ زحل کے گرد

...قے بھی اسے گھیرے ہوئے ہیں۔ اورانوس
...سے ۰۰۰۱۵۸۳۵۷۱ میل دور ہے اور
...ے ۸۴ برس لگتے ہیں اور انوس کے گرد
...ں کا قطر ۳۰۰۰۰ میل ہے سورج سے
...رہی اور اس کے گرد گھومنے میں اسے

...وہ اور بہت سے اجرام فلکی جو کسی زمانے
...ے تھے اس کے گرد گھوم رہی ہیں۔ چاند
...چ رہی ہیں۔ سیارے سورج کے گرد ناچ رہے
...ضوں کی اتنی بڑی جماعت کے ساتھ کسی
...رد ناچ رہا ہے۔ علےٰ ہذہ القیاس یہ دوسرا
...رج کے گرد ناچ رہا ہے۔ اجرام فلکی کا یہ عظیم الشان
...زل سے ہو رہا ہے اور ابد تک ہوتا رہیگا۔

ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں تھمتا ہے۔

۳

زمین جیساکہ بیان ہوچکا ہی سورج کا ٹکرا
کی طرح اس کی صورت بھی کروی ہے۔ محو
قطبوں کے قریب چپٹی اور خط استوا کے قریب
اس کے پیٹ میں آگ بھری ہوئی ہے جو
پہاڑوں کی چوٹیوں سے نکلا کرتی ہی۔ اور
ہوتی ہی۔ زمین کی سطح جسپر ہم رہتے ہیں
نیچے ناپی گئی ہی۔ شروع میں یہ پتلی اور نرم
ہوکر سکڑی تو یہ پھٹ گئی جمیں بڑے گڑھے
آتشیں مادہ زمین سے باہر نکل کر جم گیا اور
پانی برسا تو دریا تبکر پہاڑوں سے گڑھوں میں چلا گیا
گڑھے بھر گئے اور سمندر بن گئے۔ شروع میں جو

ت آتے تھے ان کی وجہ سے کہیں سمندر

ت زمین سمندر بن جاتی تھی اسی طرح سے

ریلیاں واقع ہوئیں۔ اور آہستہ آہستہ

نی کے برسنے سے پہلے گرمی کی زیادتی

وتی جب کافی ٹھنڈی ہوئی اور پانی برسا

ت سے حشرات الارض پیدا ہوئے۔

غالباً ہم صورت تھے رفتہ رفتہ ان کی صورتیں

۔ جو پانی میں رہنے لگے ان کی صورت اور ہو گئی

ی صورت اور ہو گئی جو ٹھنڈی جگہ رہنے لگے ان کی

م جگہ رہتے لگے ان کی صورت اور ہو گئی چونکہ

سے زیادہ تھے ان میں جنگ چھڑی اس جنگ

ی عضو کو استعمال کیا کسی نے کسی عضو کو۔ اس سے

صورتوں میں اور اختلاف پیدا ہوتا گیا۔ جن کیڑوں نے خواہش

اور پنجوں کو زیادہ استعمال کیا وہ درندے بن ... نے
بازوؤں کو زیادہ استعمال کیا ۔ وہ پرندے بن ... بہ
نسبت اور اعضا کے دماغ سے زیادہ کام ... گئے
جیسے ایک دو پھولوں سے ہزار ہا قسم کے ... شراب کا
ہیں ۔ یا ایک دو کتوں اور گھوڑوں سے ہزار ... ں پر چنانچہ دیکھا گیا
پیدا ہو سکتے ہیں ویسے ہی ہم صورت جانور ... جاتے ہیں بعض
جانور بنے ۔ جب انسان نے ہوش سنبھالا ...
تقسیم ہو چکی تھی انسان ... جمادات نباتات اور حیوانات پر ...
پر غلبہ پا چکا تھا وہ سمجھا کہ سب چیزیں اسی کے لیے پیدا کی گئیں اور اپنے
تئیں اشرف المخلوقات کہنے لگا ۔

قطبین چونکہ بہ نسبت اور حصوں کے جلدی ٹھنڈے ہو گئے تھے
پہلے وہی آباد تھے اب وہاں برف جم گئی ہے اور وہ اُجڑ گئے ہیں ۔ زمین
ٹھنڈی ہو رہی ہے رفتہ رفتہ تمام سمندر قطبی سمندروں کی طرح جم

جائیں گے ۔ و زمین پر کوئی چیز زندہ رہ سکیگی۔ جس دائرے میں
وہ سورج کے گرد گھوم رہی ہے وہ چھوٹا ہوتا جاتا ہے۔ اور ہوتا جائیگا
نی انسان ہو کہ ایک دن وہ سورج میں فنا ہوجائے گی جیسا کہ چاند زمین
حیوان بھی سمجھ

وہ بھی جانتے ہیں کہ دشمن ۴

ملورہ بالا ذخیرے کے مطابق جمادات نباتات اور حیوانات
سب انسان کے بھائی بند ہیں خاص کر حیوان او نسان میں قرابت
بہت زیادہ ہے بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ انسان ہے زادہ ہے۔ انسان
کے بچے کی شکل ماں کے پیٹ میں شروع میں مچھلی سے ملتی ہے
پھر چھپکلی سے ملنے لگتی ہے پھر بندر سے ملنے لگتی ہے۔ چنانچہ
ا ہونے سے تین مہینے قبل اسکے دُم ہوتی ہے اور اس کے جسم پر
سے ہتھیلیوں اور تلوؤں کے ہر کہیں بڑے بڑے بال ہوتے
ہیں پیدا ہونے کے وقت اس کا سر بڑا ہوتا ہے ہاتھ لمبے ہوتے

ہیں اور ناک چپٹی ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان
گذشتہ میں پہلے مچھلی پھر چھپکلی اور پھر بندر تھا خیال کیا جاتا تھا کہ حیـ
صرف اناث انسان کے ساتھ مخصوص ہے لیکن اب معلوم ہوا کہ
خاصیت ایک قسم کے بندر میں بھی پائی جاتی ہے کا ا
بندروں پر بالکل ویسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ انسانوں پر چنانچہ دیکھا گیا ہے
کہ بعض بندر مستی کی حالت میں بدمزاج ہو جاتے ہیں بعض
لگتے ہیں بعض رونے لگتے ہیں۔ بعض بندروں کو ایک دفعہ
کے بعد شراب سے اتنی نفرت ہو جاتی ہے کہ پھر اس کے پاس نہیں
پھٹکتے۔

انسان نے جس طرح جسم حیوانوں سے پایا ہے اسی طرح دل
بھی حیوانوں سے اپنے ورثے میں ملا ہے۔ انسان میں
قوت ایسی نہیں جو حیوانوں میں نہ پائی جاتی ہو۔ فرق صرف
میں اس قوت کی مقدار زیادہ ہے اور حیوانوں میں کم

انسان سے مراد یہاں مہذب اور تعلیم یافتہ انسان ہی وحشی انسان نہیں وحشی انسان اور حیوان میں تو کچھ بھی فرق نہیں ہوتا بلکہ بعض حیوان وحشی انسانوں سے زیادہ ذہین اور زیرک ہوتے ہیں ۔۔

حیوان بھی سر میں مغز سینہ میں دل اور منہ میں زبان رکھتے ہیں وہ بھی جانتے ہیں کہ دشمن سے کس طرح لڑنا چاہئیے زیردستوں کو ستانا چاہئیے ۔ زبردستوں سے کسطرح بھاگنا چاہئیے وہ بھی انسانوں کی طرح ملکر رہنے اور اپنے سرگروہوں کے ماتحت دشمنوں سے لڑنے کے فوائد سمجھتے ہیں وہ بھی محبت اور عداوت کے اصولوں کا علم رکھتے ہیں ان سے محبت کیجئے تو آپ سے محبت کریں گے ان سے عداوت رکھئے تو آپ سے عداوت رکھیں گے ۔ اچھی صورت پر مرنا بھی جانتے ہیں اور ہزار طرح سے اپنا عشق جتنا بھی کون کہتا ہے کہ یہ گونگے ہیں جب کہ یہ ہر جذبے کا اظہار کر سکتے ہیں جب کہ یہ ہزار قسم کی بولیاں بول سکتے بلبل ہزار داستان کو گونگا کہنا اگر ظلم

نہیں تو کیا ہے۔

درحصل انسان تقریباً تمام خصوصیتیں جن سے اسکو حیوانوں پر فوقیت حاصل ہی پیدا ہونے کے بعد اخذ کرتا ہے اگر ایک مہذب قوم کے بچے بچے پیدا ہونے کے بعد کسی ایسے جزیرے میں چھوڑ دئے جائیں جہاں انسان کا گذر نہو تو بڑے ہونے پر ان میں تہذیب کا نام نہو گا بجائے تقریر کرنے اور شعر پڑھنے کے وہ چیخیں گے اور چلائیں گے۔ وہ بالکل جانگلو ہوں گے ان کا امتیاز صرف اتنا ہوگا کہ وہ بے دم ہونگے

۵

جب انسان اور دیگر اشیا میں اسقدر مشابہت ہی اور سب ایک مسالے سے بنے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ ان میں تو روح ہو اور اس میں نہو۔ درحصل تمام اشیا دو چیزوں یعنی مادے اور قوت یا جسم و جان سے مرکب ہیں۔ تیسری چیز جسے روح کہتے ہیں وہ نہ انسان میں ہی نہ کسی اور شے میں ہے۔ جب ہیولی سو کہہ جاتا ہے تو

اس کی خوشبو غائب ہوجاتی ہے اس کی پتیاں خاک میں مل جاتی ہیں اور اسکا بالکل خاتمہ ہوجاتا ہے جب بلبل مرتی ہے تو اس کا زمزمہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہوجاتا ہے اس کے پر ہوا میں اڑ جاتے ہیں اس کا گوشت کیڑوں کا طعمہ ہوجاتا ہے۔ اور اس کا خاتمہ ہوجاتا ہے ایسے ہی جب انسان مرجاتا ہے تو نطق عقل جذبات وغیرہ سب خصوصیتیں ان سے رخصت ہوجاتی ہیں اس کا جسم خاک یا خاکستر ہوجاتا ہے اور اس کا بالکل خاتمہ ہوجاتا ہے اگر پھول میں روح نہیں اگر بلبل میں روح نہیں تو انسان میں بھی روح نہیں۔

اکثر سنا جاتا ہے کہ اگر انسان روح خدا عاقبت دوزخ بہشت وغیرہ کو نہ مانے تو جو اس کے جی میں آئے گا کرے گا۔ اور بہت بدکار ہوجائے گا۔ جن لوگوں کا یہ خیال ہے وہ قوانین فطرت سے محض ناواقف ہیں۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ برے کاموں کی

سزا اور اچھے کاموں کی جزا اسی دنیا میں ملجاتی ہے۔ یہی دوزخ اور یہی بہشت ہے۔ یہیں دوزخ اور یہیں بہشت ہے۔ بدکار شخص کبھی خوش نہیں رہ سکتا۔ بدکار قوم کبھی خوش حال نہیں رہ سکتی۔ بدکار شخص نہ صرف اپنا دشمن ہوتا ہے بلکہ قوم کا دشمن ہوتا ہے اگر قوم اسے سزا نہ دے گی تو فطرت قوم کو سزا دے گی فطرت اہل کتاب کے خدا کی طرح نہیں کہ رحم کھا کر توبہ قبول کر لے۔ فطرت نہایت منصف پابند قوانین اور قسی القلب ہے اور سزا دے ہی کے چھوڑتی ہے۔ اشخاص میں الگ اقوام میں الگ جنگ جاری ہے اس جنگ میں کوئی شخص یا کوئی قوم کامیاب نہیں ہو سکتی۔ جس کی اخلاقی حالت اچھی نہو۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے جو سلطنت کھوئی اس کی بڑی وجہ ان کی بدکاری تھی۔ جب وہ بدکار ہو گئے تو ان کی جسم و دماغ کمزور ہو گئے اور وہ اور قوموں کا مقابلہ نہ کر سکے۔ انگریز اگر چاہتے ہیں کہ ان کو زوال نہ آئے اور وہ ہمیشہ زبردست

رہیں تو ضروری ہے کہ نیکو کار رہیں ان کی حکومت کا فرض ہے کہ بدکاروں کو سزا دے اگر اس نے ایسا نہ کیا تو اس کا خاتمہ ہو جائیگا۔ انگریز پہلے کمزور اور ذلیل ہو جائیں گے پھر آہستہ آہستہ مٹ جائیں گے۔ جیساکہ زمانہ گزشتہ میں بہت سی قومیں مٹ گئیں فسیروا فی الارض وانظروا کیف کان عاقبتہ الظالمین

غرض اخلاق اصول عقلیت اور قوانین فطرت پر مبنی ہے اسے مذہب کی تائید کی کچھ ضرورت نہیں۔ مذہب تو بجائے ممد اخلاق ہونیکے مخرب اخلاق ہے مذہبی آدمی یہ سمجھکر کہ توبہ قبول ہو سکتی ہے گناہ معاف ہو سکتے ہیں اور اگر معاف نہوں تو ان کی سزا کہیں دوسری دنیا میں جس کا اسے دل سے یقین نہیں ہوتا ملتی ہے زیادہ گناہ کرتا ہے مگر ملحد سمجھتا ہے کہ گناہ کا اثر دائمی ہوتا ہے اس کی سزا اسی دنیا میں ملجاتی ہے اور فطرت کبھی معاف نہیں کرتی اس لیے وہ گناہ کم کرتا ہے۔ ثبوت اسکا یہ ہے کہ اکثر مذہبی اور متشرع لوگ جھوٹے مکار ریاکار خود غرض اور

گندم نما جو فروش ہوتے ہیں اور اکثر ملحد اور بے دین لوگ سچے اچھے سیدھے اور صاف دل ہوتے ہیں۔

۶

انسان کا مقصد زندگی یہ ہے کہ وہ دنیا میں آرام اور عزت سے رہے جو در حقیقت ایک نہایت مشکل کام ہے۔ لڑکپن میں چاہیے کہ وہ کوئی ایسا علم یا فن سیکھے جس سے وہ روپیہ کما سکے۔ صحبت بد سے بچے اور خوب ورزش کرے چونکہ وہ زمانہ بدن کے بڑھنے کا ہوتا ہے اس لیے اس میں ورزش کرنا بہت مفید ہے۔ جوانی میں شادی کرے موٹے تازے بچے پیدا کرے ان کو تعلیم و تربیت دلائے اور خوب روپیہ جمع کرے پڑھے سوچے لکھے اور قومی کام کرے۔ بے فائدہ نماز نہ پڑھے اور بیکار روزے نہ رکھے عاقلانہ طور سے زندگی بسر کرنے ہی کو عبادت سمجھے۔

چونکہ اس دنیا کے بعد دوسری دنیا نہیں ہے اس لیے یہاں جو کچھ اس نیا جنم بر هس رہنے کو ملتے ہیں انہیں غنیمت سمجھے اور ضائع نہ کرے۔

اور اپنے والدین کا شکریہ ادا کرے کہ انہوں نے اسے پیدا کر کے اسے دنیا کو دیکھنے اور اس میں رہنے کا موقع دیا۔ دنیا ایک دلفریب معشوق ہے پہاڑ دریا جنگل سبزہ پھول چاند گتا بیں اور عورتیں۔ (کا ہنّ الیاقوتُ المرجان) اس کے خال و خط ہیں چاہیئے کہ ان چیزوں سے لطف اٹھائے مگر اسراف نہ کرے۔ کلوا واشربوا ولاتسرفوا اگر اسراف کریگا تو بڑی غلطی کرے گا اصلی خوشی اصلی سعادت اعتدال میں ہے اگر وہ اعتدال سے کام لیگا تو اس کا عہد جوانی دراز ہوگا اور اس کی پیری رشک جوانی ہوگی اور اگر اسراف کریگا تو اس کی جوانی ننگ پیری ہو گی اور وہ گولی مار دینے کے قابل ہوگا۔

چاہیئے کہ تندرست رہے مکان صاف اور ستھرا رکھے قوانین صحت جانے اور انہیں کبھی نہ توڑے اور کبھی بیمار نہ پڑے اتفاقی جب بیمار ہو جائے تو بیماری کا علاج جانے عمر طبعی پر پہنچنے سے قبل اگر مر جائے تو یہی نا قصور ہے چاہیئے کہ ماہیت اشیا دریافت کرے قوانین فطرت

کو سمجھے اور ان کے مطابق زندگی کرے خاصکر اس بات کو سمجھے کہ تنازع للبقا عالم گیر ہی اور ایک لمحہ کیلئے ہی نہیں تھوڑی دیر کے لیے غافل ہو جانا بڑا نقصان اٹھانا ہی اس جنگ میں وہی شخص کامیاب ہوتا ہی وہی قوم کامیاب ہوتی ہی جو دماغی اخلاقی بدنی وغیرہ سب باتوں میں ان پر فوقیت رکھتی ہو۔

وہ یہ بھی سمجھے کہ انسان خدا کا جزو ہی اور اس پر بہت کچھ منحصر ہی اگر وہ خوش رہنا چاہے تو خوش رہ سکتا ہی غمگیں رہنا چاہے تو غمگین رہ سکتا ہی اس کی صلاح و فلاح اسی کے ہاتھ میں ہی اس کی ذلت و نکبت اسی کے ہاتھ میں ہی اگر وہ چاہے تو اسرار کائنات دریافت کر کے مادے اور قوت کو مطیع و مسخر کر سکتا ہے اور نہایت آرام خوشی اور عزت سے بسر کر سکتا ہی اور اگر چاہے تو تارک الدنیا ہو کر خدا کی نعمتوں سے محروم ہو سکتا ہے اگر چاہے تو عقل کے زور اور علم کے ذریعے سے انسانیت سے بھی ترقی کر کے الاشرف المخلوقات ہو سکتا ہے اور اگر چاہے تو خودکشی کر کے اپنے کو صفحہ ہستی سے مٹا سکتا ہی۔

خلاصہ یہ کہ ہر بات میں عقل و علم کو اپنا رہبر سمجھے جو یہ کہیں مانے جو یہ کہیں وہ کرے ۔

۷

اس تحریر سے معلوم ہوا کہ مسلمان صراط مستقیم سے کسقدر دور ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ انسان میں روح ہے حالانکہ روح کوئی چیز نہیں ۔ وہ سمجھتے ہیں کہ گناہ معاف ہو سکتے ہیں حالانکہ گناہ کبھی معاف نہیں ہو سکتے ۔ وہ سمجھتے ہیں کہ برے کاموں کی سزا اور اچھے کاموں کی جزا دوسری دنیا میں ملیگی حالانکہ دوسری دنیا نہیں ہے ۔ وحی کے ماننے سے مسلمان بڑے گھاٹے میں رہے ۔ وحی کے ماننے کی وجہ سے انہیں قرآن کو قدیم ماننا پڑا ۔ قرآن کو قدیم ماننے کی وجہ سے شریعت کو قدیم ماننا پڑا ۔ وہ سمجھے کہ سب اسرار کائنات قرآن میں بتا دئے گئے ہیں انہیں دریافت کرنیکی کوشش نہ کی ۔ اسلئے ان کی دماغی ترقی موقوف ہوگئی ۔ وہ سمجھے کہ شریعت قانون الہی ہے اسے بدلنا کفر ہے اس لیے ان کی تمدنی ترقی

بند ہو گئی۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ وہ تہذیب کی دوڑ میں اور قوموں سے
پیچھے رہ گئے۔ جس قوم کا مذہب سچا اور درست ہوتا ہے وہی قوم دنیا
میں ترقی کرتی ہے۔ اسلام نے شروع میں ترقی کی۔ کیونکہ اس وقت
وہ بہ نسبت اور مذہب کے اصول عقلیت کے زیادہ مطابق تھا لیکن
آج کل وہ زوال پر ہے کیونکہ وہ پرانا ہو گیا ہے اس سے ایک زیادہ
صحیح مذہب پیدا ہو گیا ہے یہ مذہب عقل و علم کا مذہب ہے یہ مذہب ہے
عقلیت ہی۔ فرنگستان جو اسقدر ترقی کر رہا ہے اور اسلامی سلطنتوں
کو دبائے ہوئے ہے اسی مذہب کی پیروی کی بدولت ہے۔ عقلیت حق ہے
مسلمان اگر ایک خوش حال آزاد باعزت اور زبردست قوم بننا چاہتے
ہیں تو چاہیئے کہ اوہام پرستی چھوڑیں اور عقلیت کے قایل ہوں خانہ
خلیل کو چھوڑیں اور خانہ خدا یعنی نیچر کو مانیں کعبہ کو چھوڑیں اور دہر کے
دیر میں چلے آئیں۔ چاہیئے کہ مومن کافر ہو جائیں اور مسلمان ملحد
ہو جائیں۔ چاہیئے کہ کفر کا نام ایمان اور الحاد کا نام اسلام ہو جائے

یہ چند اوراق جو میں نے جمع کئے ہیں ان میں جنبش عقلیت جو مسلمانوں میں وقتاً فوقتاً پیدا ہوتی رہی اس کی مختصر تاریخ بیان کی گئی ہے۔ اور یہ دکھایا گیا ہے کہ زمانہ گزشتہ میں جب عقلیت ترقی پر تھی اسلام ترقی پر تھا اور جب عقلیت تنزل پر تھی، اسلام تنزل پر تھا اور زمانہ حال میں جو ہندوستان، ایران، مصر اور ترکی کے مسلمانوں میں ترقی کے آثار نمایاں ہیں وہ بھی عقلیت ہی کی وجہ سے ہیں۔

پہلی فصل

عرب اور عقلیت

عہد عربیہ میں عقلیت کا نام اعتزال تھا جنبش اعتزال پہلی صدی ہجری کے آخر سے شروع ہوئی اور تقریباً ڈیڑھ سو برس ترقی پر رہی

اعتزال کا آغاز

بنو امیہ (۴۱ھ - ۱۳۲) کے زمانہ میں بصرہ اگرچہ دار الخلافہ نہ تھا پھر بھی بہت رونق پر تھا۔ دریا کے کنارے پر واقع ہونے کی وجہ سے بڑا تجارتی شہر تھا اور اسلیے مسلمان اور مجوسی عرب و عجم یہود و نصارا سب ملتوں ا ذ

اور مذہبوں کا مرجع تھا۔ چونکہ بہ نسبت اور مقامات کے وہیں مسلمانوں کو دیگر اقوام کے خیالات جاننے کا اچھا موقعہ ملسکتا تھا علوم عقلیہ کا رواج سب سے پہلے وہیں شروع ہوا۔ رفتہ رفتہ وہ بڑا علمی مرکز بن گیا۔ دمشق اگر دار الخلافہ تھا تو بصرہ دار العلوم تھا۔ دمشق میں اگر خلافت کی شوکت دکھائی دیتی تھی تو بصرہ میں علم کی شان پائی جاتی تھی۔ بصرہ مسجدوں سے بھرا ہوا تھا مسجدیں طلبا سے بھری رہتی تھیں۔

پہلی صدی کے آخر میں بصرہ میں حسن نام ایک بڑے امام رہتے تھے حسن تابعی تھے۔ باپ ان کے زید بن ثابت انصاری کے مولا تھے۔ ماں انکی ام سلمہ آنحضرت کی زوجہ مطہرہ کی لونڈی تھیں۔ حسن عالم تھے زاہد تھے خوب صورت تھے خوش تقریر تھے۔ خوش تقریر خاص کر اتنے تھے کہ انکی باتیں کہاوتیں ہی سمجھی جاتی تھیں۔

ابن خلکان لکھتا ہے کہ حسن جب بچہ تھے تو ام سلمہ کبھی کبھی انہیں اپنا دودھ پلا دیا کرتی تھیں۔ اور یہ اسی دودھ کی برکت تھی کہ حسن حکمت اور فصاحت

میں پہنا تانی نہیں رکھتے تھے۔ ان کے بہت سے شاگرد تھے انہیں سے واصل بن عطا اور عمرو بن عبید مشہور ہیں واصل بن عطا فضل میں اور عمرو بن عبید زہد میں اپنے ہم سبقوں اور ہم عصروں میں ممتاز تھے۔ یہ دو شخص اعتزال کے بانی سمجھے جاتے ہیں

بنی امیہ کے زمانہ میں دو مسئلوں پر بہت بحث ہوتی تھی۔ ان میں سے ایک مسئلہ مسئلہ جبر و قدر ہے۔ قرآن میں بہت سی آیتیں ایسی ہیں جن سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ خیر اور شر کی قدرت اللہ تعالے سے ہے اور انسان مجبور ہے اور بہت آیتیں ایسی ہیں جن سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ خیر اور شر کی قدرت انسان سے ہے اور وہ مختار ہے۔ اس صریح تناقض کی وجہ سے مسلمان جب تک قرآن کے قائل رہیں گے مسئلہ جبر و قدر کا کبھی فیصلہ نہیں ہو گا چند آیتیں جن سے انسان مجبور ثابت ہوتا ہے یہ ہیں ختم اللہ علی قلوبہم وعلی سمعہم وعلی ابصارہم غشاوہ ولہم عذاب عظیم۔ ان اللہ علی کل شئی قدیر۔ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم۔ تعز من تشاء و تذل من تشاء

چند آیتیں جن سے انسان مختار ثابت ہوتا ہے یہ ہیں۔ ومن یکسب اثماً فانما یکسبہ علیٰ نفسہ۔ ان تبسل نفس بما کسبت۔ ان اللّٰہ لا یامر بالفحشاء۔ ولکن کانوا انفسہم یظلمون ہنالک تبلوا کل نفس ما اسلفت۔ فمن اہتدی فانما یہتدی لنفسہ ومن ضل فانما یضل علیہا جبریہ موخر الذکر آیتوں کی تاویل کرکے اور سیاہ کو سفید ثابت کرکے انسان کو مجبور سمجھتے تھے اور قدریہ مقدم الذکر آیتوں کی تاویل کرکے اور سفید کو سیاہ ثابت کرکے انسان کو مختار سمجھتے تھے۔ بنوامیہ کے طرفدار عموماً جبریہ تھے وہ کہتے تھے کہ بنوامیہ نے جو ظلم آل نبی پر کئے تھے انکے وہ ذمہ دار نہیں۔ وہ مجبور تھے خدا نے ان سے وہ ظلم کرائے چونکہ بنوامیہ خلفائے وقت تھے۔ جبریہ کی تعداد بہت زیادہ تھی قدریہ کی تعداد بہت کم تھی صرف چند نڈر اور بے دھڑک اشخاص قدریہ تھے امام حسن بصری قدریہ تھے۔ معبد جہنی ایک بڑا قدریہ تھا ایک روز وہ اور عطا ابن یسار حسن بصری کے پاس آئے اور انہوں نے کہا اے ابوسعید خلفائے بنوامیہ مسلمانوں کو قتل کرتے ہیں اور ان پر ظلم کرتے ہیں اور کہتے

ہیں کہ ہم مجبور ہیں ہم سے یہ ظلم کرایا جاتا ہے۔ آپ کی کیا رائے ہے؟ حسن بصری نے جواب دیا یہ لوگ خدا کے دشمن جھوٹے ہیں۔ معبد جہنی کو عبد الملک (۶۵ - ۸۶ھ) نے ۸۰ھ میں مروا ڈالا۔ غیلان دمشقی ایک دوسرا قدریہ تھا یہ بڑا دلیر شخص تھا۔ جب عمر بن عبد العزیز (۹۹ - ۱۰۱ھ) خلیفہ ہوا تو غیلان نے اسے ایک آزادانہ خط لکھا جس میں اس نے بنو امیہ کے مظالم بیان کیے اور انہیں برا بھلا کہا۔ عمر بن عبد العزیز نے جو بردبار اور صاحب تحمل تھا بجائے سزا دینے کے اسے اپنے توشہ خانہ کے نیلام کا کام دیا۔ غیلان جب مال نیلام کرتا تھا تو کہتا جاتا تھا "لوگو یہ وہ مال و اسباب ہے جو جور و جبر سے حاصل کیا گیا ہے۔ اے لوگو اس ظلم کی کچھ حد بھی ہے۔ خلق خدا تو بھوک سے مر رہی ہے اور امیر المومنین کے توشہ خانہ میں تیس ہزار جرابیں بیکار پڑی ہیں" عمر بن عبد العزیز نے تو اس سے کچھ نہ کہا لیکن جب ہشام بن عبد الملک (۱۰۵ - ۱۲۵ھ) خلیفہ ہوا تو غیلان دمشقی کے بغاوت انگیزی کے جرم میں ہاتھ پاؤں کٹوا ڈالے اور جب اس پر بھی اس کی زبان درازیاں نہ گئیں تو

اسے قتل کرا دیا۔

دوسرا مسئلہ جس پر بنو امیہ کے زمانے میں بحث ہوتی تھی وہ مسئلہ اعمال ہے یعنی یہہ کہ آیا اعمال ایمان کا جزو ہیں یا نہیں۔ صاحب کبیرہ کو مسلمان کہہ سکتے ہیں یا نہیں۔ ایک فرقے کا یہ خیال تھا کہ اعمال ایمان کا جزو نہیں۔ مسلمان ہونے کے لیے عقیدے کا درست ہونا کافی ہے مسلمان اگرچہ فاسق ہو جنت کا مستحق ہو سکتا ہے آئندہ خدا کی مرضی۔ دوسرے فرقے کا خیال تھا کہ اعمال ایمان کا ضروری جزو ہیں۔ صاحب کبیرہ دایرہ اسلام سے خارج ہے۔ اور وہ جنت کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ پہلا فرقہ مرجیہ اور دوسرا فرقہ وعیدیہ کہلاتا تھا۔ مرجیہ کے لفظی معنے ملتوی کرنیوالے ہیں چونکہ یہ فرقہ صاحب کبیرہ کی قسمت کا فیصلہ ملتوی کرتا تھا یعنی خدا پر چھوڑتا تھا اسلئے مرجیہ کہلاتا تھا صاف ظاہر ہے کہ مرجیہ جبریہ کی طرح بنو امیہ کے طرفدار تھے۔ وعیدیہ بنو امیہ کے مخالف تھے انہیں دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے تھے، مگر مرجیہ کہتے تھے کہ بنو امیہ

مسلمان ہیں کیونکہ وہ کلمہ طیبہ پڑھتے ہیں خدا اور رسول کے قائل ہیں ان کے
اعمال بے شک برے ہیں لیکن اعمال کو ایمان سے کچھ واسطہ نہیں ہم نہیں
کہہ سکتے کہ وہ جنت جائیں گے یا دوزخ یہ بات خدا ہی کو معلوم ہے۔ جبریہ
کی طرح مرجیہ کی تعداد زیادہ اور قدریہ کی طرح وعیدیہ کی تعداد کم تھی اہل سنت
وحدیث عموماً جبریہ اور مرجیہ تھے اہل تشیع اور خوارج عموماً قدریہ اور وعیدیہ تھے
جن دنوں مسئلہ اعمال پر شد و مد سے بحث ہو رہی تھی ایک شخص حسن
بصری کے پاس آیا اور ان سے کہا اے امام دین وعیدیہ اصحاب کبائر
کو کافر کہتے ہیں۔ اور کبیرہ ان کے نزدیک کفر ہے لیکن مرجیہ کی رائے میں
عمل ایمان کا رکن نہیں اور معصیت ایمان کو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتی جیسا
کہ طاعت کافر کو کچھ نفع نہیں پہنچا سکتی آپ کیا رائے ہے؟" حسن اسوقت
جامع مسجد میں بیٹھے ہوئے درس دے رہے تھے سوال سنکر سوچنے لگے۔
پیشتر اسکے کہ وہ کچھ جواب دیتے واصل بن عطا بول اٹھا کہ "میری رائے
میں صاحب کبیرہ نہ مومن مطلق ہے نہ کافر مطلق ہے بلکہ منزلة بین المنزلتین"

میں ہے۔ کیونکہ ایمان عبارت ہے خصال خیر سے۔ جب خصال خیر کسی شخص میں پائے جاتے ہیں تو وہ مومن کہلاتا ہے اور مومن اسم مدح ہے فاسق میں خصال خیر نہیں ہوتے اس لیے وہ مومن نہیں اور اس اسم مدح کا مستحق نہیں۔ لیکن اسے کافر مطلق بھی نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ وہ کلمہ شہادت پڑھتا ہے اور خدا اور رسول کا قائل ہے اور کبھی کبھی اعمال خیر بھی کرتا ہے اسلیے اگر وہ کبیرہ سے بغیر توبہ کئے ہوئے مرجائے تو اسے دوزخ میں رہنا ہوگا کیونکہ آخرت میں دو مقامات ہیں جنت اور دوزخ تیسرا مقام نہیں لیکن اس کا عذاب خفیف ہوگا اور اسکا "درکہ" کفار کے "درکے" کے اوپر ہوگا، حسن نے اس سے اختلاف کیا۔ ابن واصل مسجد کے دوسرے حصے میں چلا گیا حسن نے کہا "اعتزل عنا" یعنی وہ ہم سے جدا ہوگیا۔ عمرو بن عبید اور بکمہ اور طلبا جو واصل کے ہم خیال تھے حسن کو چھوڑ کر اس کے پاس چلے گئے اس روز سے یہ لوگ معتزلہ کہلانے لگے رفتہ رفتہ انہوں نے بڑی ترقی کی اور شہرت حاصل کی۔ مرجیہ کی ہستی بنو امیہ کی ہستی کے ساتھ وابستہ

تھی۔ جب بنو امیہ مٹ گئے تو یہ بھی مٹ گئے۔ وعیدیہ خوارج اور شیعوں میں ملگئے۔ جبریہ اہل سنت میں ملگئے قدریہ معتزلوں میں شامل ہوگئے اسلیئے بنو عباس کے اوائل عہد میں علاوہ شیعہ اور خوارج کے اسلام کے دو بڑے فرقے اہل سنت اور معتزلہ ہتے۔ اہل سنت تنگ خیال اور معتزلہ آزاد خیال مسلمان ہتے۔

معتزلوں کے بڑے اصول چار تھے۔

توحید۔

عدل۔

وعد و وعید۔

عقل

اول۔ معتزلے صفات باری تعالی کے منکر تھے قدم قران کے منکر تھے وار اقرار میں باری تعالے کی رویت کے منکر تھے۔ صفات کے بلخمے میں وہ اسطرح استدلال کرتے تھے۔ صفات دو قسم کی ہوسکتے ہیں

حادث یا قدیم اگر صفات کو حادث مانیے تو خدا کا محل حوادث ہونا یعنی حادث ہونا لازم آتا ہے یہ ناممکن ہے اگر صفات کو قدیم تسلیم کیجیے تو تعدد قدما یعنی شرک لازم آتا ہے۔ اس لیے باریتعالیٰ صفات سے منزہ ہے۔ جب ہم کہتے ہیں کہ وہ عالم ہے یا قادر ہے یا حی ہے تو اسکے یہ معنی ہیں کہ وہ عالم "لذاتہ" ہے قادر "لذاتہ" ہے حی لذاتہ ہے علم اور قدرت اور حیات نے نہیں۔ معتزلے تعدد قدما اور شرک کی بنا پر قرآن کو بھی قدیم نہیں سمجھتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ قرآن اور کتابوں کی طرح حرفوں اور آوازوں سے مرکب ہے اور کتابوں کی طرح پڑھا جاتا ہے اور کتابوں کی طرح لکھا جاتا ہے اسلیے اور کتابوں کی طرح محدث اور مخلوق ہے۔ رویت کی نسبت کہتے تھے کہ باری تعالےٰ جہت مکان صورت جسم تحیز انتقال زوال تغیر تاثر وغیرہ سب باتوں سے منزہ ہے اسلیے وہ دار القرار میں نہیں دکھائی دیگا۔ قرآن میں جو متشابہ آیتیں ہیں انکی تاویل کرنی چاہیے۔

صفات قدم قرآن اور رویت ان تین چیزوں کے انکار کا نام معتزلو نے

اصول توحید رکھا۔

دوم۔ خدا عادل ہے اس نے بندوں کو انکے کاموں پر قدرت دے رکھی ہے۔ ان کو اختیار ہے خواہ وہ اچھے کام کریں خواہ وہ برے کام کریں جو اچھے کام کریگا وہ ثواب پائیگا جو برے کام کریگا وہ عقاب پائیگا اگر خدا اپنے بندوں سے برے کام کرائے۔ تو ظالم اور بے انصاف ٹھیرتا ہے۔ خدا نیز "حکیم" ہے اس پر واجب ہے کہ وہ بات کرے جسمیں بندوں کی صلاح و خیر ہو لیکن ان پر "لطف" کرنا اور ایسی بات کرنا جو انکے لئے "اصلح" ہو خدا پر واجب نہیں۔ اس اصول کا نام انہوں نے عدل رکھا۔

سوم۔ اگر مومن کبیرہ سے توبہ کرکے مرے تو وہ ثواب کا مستحق ہوتا ہے لیکن "عوض" اور "تفضل" کا نہیں۔ اور اگر بغیر توبہ کئے مر جائے تو اسے دوزخ میں رہنا ہوگا لیکن اسکا عقاب کفار کے عقاب سے کم ہوگا اس اصول کا نام انہوں نے وعد و وعید رکھا۔

چہارم۔ اچھے برے کی پہچان اچھے کام کا کرنا برے کام سے بچنا

"معرفت" "شکر نعمت" وغیرہ سب کچھ انسان پر عقلاً واجب ہی ورود سمع کے قبل بہی واجب تہا۔ جن قوموں پر وحی نہیں اتری ان پر بھی واجب ہی وحی خدا نے اسیلئے اتاری کہ آخرت میں بندوں کو اس بات کے کہنے کا موقعہ نہ ملے کہ ہم جانتے نہ تہے۔ بالفاظ دیگر معتزلے وحی کو غیر ضروری سمجھتے تہے۔ وہ اصول عدل و توحید کو اسقدر ضروری سمجھتے تہے کہ اپنے آپ کو "اصحاب العدل والتوحید" کہتے تہے میں اصول عدل و عقل کو اتنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ان کو اصحاب العدل و العقل کہتا ہوں

اولوالالباب جان سکتے ہیں کہ معتزلوں کے اصول کسقدر اہم ہیں اور انکے ماننے نہ ماننے پر ترقی و تنزل کا کسقدر دار و مدار ہے۔ جبریہ ہونا کسقدر مضر اور قدریہ ہونا کسقدر مفید ہے جبریہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ ہم معطل و ناکارہ ہیں۔ قدریہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ ہم بہت کچھ کر سکتے ہیں کیا ہم سب کچھ کر سکتے ہیں ہم خدا کا جزو ہیں۔ ہم دنیا میں چھوٹے سے خدا ہیں۔ جبریہ ہونا خود کشی کرنا اور قدریہ ہونا کامیابی کا ذریعہ ہے۔ قرآن کو قدیم ماننا کسقدر

مانع ترقی اور حادث ماننا کسقدر ممد ترقی ہی۔ قدیم ماننے کے یہ معنی ہیں کہ ہم ابدالآباد تک اس کے پابند رہیں اور باقی قومیں آگے بڑھتی رہیں۔ حادث ماننے کے یہ معنی ہیں کہ ہم زمانے کے ساتھ ترقی کرتے جائیں اور ہمارا تمدن دن بدن اعلےٰ ہوتا جائے۔ قدیم ماننا ہماری موت اور حادث ماننا ہماری زندگی ہی۔ علی ہذہ القیاس وحی کا قائل ہونا کسقدر مضر اور عقل کا قائل ہونا کسقدر مفید ہی۔ جیسا کہ ورزش کرنے سے انسان کی رگیں اور پٹھے مضبوط ہوتے ہیں ایسا ہی سوچنے اور غور کرنے سے عقل بڑھتی ہے۔ مسلمانوں نے معمۂ دہر کے حل کرنے اور اسرار کائنات کو دریافت کرنیکے لیئے وحی پر بھروسہ کیا خدا پر بھروسہ کیا لیکن عقل سے کام نہ لیا۔ نتیجہ اسکا یہ ہوا کہ وہ ناقص العقل ہو گئے۔

اعتزال کے مفید ہونے کی بڑی دلیل یہ ہی کہ جب تک اعتزال ترقی پر تھا اسلام ترقی پر تھا جب سے اعتزال کو زوال آیا اسلام کو زوال آیا۔ اعتزال کو تقی۔ ڈیڑہ دو سو برس ترقی پر رہا۔ جو دماغی اور تمدنی ترقی مسلمانوں نے کی

سب اسی زمانے میں کی۔

اعتزال کا عروج

بنو امیہ کے آخری دنوں میں معتزلوں کی تعداد بہت ہو گئی تھی۔ یزید ثالث نے جب اپنے باپ ولید ثانی سے (۱۲۵ - ۱۲۶ھ) جو شرابی اور فاسق تھا بغاوت کی تو عمرو بن عبید وغیرہ بہت سے معتزلوں نے اس کا ساتھ دیا ولید محصور ہو کر قتل ہوا اور یزید ثالث خلیفہ ہو گیا۔ یزید ثالث کا بھائی ابراہیم اور مروان ثانی (۱۲۷ - ۱۳۲) بنو امیہ کا آخری خلیفہ دونوں معتزلوں کے دوست تھے۔

۱۳۲ھ میں خلافت بنو عباس کے ہاتھ آئی بنو عباس ایران میں مجوسیوں اور ملحدوں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے عموماً وسیع مذہب اور آزاد خیال تھے اسلیے معتزلوں کے بڑے حامی اور مربی تھے۔ انکے زمانے میں اعتزال کو بہت عروج ہوا۔

بنو عباس آزاد خیال ہونے کے ساتھ علم دوست بھی تھے۔ انکے زمانے
میں یونانی سریانی پہلوی اور سنسکرت وغیرہ زبانوں سے بے شمار
کتابوں کا ترجمہ ہوا اور علوم و فنون کا بہت چرچا رہا۔ منصور (۱۳۶-۱۵۸)
پہلا عباسی خلیفہ تھا جس نے قیصر قسطنطنیہ کو خط لکھکر بطلیموس، اقلیدس
بقراط، جالینوس، افلاطون اور ارسطو کی کتابیں منگوائیں اور جارج ابن جبریل
بطریق وغیرہ شامی طبیبوں اور حکیموں سے انکا ترجمہ کرایا۔ عبداللہ ابن
المقفع اور نوبخت نے جو نومسلم مجوسی تھے زردشت مانی اور مزدک کی
کتابوں کا پہلوی زبان سے ترجمہ کیا۔ محمد بن ابراہیم فزاری نے ہندو ؤں کی
ہندوؤں کی مشہور زیج سدھانتا کا ترجمہ کیا۔ علیٰ ہذہ القیاس اور بہت سی کتابوں کا
ترجمہ ہوا۔ منصور نے بغداد بسایا اور اسے اپنا دارالخلافہ بنایا جو چند روز
میں رشک دمشق اور فخر بصرہ بن گیا۔ دمشق میں صرف حاکمانہ شوکت دکھائی
دیتی تھی بصرہ میں صرف علمی شان پائی جاتی تھی مگر بغداد حاکمانہ شوکت اور
علمی شان دونوں کا مجمع ہوگیا۔ کیونکہ یہ ساری اسلامی دنیا کا مرکز تھا

ہارون الرشید اگرچہ کسی قدر متعصب تہا لیکن ترجمہ کرانے کا اُسے بھی بہت شوق تھا۔ اس نے ترجمہ کا ایک صیغہ قائم کیا اور بیت الحکمت اسکا نام رکھا قسطنطنیہ کے قیصر خلفا کو سالانہ نذرانہ دیا کرتے تھے۔ نایس فورس نے جو ہارون رشید کا ہم عصر تھا نذرانہ دینے سے انکار کیا ہارون رشید نے اسپر چڑہائی کی اوہر قلہ انگوریہ اموریہ غیرہ شہروں کو لوٹا ان شہروں میں بہت سی یونانی کتابیں اس کے ہاتھ آئیں جو سب کی سب بیت الحکمت میں داخل کی گئیں اور یوحنا ماسویہ ایک شامی عیسائی ان کے ترجمہ پر مامور ہوا۔ ہارون رشید جب ایک مرتبہ بیمار ہوا اور کوئی اس کا علاج نہ کر سکا تو ہندوستان سے ایک پنڈت بلایا گیا۔ علاج کرنے کے بعد وہ بیت الحکمت میں ملازم ہو گیا۔ اس نے بہت سی سنسکرت کتابوں کا ترجمہ کیا۔

مامون رشید خلفائے عباسیہ میں سب سے بڑا عالم اور آزاد خیال تھا ارسطو کا بڑا شوق تھا اس نے کے عہد میں ترجمہ کے صیغہ کو اور ترقی ہوئی قیصر قسطنطنیہ

کو خط لکھکر ان سے کتابوں کے کئی اونٹ منگوائے۔ اور انکا ترجمہ کرایا حنین ابن اسحاق۔ یعقوب کندی۔ قسطا ابن لوقا اسکے عہد کے مشہور مترجم تھے۔ ترجمہ کا کام کوئی پچاس ساٹھ برس اورجاری رہا۔

ان کتابوں سے مسلمان بہت متاثر اور متمتع ہوئے۔ ترجمے پڑھ کر خود کتابیں لکھنے لگے اور اسرار کائنات اور ماہیت اشیا کی تفتیش میں مصروف ہو گئے ان کی نظریں بلند ہوگئیں۔ انکے دماغ روشن ہوگئے ان کے خیالات میں وسعت پیدا ہوگئی۔ اسلامی دنیا میں ہر کہیں طب طبیعات۔ الہیات۔ ریاضیات۔ ہئیت اور موسیقی کا چرچا ہونے لگا ہر علم اور ہر فن میں انہوں نے کچھ نہ کچھ اضافہ کیا۔ علم و ثروت کی تلاش میں ساری زمین پر پھیل گئے۔ تجارت کی سیاحی کی، سفرنامے لکھے تاریخیں لکھیں نئے جزیرے اور نئے ملک دریافت کئے۔ دنیا میں تمام قوموں سے زبردست تمام قوموں سے زیادہ متمدن ہو گئے سب کچھ انہیں کا ہو گیا ساری دنیا انہیں کی ہو گئی وہ ایام ان کے لیے ایام السعادت تھے۔

بہ نسبت اور علوم کے وہ یونانی علوم سے زیادہ متاثر ہوئے اور بہ نسبت اور یونانی علوم سے کے ارسطو کا فلسفہ انہیں بہت پسند آیا۔ اسے وہ عقل مجسم سمجھتے تھے اسے وہ عقل کا دیوتا سمجھتے تھے اسے وہ عقل کا خدا سمجھتے تھے۔ طرفہ یہ کہ ارسطو کا فلسفہ اعتزال کی تائید کرتا تھا معتزلے صفات کے منکر تھے ارسطو بھی صفات کا منکر تھا معتزلے رویت کے منکر تھے ارسطو بھی رویت کا منکر تھا معتزلے قدر کے قائل تھے ارسطو بھی قدر کا قائل تھا۔ اس تائید غیبی سے اعتزال کی بڑی تقویت ہوئی۔ ارسطو کا فلسفہ پڑھ کر معتزلوں کی دلائل میں بہت زور اور وزن آ گیا۔ کیا سنی کیا شیعہ کیا یہود کیا نصاریٰ کیا مجوسی کیا ملحد بحث میں کوئی انکا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ان ایام السعادت میں بڑے بڑے معتزلے پیدا ہوئے۔ ان میں سے چند جو زیادہ مشہور ہیں ان کے خیالات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

مشہور معتزلیوں کے خیالات

ابوالہذیل حمدان ابن ابی الہذیل العلاف (المتوفی ۲۲۶ھ) شاگرد تھا عثمان بن خالد الطویل کا جو شاگرد تھا واصل بن عطا کا۔ ابوالہذیل مناظرے کا بادشاہ تھا اعتزال کی تدوین کی۔ شہرستانی اسے مقدم الطائف اور مقرر الطریقہ کہتا ہے دیگر معتزلیوں سے اس نے ہر مسئلہ میں کچھ نہ کچھ اختلاف کیا۔ ذیل کی سطریں ملاحظہ ہوں۔

مسئلہ صفات۔ دیگر معتزلے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے صفات کے منکر تھے ابوالہذیل صفات کا قائل تھا مگر با یں شرط کہ صفات عین ذات ہیں دیگر معتزلے کہتے تھے کہ خدا عالم لذاتہ ہے علم سے نہیں۔ قادر لذاتہ ہے قدرت سے نہیں۔ حی لذاتہ ہے حیات سے نہیں ابوالہذیل کہتا تھا خدا عالم ہے علم سے مگر علم اس کی ذات ہے حی ہے حیات سے مگر حیات اس کی ذات ہے یعنی صفات علیحدہ نہیں عین ذات ہیں۔ اس لئے تعدد قدما لازم نہیں آ سکتا

مسئلہ ارادہ۔ یہ مسئلہ ابو الہذیل کی ایجاد ہے۔ دیگر معتزلے منجملہ اور صفات کے ارادہ کے بھی منکر تھے ابو الہذیل کی رائے تھی کہ خدا صاحب ارادہ ہے مگر اس کا ارادہ کرنا خلق کرنا ہے۔ مخلوق "فی محل" ہے مگر خلق نہیں ایسا ہی مراد فی محل ہے مگر ارادہ فی محل نہیں۔ اللہ لم یزل سمیعاً و بصیراً کے معنی ہیں اللہ سیسمع و سیبصر کیونکہ جب دنیا نہ تھی اور نہ کچھ سننے کو تھا نہ کچھ دیکھنے کو اس وقت خدا کیا سنتا اور کیا دیکھتا ہوگا لہذا اس کا لم یزل سمیعاً و بصیراً ہونا مہمل معلوم ہوتا ہے۔

مسئلہ کلام باری تعالیٰ۔ کلام باری تعالیٰ کے دو حصے ہیں ایک وہ حصہ جو خلق اور تکوین سے متعلق ہے مثلاً "کن" دوسرا وہ حصہ جو امر نہی خبر استخبار وغیرہ سے متعلق ہے۔ پہلا حصہ فی محل نہیں لیکن دوسرا حصہ فی محل ہے پہلا حصہ قدیم اور دوسرا حصہ محدث ہے۔

مسئلہ عدل ابو الہذیل قدری الاولی اور جبری الآخرۃ تھا یعنی اسکی رائے میں بندہ اس دنیا میں مختار ہے مگر آخرت میں مجبور ہوگا۔ اور

دنیا میں اسکی حرکتیں اختیاری ہیں۔ مگر دوسری دنیا میں ضروری اور مخلوق ہونگی
آخرت میں بندہ کا مجبور ہونا اس نے اس طرح ثابت کیا۔ بندہ اس دنیا
میں مکلف ہے اس لیے آزاد ہے چونکہ وہ آخرت میں مکلف نہیں ہوگا اسلئے
مجبور ہوگا۔ ابو الہذیل یہ بھی کہتا تھا کہ آخرت میں آخر میں حرکتیں جیسا
کہ انکا خاصہ ہے رک جائیں گی۔ اور بہشت اور دوزخ پر ایک سناٹا چھا
جائے گا۔ اہل بہشت کو اس سناٹے میں راحت ملے گی اہل دوزخ
کو تکلیف محسوس ہوگی۔ جہم ابن صفوان جو ایک مشہور جبریہ تھا اسکا خیال تھا
کہ آخرت میں جب نیکوں کو نیکی کی جزا اور بدوں کو بدی کی سزا مل چکیگی تو
بہشت اور دوزخ دونو فنا ہو جائیں گے سب کچھ فنا ہو جائے گا خدا
اکیلا رہ جائے گا۔ جہم ابدی سزا و جزا کا قائل نہ تھا

افعال دو قسم کے ہوتے ہیں افعال قلوب اور افعال جوارح۔ افعال
قلوب پر قادر ہونے کیلئے صرف سلامت اور صحت کافی نہیں۔ سلامت
اور صحت کے ساتھ قدرت اور استطاعت بھی ہونی چاہیے۔ لیکن

افعال جوارح پر قادر ہونیکے لیے صرف سلامت اور صحت کافی ہے
نیز ثواب حاصل کرنیکے لیے اچھے کام کی اور عقاب پانے کیلئے بُرے
کام کی صرف خواہش کافی نہیں خواہش کے ساتھ قدرت اور
استطاعت بھی ہونی چاہیے۔ ساتھ ہی اُسکے یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ
کام کر لیا گیا یا نہیں۔ کیونکہ "کرتا ہے" اور "کر لیا ہے" میں بہت فرق ہے
پہلی صورت میں فاعل ثواب و عقاب کا مستحق نہیں ہو سکتا دوسری
صورت میں ہو سکتا ہے۔

مسئلہ تولد بھی مسئلہ ارادہ کی طرح ابو الہذیل کی ایجاد ہے: تولد کے
معنی کسی شے کا خود بخود پیدا ہو جانا۔ ابو الہذیل کا قول تھا کہ جو شے
انسان کے فعل سے متولد ہو اس کا صانع انسان ہے مگر رنگ اور
مزے اور بو کا صانع انسان نہیں یہ خاصیتیں تولد کا نتیجہ ہیں۔ نیز لڑکا
اگر ماں کے پیٹ سے سب کچھ سیکھ کر نہ آئے تو اُستاد اُسکو کچھ نہیں
سکھا سکتا۔ بالفاظ دیگر اشیاء میں خاصیتیں پہلے سے موجود ہوتی

نہیں۔ انسان بغیر اُنکی مدد کے کچھ نہیں کر سکتا۔

مسئلہ عقل۔ متفکر یعنی عاقل و بالغ انسان پر واجب ہی کہ ورودِ سمع کے قبل ہی خدا کو دلیل سے پہچانے اگر اس نے اسمیں کوتاہی کی تو وہ مستوجب سزائے ابدی ہے اور ایسا ہی اسپر واجب ہی کہ حسین کے حسن اور قبیح کے قبح کو جانے افعالِ حسنہ مثلاً صدق و عدل پر اقدام کرے اور افعالِ قبیحہ مثلاً کذب اور ظلم سے اعراض کرے۔ صرف نماز پڑھنا اور روزہ رکھنا عبادت نہیں ماہیت اشیا اُنکا دریافت کرنا بھی ایک قسم کی عبادت ہی۔ مکرہ سے یعنی اس شخص سے جو مجبور ہو کر برا کام کرے آخرت میں مواخذہ نہیں ہوگا

آجال کی نسبت ابو الہذیل کا خیال تھا کہ موت کا ایک دن معین ہی مگر مرگِ ناگہانی کا نہیں۔ رزاق کی نسبت وہ کہتا تھا کہ جس چیز کو خدا نے حلال کیا ہی وہ رزق ہے۔ جس چیز کو خدا نے حرام کیا ہے وہ رزق نہیں ہے اگر کوئی شخص کہے کہ میں نے ایک ایسی شے سے نفع اٹھایا ہے جسکو خدا نے رزق نہیں بنایا تو وہ غلطی کرتا ہے کیونکہ دنیا میں کوئی مفید چیز ایسی نہیں

سے جسے خدا نے حلال نہ کیا ہو اور رزق نہ بنایا ہو۔

ابو یعقوب الشحام اور آدمی ابو الہذیل کے ہم خیال تھے۔

ابراہیم بن سیار النظام (المتوفی ۲۳۱ھ) ابو الہذیل کا ہم عصر تھا فلسفہ داں تھا فلسفے کو اعتزال میں ملا دیا بہت تیز دلیر اور صاف گو تھا شیطان المعتزلہ کہا جاتا تھا اسکے خیالات یہ ہیں۔

اور معتزلے کہتے تھے خدا ظلم پر قادر ہے لیکن کرتا نہیں۔ نظام کہتا تھا نہیں ظلم پر قادر ہی نہیں۔ خدا کو ایسے کام پر ہرگز قدرت حاصل نہیں جس میں بندوں کی خرابی ہو اسے صرف ان کاموں پر قدرت حاصل ہے جن میں انکی صلاح ہو۔ آخرت میں بھی خدا نہ اہل نار کا عذاب گھٹا بڑھا سکتا ہے نہ اہل جنت کی راحت گھٹا بڑھا سکتا ہے نہ کسی کو جنت سے نکال سکتا ہے نہ کسی کو دوزخ سے نکال سکتا ہے خدا مطبوع مجبور ہے گویا وہ ایک قسم کا قانون ہے جو نہ بدل سکتا ہے نہ ٹل سکتا ہے نہ منسوخ ہو سکتا ہے۔ نظام اپنے مخالفین سے کہتا تھا کہ تم جو یہ کہتے ہو کہ خدا ظلم کر سکتا ہے مگر کرتا نہیں غلط ہے اگر کر سکتا

تو ضرور کرتا۔ خدا جواد ہے اور ہر گز جواد کی شان کے شایاں نہیں کہ وہ بخل کرے خدا نے جیسا دنیا کو بنایا ویسا ہی بنا سکتا تھا اس سے "احسن" اور "اکمل" نہیں بنا سکتا تھا۔ اگر بنا سکتا تو ضرور بناتا۔

خدا موصوف بہ ارادہ نہیں۔ جیسا کہ وہ اوصفتوں سے منزہ ہے ویسا ہی وہ اس صفت سے بھی منزہ ہے قرآن میں جہاں آیا ہے کہ خدا اپنے افعال کا مرید ہوا اسکے یہ معنی ہیں کہ اس نے خلق کیا اور جہاں آیا ہے کہ وہ بندوں کے افعال کا مرید ہوا اسکے یہ معنی ہیں کہ اس نے حکم کیا۔

قرآن معجزہ اسلیے ہے کہ اسمیں ماضی اور استقبال کی خبریں ہیں اور اسلیے کہ خدا نے عربوں کو اس پایہ کی کتاب کے لکھنے سے عاجز کردیا اگر عاجز نہ کرتا تو ایسی فصیح و بلیغ کتاب کا لکھنا کچھ مشکل نہ تھا۔

متفکر پر واجب ہے کہ خدا کو "نظر" اور "استدلال" سے جانے اور عقل سے

ؔ ابن المقفع المتوفی ۱۴۳ مترجم کلیلہ و دمنہ بشار ابن برد المتوفی ۱۶۷ نے قرآن کے مقابلہ میں کتابیں لکھیں۔

چیزوں کے حُسن و قبح کو پہچاننے ۔

اگر کوئی شخص ایک سو ننانوے درہم چوری یا ظلم سے حاصل کرے تو فاسق نہیں ہو سکتا مگر اگر دو سو درہم جو نصاب زکوٰۃ ہے ان ناجائز طریقوں سے حاصل کرے تو فاسق ہو جاتا ہے ۔

معاد میں اطفال اور بہائم کی ایک ہی حالت ہو گی یعنی دونوں بخشے جائیں گے ۔ استطاعت قبل فعل کے بندے کو ہونی چاہیئے ورنہ وہ جواب دہ نہیں ٹھیرایا جا سکتا ۔ جو فعل انسان کی قدرت سے باہر ہو جاتا ہے اسکا فاعل خدا ہے ۔ مثلاً انسان آسمان کی طرف پتھر پھینکتا ہی جب تک اسکے زور کا اثر رہتا ہے پتھر اوپر کی طرف جاتا ہی جب اثر ختم ہو جاتا ہے تو پتھر زمین پر گر پڑتا ہی ۔ پتھر کو زمین پر گرانے کا فاعل خدا ہے بالفاظ دیگر کل اشیا پر قانون فطرت حاوی ہی ۔

انسان نام ہے نفس یعنی روح کا ۔ بدن روح کا قالب ہی روح ایک شے لطیف ہے جو بدن میں ایسی ملی ہوئی ہے جیسا کہ عطر گلاب بن گئے

پھول میں یا تیل تلوں میں یا گھی دودھ میں

انسان کے افعال سب حرکات ہیں۔ سکون بھی ایک قسم کی حرکت ہے جسکو حرکت اعتمادی کہنا چاہیئے علوم اور ادراکات نفس کی حرکات کیلئے "نقل" ضروری نہیں "تغیر" کافی ہے۔

نظام ارسطو کی طرح مسئلہ "الجزء ولا یتجزی" کا منکر تھا یعنی اس کا خیال تھا کہ ہر چیز لا متناہی ذروں سے مرکب ہے اور ہر ذرہ لا متناہی ذروں سے مرکب ہے کوئی ذرہ ایسا نہیں جو بے شمار ذروں میں تقسیم نہو سکے

جوہر اعراض کے مجموعے کا نام ہے۔ رنگ مزا اور بو وغیرہ بھی اجسام ہیں مگر اسقدر لطیف ہیں کہ دکھائی نہیں دیتے۔ اجسام اعراض بنتے رہتے ہیں اعراض اجسام بنتے رہتے ہیں جسم اور روح مختلف چیزیں نہیں در اصل ایک ہیں۔ روح بھی جسم ہے مگر اسقدر لطیف کہ دکھائی نہیں دیتی

اللہ تعالےٰ نے موجودات کو ایک دفعہ پیدا کیا مگر بعض کو بعض

میں چھپا دیا۔ جیسا کہ چونٹیاں نکلنے کے بعد دیکھو ایک بل سے نکلکر دوسرے بل میں جاتی ہیں ایسا ہی چیزیں عالم غیب سے نکلکر عالم غیب میں جا رہی ہیں۔ جیسا کہ چونٹیاں بل میں موجود ہوتی ہیں مگر دکھائی نہیں دیتیں ایسا ہی چیزیں عالم غیب میں موجود ہوتی ہیں مگر دکھائی نہیں دیتیں۔ انکے دکھائی نہ دینے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ نہیں ہیں۔ حضرت آدم اپنی اولاد سے پہلے پیدا نہیں ہوئے ہاں دنیا میں انکا ظہور اپنی اولاد سے پہلے ہوا آج کل کے طبعیین بھی کہتے ہیں کہ شروع میں خدا نے ذروں کو پیدا کیا اور ان بے مقدار ذروں کے پیٹ میں حیوانات نباتات جمادات جنگل پہاڑ سمندر بھر دئیے جن کا ظہور دنیا میں بتدریج ہوا۔

الاسواری۔ ابو جعفر الاسکافی جعفر بن بشر۔ جعفر بن حرب۔ محمد بن شعیب۔ ابو شمر۔ موسیٰ بن عمران۔ ابن بشر نظام کے ہم خیال تھے بعض مسئلوں میں اس سے قدرے اختلاف کیا۔ الاسواری کا قول تھا کہ خدا ایسے کام پر قدرت نہیں رکھتا جسکو جانتا تھا کہ نہیں کریگا یا جسکی نسبت اسنے خبر دی ہے کہ نہیں کریگا

اپنے
انسان کام پر قدرت رکھتا ہے کیونکہ خدا اپنے قوانین سے مجبور ہے انسان
مجبور نہیں ہے۔ خدا اپنے قوانین کسی حالت میں نہیں توڑ سکتا مگر انسان اپنے
بنائے ہوئے قوانین کو توڑتا رہتا ہے اور بدلتا رہتا ہے۔ اگرچہ ابولہب
کے بارے میں آیا ہے "سیصلے نارا ذات لہب" پھر بھی قیامت کے روز
اس سے خطاب ہوگا اور بعد تحقیقات، کے اسے سزا ملے گی۔ ابو جعفر
الاسکافی کا قول تھا کہ اللہ تعالیٰ عقلا پر ظلم کرنے کی قدرت نہیں رکھتا
مگر اطفال اور مجانین پر ظلم کر سکتا ہے یہ اور بات ہے کہ نہ کرے کیونکہ عقلا مکلف
ہوتے ہیں اور اطفال اور مجانین مکلف نہیں ہوتے۔ جعفر بن مبشر کا قول
تھا کہ فاسق مسلمان زنادقہ اور مجوس سے بدتر ہیں۔ صحابہ کا اجماع نص اور
توقیف میں معتبر ہے مگر شراب کی سزا وغیرہ معاملات میں نہیں۔ اگر کوئی
شخص ایک حبہ بھی چرالے تو فاسق ہو جاتا ہے اور ایمان سے خارج۔ محمد
بن شعیب۔ ابوشمر۔ اور موسیٰ بن عمران نے مسئلہ "وعد و وعید" اور مسئلہ
منزلۃ بین المنزلتین" میں نظام سے اختلاف کیا۔ ان کی رائے تھی کہ صاحب

کبیرہ دائرہ ایمان سے خارج نہیں ہو سکتا۔ ابن بشر کہتا تھا کہ خلود فی النار کا علم ورود سمع کے قبل ہو سکتا ہے۔ اور معتزلے کہتے تھے کہ نہیں ہو سکتا

احمد بن حائط اور فضل ابن الحدثی نظام کے شاگرد تھے اعتزال کے زور میں اسلام تنصر اور تناسخ کو آپس میں گڈمڈ کر دیا۔ ان کی بلند پروازیاں ملاحظہ ہوں۔

مسیح مجسم کلمہ قدیمہ ہے بلکہ خدا ہے "جاء ربک الملک صفا صفا" اور "او یاتی ربک"۔ ان دو آیتوں میں اس کی طرف اشارہ ہے نیز "خلق آدم علی صورۃ الرحمن" اور "یضع الجبار قدمہ فی النار" ان دو حدیثوں میں بھی اسی کی طرف اشارہ ہے۔ نیز سب سے پہلے خدا نے انسانوں کو صحیح سالم عاقل اور بالغ جنت اولیٰ میں پیدا کیا اور انہیں چند امور کی تکلیف دی بعضوں نے ہر امر میں خدا کی طاعت کی بعضوں نے ہر امر میں خدا کی نافرمانی کی۔ بعضوں نے بعض امور میں طاعت کی۔ بعض امور میں نافرمانی کی

جنہوں نے ہر امر میں طاعت کی خدا نے انہیں جنت والی یعنی دارالابتدا میں رہنے دیا۔ جنہوں نے ہر امر میں نافرمانی کی انہیں دارالعذاب یعنی دوزخ میں بھیج دیا۔ جنہوں نے بعض امور میں طاعت کی اور بعض امور میں نافرمانی انہیں دارالابتلا یعنی اسی دنیا میں بھیج دیا۔ اور کثیف اجسام کا لباس پہنایا۔ انکیلئے تکلیفیں پیدا کیں اور راحتیں پیدا کیں جنہوں نے طاعت بہ نسبت نافرمانی کے زیادہ کی تھی انہیں خوب صورت بنایا اور انہیں راحتیں بہ نسبت تکلیفوں کی زیادہ دیں جنہوں نے نافرمانی بہ نسبت طاعت کے زیادہ کی تھی انہیں بدصورت پیدا کیا اور تکلیفیں بہ نسبت راحتوں کے زیادہ دیں۔ دارالابتلا میں لوگ بار بار مرتے رہتے ہیں اور بار بار پیدا ہوتے رہتے ہیں بار بار مرتے رہیں گے اور بار بار پیدا ہوتے رہیں گے اور اپنے اعمال کے موافق اچھے یا برے جسم لیتے رہیں گے یہانتک کہ جب کسی شخص کی طاعت کا پیمانہ بھر جائیگا اور اسکے سب اعمال طاعت ہو جائیں گے اور وہ مطیع مخلص ہو جائے گا تو خدا طرفۃ العین میں اسے جنت میں بھیج دیگا اگر خدا نے اس میں ذرا بھی دیر کی

تو وہ ظالم سمجھا جائے گا کیونکہ حدیث میں آیا ہے "اعطوا الاجیر اجرتہ قبل ان یجف عرقہ" اور جب کسی شخص کی معصیت کا پیمانہ لبریز ہو جائے گا اور اسکے سارے اعمال معصیت ہو جائیں گے اور وہ عاصی محض ہو جائیگا تو خدا طرفۃ العین میں اسے دارالعذاب میں بھیج دیگا کیونکہ قرآن میں آیا ہے "فاذا جاء اجلھم لا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون"

دارالقرار میں خدا کا دیدار نصیب نہ ہوگا۔ البتہ عقل اول* کو جنتی دیکھ سکینگے "سترون ربکم کما ترون القمر لیلۃ البدر لا تضامون فی رؤیتہ" میں رب سے مراد عقل اول ہی جو مبدع اول اور عقل فعال ہے اور جس سے تمام صورتیں ظاہر ہوئیں۔ ایک اور جگہ حدیث میں آیا ہے "اول ما خلق اللہ تعالے العقل فقال لہ اقبل فاقبل ثم قال لہ ادبر فادبر فقال وعزتی وجلالی ما خلقت

* فلاسفہ کا خیال تھا کہ خدا نے پہلے عقل اول یا عقل فعال کو پیدا کیا عقل اول نے دنیا کو پیدا کیا خدا نے براہ راست دنیا کو نہیں پیدا کیا۔

خلقا احسن منک بک اعز و بک اذل و بک اعطی و بک امنع" قیامت کے روز جب عقل فعال ظاہر ہوگی تو اسکے اور صورتوں کے بیچ جو پردہ حائل ہے اٹھ جائے گا اور جنتی اُسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھیں گے جیسا کہ چودہویں رات کا چاند دیکھا جاتا ہے لیکن خدا کسی کو نہیں دکھائی دیگا البتہ عقل فعال اسے دیکھ سکے گی۔ پرندوں اور چوپایوں میں بھی امتیں ہوتی ہیں اور پیغمبر ہوتے ہیں جیسا کہ ان دو آیتوں سے ظاہر ہے" لا طائر یطیر بجناحیہ الا امم امثالکم" "وان من امۃ الا خلا فیھا نذیر"

: حمد بن ایوب بن مانوس بھی تناسخ کا قائل تھا اسکا خیال تھا کہ جب کوئی انسان طاعت کرتے کرتے نبوت یا ملکیت کے درجے پر پہنچ جاتا ہے یا معصیت کرتے کرتے بہیمیت کے درکے پر پہنچ جاتا ہے تو اُسے سب تکالیف معاف ہو جاتے ہیں اور وہ مکلف نہیں رہتا

بشر بن المعتمر بڑا عالم و فاضل تھا مسئلہ تولد میں غلو کرتا تھا۔ ابو الہذیل

کا خیال تھا کہ رنگ اور بو اور مزہ وغیرہ افعال متولد کا فاعل انسان ہیں
بشر کا قول تہا کہ افعال متولد کا فاعل نہ انسان ہے نہ خدا ۔ خدا چیزوں
میں خاصیتیں پیدا کر کے فارغ ہو گیا اب وہ بیکار بیٹھا ہوا ہے اور دنیا کا
انتظام خود بخود چل رہا ہے ۔ بشر کے باقی خیالات یہ ہیں ۔ استطاعت
صحت اور سلامت کے علاوہ کسی اور چیز کا نام نہیں ۔ خدا اطفال پر ظلم
کرنے کی قدرت رکھتا ہے لیکن اگر اس نے ظلم کیا تو ظالم ٹھیریگا ۔ ارادہ
خدا کی صفت ہے ۔ صفت دو قسم کی ہوتی ہے ذاتی یا فعلی جب ارادہ خدا کی
صفت ذاتی ہو تو اسکے یہ معنی ہیں کہ خدا اپنے افعال کا اور اپنے بندوں
کی تمام طاعات کا ازلی مرید ہے اور جب صفت فعلی ہو تو اسکی دو
صورتیں ہیں ایک وہ صورت جسمیں خدا اپنے افعال کا مرید ہو دوسری وہ
صورت جسمیں وہ اپنے بندوں کے افعال کا مرید ہو پہلی صورت میں خدا کا مرید ہونا
خالق ہونا ہے دوسری صورت میں اسکا مرید ہونا آمر ہونا ہے ۔ اگر خدا
تمام انسانوں کو مومن بنا دیے تو انکا "لطف" ہوگا لیکن اس پر فرض

نہیں کہ ایسا کرے جس بات میں بندوں کی صلاح ہو اسکا کرنا خدا پر واجب ہے۔ مگر جو بات اُنکے لیئے "اصلح" ہو اُسکا کرنا خدا پر واجب نہیں کیونکہ "اصلح" کی کچھ حد مقرر نہیں ہو سکتی۔ ایک سے ایک چیز اصلح ہو سکتی ہے خدا پر صرف اتنا واجب ہی کہ بندوں کو قدرت اور استطاعت دے اور پیغمبر بھیج کر ان کو ہدایت کرے۔ "منکر" "ورود سمع" کے قبل ہی خدا کو نظر اور استدلال سے جان سکتا ہے اگر کوئی شخص کبیرہ سے توبہ کر کے پھر کبیرہ کا مرتکب ہو تو وہ پھر عقوبت کا مستحق ہو جاتا ہی کیونکہ توبہ اسی شرط سے قبول ہوتی ہے اور عقوبت اسی شرط پر معاف ہوتی ہے کہ تائب توبہ نہ توڑے

معمر بن عباد السلمی نوشگانی میں یدطولے رکھتا تھا۔ قولہ۔ خدا صاحب ارادہ ہے لیکن اسکا ارادہ کرنا نہ خلق کرنا ہے نہ حکم کرنا ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا ہے۔ خدا عالم نہیں کیونکہ علم اسے یا اپنا ہوگا یا غیر کا

اگر اسے اپنا علم ہوگا تو خود عالم بھی ہوگا اور معلوم بھی یعنی اس کی ذات میں دوئی پیدا ہو جائے گی اور اسکی توحید میں فرق آجائے گا۔ اور اگر اُسے غیر کا علم ہوگا توگویا وہ عالم ہونے کیلئے غیر کا محتاج ہوگا اسمیں اس کی کسر شان ہے غرض دونوں حالتوں میں خدا کو عالم نہیں کہہ سکتے اسے قدیم بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ لفظ قدیم تقادم زمانی پر دلالت کرتا ہے اور خدا کا وجود زمانی نہیں۔ خلاصہ یہ کہ خدا تمام صفات سے مبرا ہے۔ اسے کچھ بھی نہیں کہہ سکتے وہ دنیا کی چیزوں سے اسقدر مختلف ہے۔

نظام کی رائے تھی کہ اجسام اور اعراض در اصل ایک ہیں اجسام اعراض بنتے رہتے ہیں معمر کا خیال تھا کہ اعراض اجسام کا لازمی نتیجہ ہیں۔ مثلاً حرارت آگ کا لازمی نتیجہ ہے حرکت حیوان کا لازمی خاصہ ہے۔ خدا نے اجسام پیدا کیے اعراض نہیں۔ اعراض اجسام سے خود بخود پیدا ہو گئے۔ اعراض ہر نوع میں لامتناہی ہیں اور قائم بہ محل ہیں یعنی معنوی ہیں۔ سکون اور حرکت میں جو مخالفت ہے ذاتی نہیں معنوی ہے۔ علے ہذہ القیاس

ہر ضدین کا ضد معنوی ہوتا ہے۔ ان خیالات کے وجہ سے معمر اور اُسکے شاگرد صحاب المعانی کہلاتے تھے۔

انسان جوہر ہے جسم نہیں عالم ہے قادر ہے مختار ہے۔ حکیم ہے پر نہ متحرک ہے نہ ساکن نہ متکون ہے نہ متمکن۔ نہ دکھائی دیتا ہے نہ چھوا جاتا ہے نہ کسی اور طرح سے محسوس ہوتا ہے نہ مکان اسے گھیرے ہوئے ہیں۔ نہ زمان اسکا محاصرہ کئے ہوئے ہے۔ جسم کا مدبر ہے انسان کا کام ارادہ کرنا ہے حرکات سکنات اعتمادات وغیرہ جسم کا کام ہیں۔

عیسے بن صبیح المکنی بابی موسی الملقب بہ مزدار۔ بشر بن المعتمر کا شاگرد تھا بڑا زاہد تھا راہب المعتزلہ کہلاتا تھا اور بہت ہی متعصب تھا اسکے خیالات یہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ جھوٹ بولنے اور ظلم کرنے پر قادر ہے لیکن اگر جھوٹ بولے گا اور ظلم کرے گا تو جھوٹا اور ظالم کہلائے گا ایک فعل دو فاعلوں سے بطور تولد کے وقوع میں آسکتا ہے۔ قرآن ایسی فصیح و بلیغ کتاب کا لکھنا

کچھ مشکل نہیں ہے۔ جو شخص قرآن کو قدیم سمجھتا ہے کافر ہے۔ جو شخص سلطان
کی چاپلوسی کرتا ہے کافر ہے۔ جو شخص سمجھتا ہے کہ بندوں کے اعمال کا
خالق خدا ہے کافر ہے۔ جو شخص کہتا ہے کہ خدا دار القرار میں ان آنکھوں سے
دکھائی دیگا کافر ہے اگرچہ وہ کلمہ گو کیوں نہو ایک مرتبہ ابراہیم بن السندی نے
اس سے کہا کہ آپ تو ساری دنیا کو کافر بنا رہے ہیں کیا جنت جس کا عرض
زمین و آسمان کے برابر ہے صرف آپ کے لیے اور آپ کے چند شاگردوں
کے لیے بنی ہے۔ مزدار بقول شہرستانی کچھ جواب نہ دے سکا۔

عقل سے اشیا کا حسن و قبح دریافت ہوسکتا ہے عاقل پر واجب ہے
کہ ورود سمع کے قبل بھی خدا کو پہچانے اور اسکے احکام کو جانے اگر اسنے
اس میں کوتاہی کی تو عقوبت دائمہ کا مستوجب ہوگا۔

ابو جعفر محمد بن عبد اللہ الاسکافی۔ عیسےٰ ابن الہیثم اور جعفر بن حرب
مزدار کے شاگرد تھے۔ جعفر بن کا قول تھا کہ قرآن لوح محفوظ میں محفوظ ہے
اسکا انتقال ناممکن ہے۔ کیونکہ شے واحد ایک حالت اور ایک وقت میں

دو مکانوں میں موجود نہیں ہو سکتی۔ جو قرآن ہم پڑھتے ہیں وہ اس مکتوب اول کی جو لوح محفوظ میں ہے نقل ہے۔ اسلیے محدث اور مخلوق ہے۔

ثمامہ بن اشرس النمیری المتوفی ۲۱۳ھ بقول شہرستانی بڑا فاسق تھا باوجودیکہ اسکا اعتقاد تھا کہ اگر فاسق بغیر توبہ کیے مرجائے تو وہ ہمیشہ آگ میں جلتا رہیگا۔ اس دنیا میں نہ وہ مومن کہلایا جاسکتا ہے نہ کافر منزلۃ بین المنزلتین میں ہے۔ ہارون رشید نے اسے کفر کے جرم میں بہت دنوں تک قید رکھا۔ مگر مامون اسکو بہت اچھا جانتا تھا۔ اسکے خیالات یہ ہیں۔

افعال متولدہ کا فاعل نہ انسان ہے نہ خدا نہ معلوم کون ہے معرفت فعل متولدہ ہے دیگر متولدات کی طرح اسکا کوئی فاعل نہیں لہذا ورود سمع کے قبل بھی واجب ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص سچے دل سے کوشش کرنے کے بعد معرفت حاصل نہ کر سکے تو وہ معذور ہے۔ تمام معارف ضروری ہیں جو شخص معرفت حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے وہ حیوانوں کی طرح انسانوں کے

غلام بنے رہتے ہیں یعنی جہلا کو ہمیشہ محکوم رہنا پڑتا ہے۔ انسان کا کام صرف ارادہ کرنا ہے اسکے افعال متولدہ ہوتے ہیں۔ دنیا کو پیدا کرنا خدا کی فطرت میں تھا اسلئے اسے دنیا پیدا ہی کرنا پڑی۔ جب دنیا خدا کی فطرت کے ساتھ وابستہ ہے تو خدا کی طرح قدیم بھی ہے۔

استطاعت نام ہے سلامت وصحت جوارح کا اور آفات سے محفوظ رہنے کا استطاعت قبل فعل کے ہونی چاہیئے۔

کفار مشرک مجوس۔ یہود نصاریٰ زنادقہ دہریہ وغیرہ قیامت کے روز مٹی ہوجائیں گے یہی حال بہائم طیور اور مسلمانوں کے بچوں کا ہوگا خدا سے یہ ظلم کبھی نہیں ہوسکتا کہ انہیں ہمیشہ آگ میں جلاتا رہے۔

ہشام بن عمرو الفوطی۔ غالی معتزلہ تھا اس کے خیالات یہ ہیں خدا بندوں کے افعال کا خالق نہیں ہوسکتا۔ جن آیتوں سے خدا کا بندوں کے افعال کا خالق ظاہر ہوتا ہے۔

ان کی تاویل کرنی چاہیے مثلاً "ما الفت بین قلوبہم ولکن اللہ الف بینہم" "حبب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم" "ختم اللہ علی قلوبہم وعلی سمعہم" "وجعلنا من بین ایدیہم سداً ومن خلفہم سداً" یہ سب آیتیں تاویل طلب ہیں۔ خدا نے اجسام کو پیدا کیا اعراض کو نہیں اعراض اجسام سے خود بخود پیدا ہوئے۔ جنت اور دوزخ فی الحال موجود نہیں کیونکہ اسوقت ان کی ضرورت نہیں انکے خالی پڑے رہنے سے کیا فائدہ۔ مومن وہ ہے جو مرتے دم تک مومن رہے۔ اگر کسی شخص نے عمر بھر طاعت کی ہو اور صرف ایک گناہ کبیرہ کیا ہو تو وہ وعدہ کا مستحق نہیں ہو سکتا جیساکہ وہ شخص وعدہ کا مستحق نہیں ہو سکتا جس نے عمر بھر معصیت کی ہو اور صرف دو چار اچھے کام کئے ہوں۔

جب تک ایک شے عالم غیب میں ہو اور عالم ظاہر میں ظاہر نہوئی ہو اسے شئے نہیں کہہ سکتے لیکن اگر ظاہر ہونے کے بعد غیب ہوجائے تو پھر اسپر شئے کا اطلاق ہو سکتا ہے لہذا خدا اشیا کو انکے پیدا ہونے سے پہلے نہیں جان سکتا کیونکہ اسوقت اشیا اشیا نہیں ہوتے۔ مخالفین اعتزال کو قتل کرنا۔

ان پر ظلم کرنا اور انکا مال لوٹنا جائز ہے۔ عباد اسکے ایک شاگرد کا قول تھا کہ اللہ تعالیٰ کافر کا خالق نہیں کیونکہ کافر مرکب ہی کفر اور انسان سے اور خدا کفر کا خالق نہیں ہو سکتا۔ نبوت نیک اعمال کی جزا ہے اور یہ رہے گی جب تک دنیا رہیگی۔ خدا نہ قائل کہا جا سکتا ہے نہ غیر قائل نہ متکلم کہا جا سکتا ہے نہ غیر متکلم۔ اسکافی کی بھی یہی رائے تھی۔

عمروبن بحر الجاحظ نظام کا شاگرد تھا فلسفہ داں تھا اور معتزلے متقرر تھے۔ جاحظ محرر تھا۔ کئی کتابیں تصنیف کیں طرز تحریر اسکا بہت اچھا تھا معتصم اور متوکل کا بھی ہمعصر تھا۔ اسکے خیالات یہ ہیں۔

معارف تمام ضروری اور طبعی ہیں انسان کا کام صرف ارادہ کرنا ہے افعال اسکے تمام طبعی ہیں قدامریدوں برے جن سے سہو نہ ہوتا اور رہ جاتا ہے جو کام وہ کرتا ہے۔ مغلوب اور مقہور ہو کر وہ کوئی کام نہیں کرتا۔ اجسام کے اپنے اپنے طبائع ہوتے ہیں اور انسے افعال مخصوصہ ظاہر ہوتے

ہیں اعراض بدلتے رہتے ہیں مگر جوہر فنا نہیں ہو سکتا۔ اہل آتش کو دوزخ میں تکلیف نہیں ہو گی۔ کیونکہ ان کی صورت آتشیں ہو جائیگی اور ان کی خوگرم ہو جاوے گی۔ دوزخی دوزخ میں داخل نہیں ہوتے بلکہ دوزخ دوزخیوں کو اپنی طرف کھینچ لیگی۔ خدا صفات سے عاری ہے۔ بندہ خیر و شر پر قدرت رکھتا ہے عقلا جان سکتے کہ خدا ہمارا خالق ہے اور ہم پیغمبروں کے محتاج ہیں۔ جہلا معذور ہیں عقلا مجوج ہیں۔ جس شخص کا عقیدہ ہو کہ خدا جسم و صورت سے منزہ ہے ان آنکھوں سے نہیں دکھائی دیگا۔ عادل ہے ظالم نہیں معاصی کا مرید نہیں تو وہ مسلم حق ہی اگرچہ وہ رسالت کا قائل نہو اور جو شخص ان باتونکا منکر ہو اور جبر اور تشبیہ کا قائل ہو تو وہ کافر حق ہے اگرچہ وہ رسالت کا قائل کیوں نہو جس شخص نے ان باتوں پر غور نہ کیا ہو مگر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اس کا عقیدہ ہو تو پھر اس کو بھی مسلمان کہہ سکتے ہیں۔ قرآن جاندار ہی کبھی انسان بن جاتا ہے کبھی حیوان۔ غالباً جاحظ یہ بات مذاقاً ان لوگونکے بنانے کیلئے

کہتا ہوگا جو قرآن کو قدیم ماننے میں غلو کرتے تھے

اعتزال کے نادان دوست

منصور کے عہد سے واثق کے عہد تک معتزلے خوب پھلے پھولے بعض اعتزال کے جوش میں اعتزال سے اعتزال کر گئے اور گمراہ ہوگئے مگر چند جو علم میں راسخ تھے مثلاً البشر بن المعتمر جاحظ وغیرہ وہ اعتزال سے ترقی کر کے ملحد ہو گئے اور منزل مقصود پر پہنچ گئے وہ جان گئے کہ دنیا تولد کا نتیجہ ہے یعنی خود بخود بنی ہے اسے کسی نے نہیں بنایا وہ جان گئے کہ دنیا قدیم ہے کیونکہ یہ ایک قانون فطرت ہے کہ معدوم چیز کبھی موجود نہیں ہو سکتی اور موجود چیز کبھی معدوم نہیں ہو سکتی وہ جان گئے کہ دنیا کا انتظام بآئین تولد خود بخود چل رہا ہے یہی الحاد ہے یہی حقائق کی حقیقت اور معارف کی معرفت ہے یہی فلسفہ کا خلاصہ ہے علوم جدیدہ کی جان ہے۔

منصور (۱۳۶ - ۱۵۸ھ) کے عہد سے معتزلوں کا عروج شروع ہوا
وہ معتزلوں کا بڑا مربی اور قدردان تھا اور عمرو بن عبید کے ساتھ اس کی
دوستی زبان زد خلائق تھی۔ مہدی (۱۵۸ - ۱۶۹ھ) کے عہد میں ان کو
اور عروج حاصل ہوا۔ اس کا وزیر یحییٰ برمکی معتزلہ تھا اس کے ہاں معتزلہ
کا جمگھٹا لگا رہتا تھا اور ہر وقت ایسے مسائل پر (مثلاً کون و ظہور۔ قدوم
و حدوث۔ اثبات و نفی۔ حرکت و سکون۔ مماثلت و مباینت وجود و عدم
اجسام و اعراض تعدیل و تحریر۔ کم و کیف۔ مصاف و امامت) مباحثہ
ہوا کرتا تھا۔ ہارون رشید (۱۷۰ - ۱۹۳) متعصب سنی تھا اسکے عہد میں
معتزلے ذرا دب گئے۔ مگر مامون رشید (۱۹۸ - ۲۱۸) کے عہد میں وہ
پھر ابھر سے۔ مامون کو مباحثہ کا بیحد شوق تھا۔ ہر شنگل کو اسکے دربار میں
معتزلے مجوسی اور ملحد جمع ہوتے تھے اور دن بھر قیل و قال کرتے تھے
مامون۔ معتصم اور واثق کے زمانے میں اعتزال کے عروج کی انتہا ہوگئی
وہ خود معتزلے تھے۔ ان کے دربار میں معتزلے تھے خلافت کے

کارکن معتزلے تھے قاضی ومفتی، معتزلے تھے معلم وخطیب معتزلے تھے اگر چندے یہی حالت رہتی تو ممکن تھا کہ اعتزال عالمگیر ہو جاتا اور کل اسلامی ممالک میں پھیل جاتا حتی کہ اسلام کا نام اعتزال اور اعتزال کا نام اسلام ہو جاتا مگر مامون نے کیا حماقت کی کہ اہل سنت وحدیث کو تلوار کے زور سے معتزلہ بنانا چاہا۔ اور ان پر جور وستم کرنے لگا معتصم اور واثق اسکے قدم بہ قدم چلے اس سے معتزلے بدنام ہو گئے اعتزال کمزور ہو گیا اور تسنن وتحدث کی تقویت ہوئی ذیل میں ان خلفا کے مظالم کا قصہ کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔

۲۱۲ھ میں مامون نے اعلان کیا کہ قرآن مخلوق ہے ۲۱۷ھ میں اس نے قاضی احمد بن ابی داود کو جو ایک قابل معتزلہ تھا قاضی مقرر کیا ۲۱۸ھ میں جب کہ وہ شام میں تھا اس نے اسحاق بن ابراہیم الخزاعی نائب بغداد کو مندرجہ ذیل خط لکھا

و قد عرف امیر المومنین ان الجمہور الاعظم والسواد الاکبر من جشوۃ

الرعية وسفلة العامة ممن لا نظر له ولا روية ولا استضاءة بنور العلم وبرهانه

اهل الجهالة بالله وعمى عنه وضلالة عن حقيقة دينه وقصور ان يقدروا الله حق

قدره يعرفوه كنه معرفته ويفرقوا بينه وبين خلقه وذلك انهم ساووا بين الله

وبين خلقه وبين ما انزل من القران فاطبقوا على انه قديم لم يخلقه الله

ويخترعه وقد قال تعالى انا جعلناه قرانا عربيا فكلما جعله الله فقد خلقه كما قال

الله تعالى "وجعل الظلمات والنور" وقال "نقص عليك من انباء ما قد سبق"

فاخبر انه قص الامور احدثه بعدها وقال "احكمت اياته ثم فصلت" والله محكم

كتابه ومفصله فهو خالقه ومبدعه ثم انتسبوا الى السنة وانهم اهل الحق والجماعة

وان من سواهم اهل الباطل والكفر فاستطابوا بذلك وغروا به الجهال

حتى مال قوم من اهل السمت الكاذب والتخشع بغير الله الى موافقتهم فنزعوا

الحق الى باطلهم واتخذوا دون الله وليجة الى ضلالهم - فرأى امير

المومنين ان اولئك شر الامة المنقوصون من التوحيد حظا واوعية الجهالة

واعلام الكذب ولسان ابليس الناطق في اوليائه والهائل على اعدائه

من اہل الدین اللہ واحق ان یتہم فی صدقہ وتطرح الشہادہ ولا یوثق بہ من

عمی عن رشدہ وحظہ من الایمان بالتوحید وکان عما سوی ذلک اعمی

واضل سبیلا ولعمر امیر المومنین ان اکذب الناس من کذب علی اللہ ووحیہ

وتخرص الباطل ولم یعرف اللہ حق معرفتہ فاجمع من بحضرتک من القضاۃ

فاقرا علیہم کتابنا وامتحنہم فیما یقولون واکشفہم عما یعتقدون فی خلقہ واحداثہ

واعلمہم انی غیر متعین فی عملی ولا اوثق بمن لا یوثق بدینہ فاذا اقروا بذلک

ووافقوا فمرہم بنص من بحضرتہم من الشہود ومسئلتہم من علمہم فی القران وترک

شہادۃ من لم یقر انہ مخلوق واکتب الینا بما یاتیک عن قضاۃ اہل عملک

فی مسئلتہم والامر لہم بمثل ذلک۔ مطلب۔

امیر المومنین کو معلوم ہے کہ عوام الناس اور جہلا چونکہ عقل و علم سے عاری

ہیں نہ خدا کو جان سکتے ہیں نہ دین کی حقیقت سمجھ سکتے ہیں نہ خالق و مخلوق

میں تمیز کر سکتے ہیں ان کا عقیدہ ہے کہ قران قدیم ہے اور اسے خدا نے

خلق نہیں کیا۔ حالانکہ خدا تعالی کہتا ہے انا جعلناہ قرانا عربیا یعنی ہم نے

قرآن کو عربی بنایا۔ پس جس شے کو اس نے بنایا۔ اسے اُسنے خلق کیا
ایک جگہ اور کہتا ہے "نقص علیک من انباء ما قد سبق" یعنی ہم تجہ سے
امور ماضی کا قصہ کہتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان امور کے وقوع
کے بعد خدا نے قرآن کو احداث کیا پس قرآن محدث ہے ایک اور جگہ
کہتا ہے "احکمت آیاتہ ثم فصلت" یعنی میں نے قرآن کی آیتوں کو محکم کیا
پہر ان کی تفصیل کی۔ پس خدا قرآن کا محکم اور مفصل ہی اسلیے اسکا خالق
اور مبدع ہی اہل سنت اپنے کو اہل حق و جماعت کہتے ہیں اور غیروں
کو اہل باطل و کفر۔ انہوں نے جہلا کو دہوکا دیکر اپنا ہم خیال بنالیا ہی
امیر المومنین کی راے میں وہ شر الامۃ جہالت کے برتن جہوٹ کے
جہنڈے اور ابلیس کی زبان ہیں۔ مناسب ہی کہ ان کا قول اور
مشہور کو نکا کچہہ اعتبار نہ کیا جائے اور ان کی شہادت مطلق قبول نہ کیجائے
امیر المومنین کو اپنی عمر کی قسم ہے کہ سب سے جہوٹا وہ شخص ہے جو خدا اور
اسکی وحی کی نسبت جہوٹ بولتا ہے اور وہ سے کما حقہ نہیں جانتا ہے پس

بغداد کے قاضیوں کو اپنی کچہری میں جمع کر کے انکے سامنے ہمارا خط پڑھ اور دریافت کر کہ آیا وہ قرآن کو قدیم سمجھتے ہیں یا مخلوق اور ان سے کہہ کہ جو لوگ قرآن کو قدیم سمجھتے ہیں۔ ان سے امیرالمومنین خلافت کے کام میں کچھہ اعانت لینا نہیں چاہتا اور انکا کچھہ اعتبار نہیں کرتا اگر وہ اقرار کریں کہ قرآن مخلوق ہے تو انسے کہہ کہ جب لوگ تمہارے پاس گواہی دینے آیا کریں تو ان سے سوال و جواب کرو اور جو گواہ خلق قرآن کا اقرار نہ کریں ان کی گواہی قبول نہ کرو۔ قاضی اس بارے میں جو تجھے لکھیں اس سے مجھے مطلع کر۔ پھر جو مناسب سمجھا جائے گا کیا جائے گا۔

کچھہ دنوں کے بعد مامون نے سات بڑے بڑے محدثوں کو رقہ میں جہاں وہ اسوقت تھا بلایا اور خود انکا "امتحان" لیا۔ ان سات محدثوں کے نام یہ ہیں۔ محمد بن سعد کاتب الواقدی۔ یحیی بن معین۔ ابوخیثمہ۔ ابومسلم مستملی یزید بن ہارون۔ اسمعیل بن داؤد۔ اسمعیل ابن ابی مسعود۔ احمد بن ابراہیم الدورقی یہ لوگ اسحاق بن ابراہیم کو ٹھیک جواب نہیں دیتے تھے

اور لیت ولعل کرتے تھے جب مامون کے پاس پکڑ بلائے گئے تو تلوار
کے خوف سے سب نے خلق قرآن کا اقرار کر لیا۔ اس پر مامون نے اسحاق
بن ابراہیم کو پھر لکھا کہ فقہا اور مشائخ حدیث کو اپنے پاس بلا اور ان سے
کہہ ان سات شخصوں نے امیر المومنین کے سامنے خلق قرآن کا اقرار کیا ہے
اب تو اس امر میں کسی کو عذر نہیں ہونا چاہیئے مگر یحیٰی بن معین وغیرہ کہنے
لگے کہ ہم نے تو تلوار کے خوف سے اقرار کیا۔ دل سے نہیں کیا۔ مامون
بہت بگڑا اس نے اسحاق بن ابراہیم کو پھر لکھا کہ جو لوگ خلق قرآن کا
انکار کرتے ہیں ان سے پھر جواب سوال کر۔ اس مرتبہ محدثوں کی ایک
بڑی جماعت بلائی گئی۔ اس میں بڑے بڑے آدمی یہ تھے۔ احمد بن حنبل
بشر بن الولید الکندی۔ ابو حسان الزیادی۔ علی بن ابی مقاتل الفضل
بن غانم۔ عبیداللہ بن عمر القواریری۔ علی بن الجعد۔ سجادہ۔ الذیال
بن الہیثم قتیبہ بن سعد۔ سعدویہ الواسطی۔ اسحاق بن ابی اسرائیل
ابن الھرشی۔ ابن علیۃ الاکبر۔ محمد بن نوح العجلی یحیٰی بن عبدالرحمن العمری

ابونصر التمار۔ ابو معمر القطیعی۔ محمد ابن حاتم بن میمون وغیرہ اسحاق بن
ابراہیم نے پہلے ان لوگوں کے سامنے مامون کا خط پڑھا پھر باری باری
ہر ایک سے مخاطب ہوا مگر کسی نے ٹھیک جواب نہ دیا سبب نے
تعریض وتوریب کی۔ سب سے پہلے بشر بن ولید سے پوچھا آپ کیا
کہتے ہیں۔

بشر جو کچھ مجھے کہنا تھا میں امیرالمومنین سے کئی بار کہہ چکا ہوں۔

اسحاق۔ اب آپ کیا کہتے ہیں امیرالمؤمنین نے ایک تازہ خط بھیجا ہے

بشر میں کہتا ہوں کہ قرآن کلام الہی ہے۔

اسحاق۔ آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔ میں پوچھتا ہوں
کہ قرآن قدیم ہے یا مخلوق۔

بشر میں جو جواب دے چکا ہوں اس سے اچھا جواب نہیں دیسکتا
نیز میں امیرالمومنین سے کہہ چکا ہوں کہ اس مسئلے کی بابت میں کچھہ
نہ کہونگا۔

اسحاق ۔ پھر علی ابن ابی مقاتل سے مخاطب ہوا اور پوچھا آپ کیا کہتے ہیں ۔ علی نے جواب دیا قرآن کلام الٰہی ہے آیندہ امیرالمومنین کو اختیار ہے میں تابعدار ہوں ۔ اسکے بعد اسحاق بن ابراہیم نے احمد بن حنبل سے وہی سوال پوچھا ۔ احمد نے جواب دیا قرآن کلام الٰہی ہے اسحاق نے پوچھا کیا وہ مخلوق ہے احمد نے جواب دیا وہ کلام الٰہی ہے اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہہ سکتا ۔

اسکے بعد ابن البکاء الاکبر کی باری آئی ۔ اسحاق نے اس سے پوچھا کہ آپ کیا کہتے ہیں ۔

ابن البکا ۔ میں کہتا ہوں کہ قرآن مجعول اور محدث ہے کیونکہ قرآن میں ایسا آیا ہے ۔

اسحاق ۔ جو شے مجعول ہوتی ہے وہ مخلوق ہوتی ہے

ابن البکا ۔ ہاں

اسحاق ۔ اسلئے قرآن مخلوق ہے ۔

ابن البکا۔ نہیں میں یہ نہیں کہتا۔

غرض سب محدثوں نے اسی قسم کے جواب دیئے۔ جان کے خوف سے کسی نے اپنے دلکی بات نہ کہی۔ اسحاق نے سب کے جواب مامون کو لکھ بھیجے۔ مامون اور بگڑا اور اسحاق کو ایک اور غضب ناک خط لکھا وہ یہ ہے۔

بلغنا ما اجاب بہ متصنعتہ اہل القبلتہ وملتمسو الریاستہ فیما لیسو الہ باہل فمن لم یجب انہ مخلوق فامنعہ من الفتوی والروایتہ فاما ما قال بشر فقد کذب لم یکن جری بین امیر المومنین وبینہ عہد اکثر من اخبار المومنین من اعتقادہ وکلمتہ الاخلاص والقول بان القرآن مخلوق فادع بہ الیک فان تاب فاشہر امرہ وان اصر علی شرکہ ودفع ان یکون القرآن مخلوقا بکفرہ والحادہ فاضرب عنقہ والبعث الینا براسہ وکذالک ابراہیم بن المہدی فامتحنہ فان اجاب والا فاضرب عنقہ واما علی بن ابی نقاتل فقل لہ الست القائل لامیر المومنین انک تحل وتحرم واما الذیال فاعلمہ انہ کان فی الطعام

الذی سرقہ من الانبار ما یشغلہ واما احمد بن یزید ابو العوام وقولہ انہ لا یحسن
الجواب فی القرآن فاعلمہ انہ صبی فی عقلہ لا فی سنہ جاہل لیستحسن الجواب
اذا ادب ثم ان لم یفعل کان سیف من وراء ذلک۔ واما احمد بن حنبل فاعلمہ
ان امیر المومنین قد عرف فحوی مقالتہ واستدل علی جہلہ وآفتہ بہا واما
الفضل بن غانم فاعلمہ انہ لم یخف علی امیر المومنین ما کان فیہ بمصر۔ وما
اکتسب من اموال فی اقل من سنہ یعنی ولایتہ القضاء۔ واما الزیادی فا
علمہ انہ کان منتحلا ولا ادعی فانکر ابو احسان ان یکون مولی لزیاد بن ابیہ
وانما قیل لہ الزیادی لام من الامور۔ واما ابو نصر التمار فان امیر المومنین
شبہ خساستہ عقلہ بخساستہ متجرہ واما ابن نوح وابن حاتم فاعلمہم انہم مشاغیل
باکل الربوا عن الوقوف علی التوحید وان امیر المومنین لو لم یستحل محاربتہم فی اللہ
الا ربائہم وما نزل بہ کتاب اللہ فی امثالہم لاستحل ذلک فکیف بہم وقد جمعوا
مع الاباء شرکاء وصاروا للنصاری شبہا واما ابن شجاع فاعلمہ انہ
صاحبہ بالامس والمستخرج منہ ما استخرج من المال الذی کان استحلہ من مال الامیر علی بن ہشام

واما سعدویه الواسطی فقل له قبح الله رجلا بلغ به التصنع للحدیث والحرص علی الریاسة فیه ان یتمنی وقت المحنة۔ واما المعروف بسجادة وانکاره ان یکون سمع ممن کان یجالس العلماء القول بان القرآن مخلوق فاعلمه ان فی شغله واعداد النوی وحکه لاصلاح سجادته وبالودائع التی دفعها الیه علی بن یحیی وغیره ما اذهله عن التوحید۔ واما القواریری ففیما یکشف عن احواله وقبوله الرشی والمصانعات ما ابان عن مذهبه وسوء الطریقة وسخافة عقله ودینه واما یحیی العمری فان کان من ولد عمر بن الخطاب فجوابه معروف۔ واما محمد بن الحسن بن علی بن عاصم فانه لو کان مقتدیا بمن مضی من سلفه لم ینتحل النحلة التی حکیت عنه وانه بعد صبی محتاج ان یعلم وقد کان امیر المومنین وجه الیک المعروف بابی مسهر بعد ان نصه امیر المومنین عن محنته فی القرآن فجمجم عنها وتلجلج فیها حتی دعا له امیر المومنین بالسیف فاقر ذمیما فانصصه عن اقراره فان کان مستقیما علیه فاشهر ذلک واظهره ومن لم یرجع عن شرکه ممن سمیت بعد بشر وابن المهدی فاحملهم موثقین الی عسکر امیر المومنین لیسألهم فان لم

یرجعوا حملھم علی السیف - مطلب

جو لوگ اپنے آپ کو اہل قبلہ سمجھتے ہیں اور جن کو حکومت کی ہوس ہے ان کے جوابات مجھے پہنچے جو شخص خلق قرآن کا اقرار نہ کرے اسے فتوی دینے اور حدیث بیان کرنے سے منع کر۔ بشر جھوٹا ہے میرے سامنے اس نے خلق قرآن کا اقرار کیا۔ اب وہ انکار کرتا ہے اسے پھر اپنے پاس بلا اگر وہ اقرار کرے تو اس بات کو مشتہر کر اور اگر اپنے شرک پر مصر ہو اور خلق قرآن کا انکار کرے تو اس کی گردن کاٹ اور اسکا سر میرے پاس بھیج۔ ایسے طرح ابراہیم بن المہدی کا امتحان لے۔ اگر وہ اقرار کرے تو بہتر ورنہ اس کی بھی گردن کاٹ۔ علی بن ابی المقاتل سے کہہ کیا تو امیر المومنین سے نہیں کہتا تھا کہ تو ہی حلال کرتا ہے تو ہی حرام کرتا ہے۔ الذیال سے کہہ کہ کیا تو نے جو غلہ انبار سے چرایا ہے تجھے اسی کا خیال رہتا ہے بھلا توحید سے کیا غرض۔ احمد بن یزید ابو العوام جو کہتا ہے کہ میں اس سے اچھا جواب نہیں دے سکتا اس سے کہہ

تو جاہل ہے اور عقل میں لڑکا ہے اگرسن میں نہیں۔ جب تجھے سزا ملیگی
تو پھر ٹھیک جواب دے گا۔ اس مرتبہ اگر تو نے ٹھیک نہ جواب دیا تو تلوار سے
تیری خبر لی جائیگی۔ احمد بن حنبل سے کہہ کہ امیرالمومنین تمہارا طرز گفتگو سمجھتے ہیں
یہ تمہاری جہالت اور جھوٹ پر دلالت کرتا ہے۔ فضل بن غانم سے کہہ کہ
امیرالمومنین کو خوب معلوم ہے کہ جب تو مصر میں قاضی تھا تو ایک سال کے
اندر تو نے کتنا مال و متاع جمع کیا تھا۔ ابو حسان زیادی سے کہہ کہ تو زیاد[۱]
بن ابیہ (حرامی) کے مولا ہونے کا دعوی کرتا ہے اگر اب وہ اس بات کا
دعوی نہ کرے تو اس نے کہہ کہ تو دیگر وجوہات سے ہی زیادی کہلایا جا سکتا
ہے۔ ابو نصر التمار سے کہہ کہ امیرالمومنین تیری عقل کی خباثت کو تیرے
پیشے کی نجاست سے تشبیہ دیتا ہے۔ ابن نوح اور ابن حاتم سے کہہ کہ تم
سود خواری میں اسقدر مشغول ہو کہ توحید کو نہیں سمجھ سکتے۔ سود خوار تو تم ہی ہو

---

[۱] ابو معاویہ کا بیٹا تھا حرامی تھا۔ اسلیے ابن ابیہ کہلاتا تھا۔

اب مشرک بھی ہو گئے ہو۔ ابن شجاع سے کہہ کہ چند روز کی بات ہے کہ امیر المومنین نے تیری چوری پکڑی تھی۔ سعدویہ بن الواسطی سے کہہ کہ خدا اس شخص کا برا کرے جو محدث بننے اور حکومت کرنے کے لالچ میں "محنت" کے وقت جھوٹ بولتا ہے۔ سجادہ جو کہتا ہے کہ میں نے کسی سلف کے عالم کو قران کو مخلوق کہتے نہیں سُنا اس سے کہہ تو تسبیح کے دانے گنا کر اور سجادہ درست کرایا کر اور روپیے پیسے کے معاملات میں مصروف رہا کر تجھے توحید سے کیا مطلب۔ قواریری سے کہہ تیری رشوت خواری نے تیری بدطریقی اور تیری عقل و دین کی سخافت کو ظاہر کر دیا ہے یحیی العمری سے کہ اگر تو عمر بن الخطاب کی اولاد سے ہے تو تیرا جواب معلوم ہے۔ محمد بن الحسن بن علی بن عاصم سے کہہ کہ اگر تو سلف کے مذہب کا مقتدی ہوتا تو بے دینی میں اسقدر مشہور نہوتا۔ ابھی تو لڑکا ہے اور تعلیم کا محتاج ہے۔ ابومسہر سے جب امیرالمومنین نے سوال جواب کیا تو پس و پیش کرتا تھا اور ٹھیک جواب نہیں دیتا تھا۔ پھر جب امیرالمومنین نے تلوار

منگوائی تو بصد ذلت و رسوائی ہم نے اقرار کر لیا۔ اس کا پھر امتحان لے
اگر وہ اقرار کرے تو اس بات کو مشتہر کر۔ غرض ان سب لوگوں کا پھر امتحان لے
اگر وہ شرک سے باز آئیں تو اچھا ورنہ پابہ زنجیر انہیں امیر المومنین کے لشکر کو
روانہ کر۔ تاکہ میں ان کا پھر امتحان لوں اگر اس دفعہ انہوں نے انکار کیا تو
میں انہیں زندہ نہ چھوڑونگا۔

جب یہ خط بغداد پہونچا اور محدثین کو سنایا گیا تو وہ بہت ڈرے۔ اور
سوائے احمد بن حنبل۔ سجادہ۔ محمد بن نوح اور القواریری کے سب کے
سب مقر ہو گئے۔ اسحاق بن ابراہیم نے ان چار شخصوں کو قید خانے
بھیج دیا۔ رات بھر قید رہے دوسرے روز صبح کو پھر پیش ہوئے۔ اس
مرتبہ سجادہ اور القواریری بھی مقر ہو گئے۔ صرف احمد بن حنبل اور محمد بن
نوح مردانہ وار اپنی بات پر جمے رہے اور پابہ زنجیر شام کی طرف روانہ کیے گئے
اسی اثنا میں مامون کو معلوم ہوا کہ محدث قتل کے خوف سے قائل ہوئے
دل سے نہیں ہوئے اس سے وہ اور بگڑا اور حکم دیا کہ سب محدث

بلائے جائیں۔ چنانچہ قیدیوں کا ایک قافلہ جانب شام روانہ ہوا یہ لوگ ابھی راستے ہی میں تھے کہ مامون راہی ملک بقا ہوگیا۔ رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت۔

مامون کے بعد اسکا بھائی معتصم خلیفہ ہوا ۲۱۸ھ سے ۲۲۷ھ تک خلافت کی۔ خلیفہ ہوتے ہی حکم دیا کہ مدرسوں میں ہر کہیں بچوں کو خلق قرآن کی تعلیم دیجائے۔ اسکے عہد میں محدثوں کا امتحان برابر جاری رہا اور انپر برابر ظلم ہوتا رہا۔ احمد بن حنبل کو ۲۲۰ھ میں کوڑے لگائے گئے۔ البویطی امام شافعی کا ایک مشہور شاگرد قاہرہ سے بغداد پکڑا آیا۔ اور قید کیا گیا قید ہی میں مرا۔ الرابی ابن سلیمان لکھتا ہے میں نے دیکھا کہ البویطی گدہے پر سوار ہے گردن میں اسکے لکڑی کا طوق پڑا ہے پاؤں میں زنجیریں ہیں۔ گردن سے پاؤں تک اسکے ایک زنجیر ہے جس سے تقریباً پچیس سیر وزنی ایک گول چیز لٹک رہی ہے۔ البویطی کہتا جاتا تھا خدا نے دنیا کو لفظ کن سے پیدا کیا کیونکہ قرآن میں آیا ہے انما امرہ اذا اراد شیئاً

ان یقول لہ کن فیکون ۔ اگر کلام باری تعالے مخلوق ہے تو لفظ کن بھی مخلوق ہے اور اگر لفظ کن مخلوق ہے تو گویا مخلوق نے مخلوق کو خلق کیا۔

معتصم کے بعد اسکا بیٹا واثق خلیفہ ہوا ۲۲۷ھ سے ۲۳۲ھ تک خلافت کی۔ اس کے عہد میں بھی محدثوں کا امتحان برابر جاری رہا اور ان پر برابر ظلم ہوتا رہا ۲۳۱ھ میں اس نے بصرہ کے نائب کو خط لکھا کہ وہاں کے اماموں اور موذنوں کا امتحان لے۔ اسی سال جب وہ سامرہ میں مقیم تھا ایک روز احمد بن نصر الخزاعی نام ایک مقدس محدث اسکے سامنے پکڑا آیا۔ واثق نے خود اس سے سوال جواب کیا پوچھا کہ قرآن مخلوق ہے یا نہیں

احمد نہیں

واثق۔ کیا خدا قیامت کے روز دکھائی دے گا

احمد۔ ہاں کیونکہ ایک حدیث میں آیا ہے ترون ربکم یوم القیامتہ

کما ترون القمر۔

واثق۔ تو جھوٹا ہے۔

احمد۔ تو جھوٹا ہے۔

واثق۔ ویحک پھر کیا خدا اسی طرح دکھائی دیگا جس طرح ایک محدود اور مجسم چیز دکھائی دیتی ہے؟ میں ایسے خدا کو نہیں مانتا۔ یہ کہکر وہ علمائے معتزلہ کی طرف جو دربار میں موجود تھے متوجہ ہوا اور پوچھا کیا کہتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ احمد کافر اور واجب القتل ہے۔ واثق نے تلوار منگوائی اور درباریوں سے کہا کہ جب میں اسے قتل کرنے کو اٹھوں تو میرے ساتھ کوئی نہ اٹھے۔ میرا گناہ اس کافر کی گردن پر ہے جو ایسے رب کی عبادت کرتا ہے۔ جس کی میں عبادت نہیں کرتا اور جس کو میں نہیں جانتا اور نہیں مانتا۔ اتنے میں قالین بچھایا گیا اور احمد اس پر بٹھایا گیا واثق اٹھا اور اس کی گردن کاٹ ڈالی۔ دھڑ اسکا سر من رائے میں لٹکایا گیا چھ برس لٹکتا رہا متوکل کے عہد میں اتار لیا گیا اور دفن کیا گیا۔ سر اس کا

بغداد بھیجا گیا اور وہیں لٹکا یا گیا کان میں اسکے کاغذ کا ایک پرزہ باندھکر لٹکایا گیا۔ جس پر لکھا ہوا تھا "ہذا راس احمد بن نصر بن مالک دعاہ عبد اللہ الامام ہارون الی القول بخلق القرآن ونفی تشبیہ فابی الا المعاندہ فعجلہ اللہ الی نارہ" یعنی یہ سر ہے احمد بن نصر بن مالک کا جس سے امام ہارون (واثق) نے خلق قرآن کا اقرار اور تشبیہ (رویت) کا انکار کرنے کو کہا مگر اس نے نہ مانا اور اپنی ضد پر قائم رہا خدا اُسے جہنم واصل کرے" دن رات سپاہی باری باری احمد کے سر کی نگہبانی کرتے تھے۔ انہیں حکم تھا کہ جب کبھی اسکا منہ جانب قبلہ ہو جائے تو خنجر سے دوسری جانب کو پھیر دیا کریں۔ جہلا میں مشہور تھا کہ رات کے وقت اکثر وہ سر قبلہ رو ہو جایا کرتا ہے اور باواز بلند سورہ یٰسین پڑھتا ہے۔ اسی سال سولہ ہزار مسلمانوں کو رومیوں کی قید سے رہا کرنے کی تجویز ہوئی۔ قاضی احمد بن داؤد نے واثق سے کہا کہ صرف ان قیدیوں کو رہا کرنا چاہیے جو خلق قرآن کا اقرار کریں باقی کو نہیں۔ واثق قاضی احمد

کو بہت مانتا تھا اسکے کہنے پر عمل کیا۔ واثق کے آخر عہد میں ایک بڈھا
محدث کسی دور دراز مقام سے زنجیروں سے لدا ہوا بغداد پکڑا آیا قاضی
احمد نے واثق کی موجودگی میں اسکا امتحان لیا۔ محدث نے سبقت کر کے
قاضی سے کہا آپ کیا چاہتے ہیں کہ میں مانوں۔

احمد۔ یہ کہ قرآن مخلوق ہے

محدث۔ کیا یہ بات مذہب کا ضروری جز ہے

احمد۔ ہاں۔

محدث۔ کیا یہ بات رسول اللہ کو معلوم تھی۔

احمد۔ ہاں معلوم تھی۔

محدث۔ کیا رسول اللہ نے مسلمانوں سے کہا تھا کہ اس بات کو مانو۔

احمد۔ نہیں

محدث۔ تو پھر آپ کون ہیں کہ انہیں اسکے ماننے پر مجبور کرتے ہیں

احمد کچھ جواب نہ دیسکا۔ محدث نے واثق سے کہا اے امیر المومنین یہ میری پہلی دلیل ہے۔ اس کے بعد وہ احمد سے پھر مخاطب ہوا اور کہا خدا کہتا ہے "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا" یعنی آج میں نے اسلام کی تکمیل کی اور اپنی نعمت تم پر ختم کی۔ میں چاہتا ہوں کہ اسلام تمہارا دین ہو خدا تو یہ کہتا ہے اور آپ کہتے ہیں کہ اسلام مکمل نہیں جب تک القول بخلق القرآن اس میں شامل نہ ہو کسکا اعتبار کرنا چاہیے خدا کا یا آپ کا

احمد پھر کچھ جواب نہ دے سکا۔ محدث نے واثق سے کہا اے امیر المومنین یہ میری دوسری دلیل ہے اسکے بعد وہ پھر احمد سے مخاطب ہوا اور کہا خدا کہتا ہے اے پیغمبر جو کچھ تجھ پر اترا ہے اسے مشتہر کر۔ اگر تو مشتہر نہ کریگا تو فرض پیغمبری ادا نہیں کرے گا۔ کیا رسول اللہ نے خلق قرآن کو مشتہر کیا

احمد نہیں۔

محدث۔ ابوبکر نے کیا

احمد۔ نہیں

محدث ۔ عمر نے کیا ۔

احمد ۔ نہیں

محدث ۔ عثمان نے کیا

احمد نہیں ۔

محدث ۔ علی نے کیا

احمد ۔ نہیں ۔

محدث ۔ تو پھر آپ کون ہیں جو اس بات کو مشتہر کرتے ہیں ۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ بات پیغمبر پر نہیں اتری اور اس کا ماننا ضروری نہیں ۔ قاضی احمد بن ابی داؤد مبہوت ہو گیا اور واثق مسکراتا ہوا محل کے اندر چلا گیا ۔ وہاں پلنگ پر لیٹا ہوا بار بار کہتا تھا وسع النبی صلعم ان یسکت عنہ ولا یسعنا یعنی نبی تو اسکے متعلق چپ رہا اور ہم چپ نہیں رہ سکتے ۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ باہر آیا اور محدث کو تین سو دینار دیکر رہا کر دیا ۔ اس واقعہ کے بعد محنت اٹھا دی گئی اور قاضی احمد بن ابی داؤد کا زور بالکل گھٹ گیا ۔

واثق کے بعد اسکا بھائی متوکل خلیفہ ہوا سُنن و تحدث کی حمایت کی اور معتزلوں اور شیعوں پر ظلم کیا۔ قاضی احمد ابن ابی داود کو معزول کیا اور اس کا مال و متاع ضبط کر لیا ۲۳۴ھ میں محدثوں کو سامرا بلوایا۔ انکی بڑی تعظیم و تکریم کی اور ان سے کہا کہ صفات اور رویت کے متعلق حدیثیں جمع کرو۔ محدثوں کے دن پھرے جمعہ کے روز تیس چالیس ہزار آدمی جامع صافہ میں اور اتنے ہی آدمی جامع المنصور میں انکا وعظ سننے کو جمع ہوتے تھے۔ عوام الناس بہت خوش ہوتے تھے اور متوکل کو دعائیں دیتے تھے اور کہتے تھے "الخلفاء ثلثة ابوبکر الصدیق فی قتل اہل الردة وعمر بن عبد العزیز فی رد المظالم والمتوکل فی احیاء السنة وا ماتة التجہم" یعنی خلیفہ تین ہیں ابوبکر الصدیق جنہوں نے مرتدوں کو قتل کیا۔ عمر بن عبد العزیز جس نے رد مظالم کیا اور متوکل جس نے سنت کو زندہ کیا اور آزاد خیالی کو مار ڈالا۔ ابوبکر بن الخبازہ نے متوکل کی تعریف میں ایک قصیدہ لکھا جس کے چند شعر یہ ہیں:-

وبعد فان السنة اليوم اصبحت — معززة حتى كان لم تذلل

تصول وتسطو اذ اقيم منارها — وحط منار الافك والزور من عل

وولى اخو الابداع فى الدين هاربا — الى النار يهوى مدبرا غير مقبل

شفى الله منهم بالخليفة جعفر — خليفة ذى السنة المتوكل

خليفة ابى وابن عم نبيه — وخير بنى العباس من ولى

وجامع شمل الدين بعد تشتت — وفارى رؤس المارقين بمنصل

اطال لنا رب العباد بقاءه — سليما من الاهوال غير مبدل

وبواه بالنصر للدين جنة — يجاور فى روضاتها خير مرسل

اعتزال کا زوال

دجلہ اب الٹا بہنے لگا۔ اہل تحدث جابر اور قاہر ظالم اور غالب ہو گئے۔
اہل اعتزال مظلوم اور مغضوب مقہور اور مغلوب ہو گئے۔ چنانچہ ان کی کتابیں
جلائی جانے لگیں اور خود وہ قتل کیے جانے لگے۔ کیا خلفا کیا علما کیا جہلا
ساری خدائی انکے خلاف ہو گئی۔ اس بے کسی میں کسی نے انکا ساتھ نہ دیا
اس بے بسی میں اگر کسی پر انکا بس چل سکتا تھا تو اپنے آپ پر۔ اگر کسی پر
غصہ نکال سکتے تھے تو اپنے آپ پر۔ لہذا اپنے آپ پر خوب غصہ نکالنا
شروع کیا۔ یعنی آپس میں جھگڑنے اور بحثا بحثی کرنے لگے۔ ان کی بحثیں اب
بہت نازک ہو گئیں: جیسا کہ ان کی بحثیں نازک ہوتی گئیں انکو زوال آتا گیا
اور جیسا انکو زوال آتا گیا ان کی بحثیں اور نازک ہوتی گئیں۔ بغداد میں مضمون
زیر بحث یہ تھا کہ شے کیا ہے شے کو کس وقت شے کہہ سکتے ہیں۔
آیا معدوم شے کو بھی شے کہہ سکتے ہیں۔ بصرہ میں مضمون زیر بحث

یہ تھا۔ کہ آیا علم و قدرت وحیات وغیرہ خدا کی ذات ہیں یا صفات ہیں یا احوال ہیں۔ بغداد میں اسوقت بڑے معتزلے ابوالحسین بن ابی عمرو الخیاط اور ابوالقاسم بن محمد الکعبی تھے۔ خیاط کا خیال تھا کہ شے وہ ہے جسے انسان جان سکے معدوم کو بھی شے کہہ سکتے ہیں معدوم میں سوائے وجود کے شے کے تمام اوصاف موجود ہوتے ہیں۔ شے کو شے کہنے کیلئے اسمیں وجود کی صفت کا موجود ہونا ضروری نہیں۔ جوہر عدم میں بھی جوہر ہوتا ہے اور عرض عدم میں بھی عرض ہوتا ہے کعبی کے خیالات یہ ہیں۔ ارادہ نہ خدا کی ذات ہے نہ صفت ہے نہ فی محل ہے نہ لافی محل ہے جب کہا جائے کہ خدا مرید ہے تو اسکے یہ معنی ہیں کہ وہ عالم ہے قادر ہے مجبور نہیں مقہور نہیں اور جب کہا جائے کہ وہ اپنے افعال کا مرید ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ اپنے علم کے مطابق انکا خالق ہے اور جب کہا جائے کہ بندوں کے افعال کا مرید ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ انکا آمر ہے علی ہذہ القیاس خدا کے سمیع ہونیکے یہ معنی ہیں کہ وہ مسموعات کا عالم ہے اور بصیر ہونے کے

معنی ہیں کہ وہ مبصرات کا عالم ہے یہ نہیں کہ وہ سنتا ہے اور دیکھتا ہے۔
نہ اپنے آپ کو دیکھ سکتا ہے نہ اوروں کو دیکھ سکتا ہے۔ جب کہا جائے
یری ذاتہ ویری المرئیات تو اسکے یہ معنی ہیں کہ وہ انکا عالم ہے اسکے
گردوں کی رائے تھی کہ خدا نہ صرف انکا عالم ہے بلکہ مدرک بھی ہے کعبی
کی ہر صفت کے معنی علم لیتا تھا۔

بصرہ میں مشہور معتزلے ابو علی محمد بن عبدالوہاب الجبائی (المتولد ۲۳۵ھ
متوفی ۳۰۳) اور اس کا بیٹا ابو ہاشم عبدالسلام (المتولد ۲۵۷۔ المتوفی ۳۲۱)
ہے۔ عبدالوہاب کہتا تھا کہ خدا عالم لذاتہ ہے قادر لذاتہ ہے۔ حی لذاتہ ہے
علم اور قدرت اور حیات اس کی ذات ہیں صفات نہیں۔ ابو ہاشم کہتا تھا
نہ علم اور قدرت اور حیات وغیرہ نہ اس کی ذات ہیں نہ صفات بلکہ احوال
ہیں۔ صفات کو احوال کہنا ابو ہاشم کی ایجاد ہے۔ قولہ۔ علم اور قدرت
اور حیات کو خدا کی ذات نہیں کہہ سکتے کیونکہ ان لفظوں کے مختلف مفہوم ہیں
اور ان سے خدا کے مختلف احوال ظاہر ہوتے ہیں۔ مثلاً جب ہم

کہتے ہیں کہ خدا عالم ہے تو اس کے یہ معنی ہے کہ وہ دو حالتیں ہے موجود
ہونا اس کی ایک حالت ہے عالم ہونا دوسری حالت ہے یہ جو حالتیں
مختلف ہیں انکو ایک نہیں کہہ سکتے۔ عبدالوہاب نے اس پر یہ اعتراض کیا کہ جیسے
صفات کے ماننے سے تعدد قدما لازم آتا ہے ویسے احوال کے ماننے
سے تعدد قدما لازم آتا ہے۔ ابو ہاشم نے جواب دیا نہیں احوال محض اعتبارات
ہیں نہ وہ معلوم ہوتے ہیں نہ مجہول ہوتے ہیں نہ موجود ہوتے ہیں وہ
علیحدہ معلوم نہیں ہو سکتے ہیں صرف ذات کے ساتھ معلوم ہو سکتے ہیں
علیٰ ہذہ القیاس خدا کے سمیع و بصیر ہونے میں بھی باپ بیٹے میں اختلاف
تھا۔ باپ کہتا تھا کہ خدا کے سمیع و بصیر ہونے کے معنی اس کا حی ہونا ہیں
بیٹا کہتا تھا کہ خدا کا سمیع ہونا اور بصیر ہونا اسکی دو حالتیں ہیں جو اسکے حی ہونے
سے مختلف ہیں۔ یہ تین حالتیں مختلف ہیں انکو ایک حالت کیونکر کہہ سکتے
ہیں۔

مسئلہ لطف میں بھی باپ بیٹے میں اختلاف تھا باپ کہتا تھا کہ اگر خدا

کسی شخص پر لطف کر کے اسے ایمان کی تکلیف دے تو اس کا ثواب کم ہوگا کیونکہ اس کی مشقت کم ہوگی۔ لیکن اگر اسے بلا لطف ایمان کی تکلیف دے تو اس کا ثواب زیادہ ہوگا کیونکہ اس کی مشقت زیادہ ہوگی۔ خدا کو مناسب ہے کہ ہر انسان کو با لطف ایمان کی تکلیف دے۔ تاکہ آخرت میں سب کی حالت یکساں ہو۔ اگر وہ کسی انسان کو بلا لطف ایمان کی تکلیف دے تو ممکن ہے وہ تکلیف نہ اٹھائے اور کافر ہو جائے۔ بیٹے کی رائے تھی کہ خدا کو چاہیئے کہ انسان کو علی اشق الوجہین یعنی بلا لطف ایمان کی تکلیف دے۔ تاکہ اس کا ثواب زیادہ ہو۔ مسئلہ عوض میں بھی باپ بیٹے میں اختلاف تھا۔ باپ کہتا تھا کہ خدا کو جائز ہے کہ شروع میں الم دے تاکہ بعد میں عوض دے بیٹا کہتا تھا عوض کافی نہیں عوض کے ساتھ تفضل اور ثواب بھی ملنا چاہیئے باپ کہتا تھا کہ خدا ظالم سے عوض چھین سکتا ہے لیکن اگر وہ عوض کا مستحق نہیں تو اسے تفضل سے محروم کر سکتا ہے بیٹا کہتا تھا کہ خدا تفضل سے کسی کو محروم نہیں کر سکتا ہے۔ عوض اور تفضل میں فرق ہے عوض آلام کا اجر ہے

تفضّل خدا کی عنایت ہی۔

جن مسائل میں باپ بیٹے میں موافقت تھی وہ یہ ہیں۔

اگر خدا نے کسی کو عقلاً یا شرعاً تکلیف نہ دی ہو تو خدا پر واجب نہیں کہ اسکے لیے کچھ کرے لیکن اگر اُسے تکلیف دی ہو یعنی قبائح سے اجتناب کرنے کو کہا ہو اور اس میں قبیح کی شہوت اور حسن سے نفرت پیدا کی ہو تو اس پر واجب ہے کہ اسے عقل دے قدرت دے استطاعت دے اور اسکے پاس اصلح بھیجے جو اسے اعمال حسنہ کی ترغیب دیں اور اعمال قبیحہ سے نفرت دلائیں

خدا کا ارادہ فی محل نہیں جیسا کہ خدا خود فی محل نہیں۔ جو موجودات اعراض ہیں یا حکم اعراض رکھتے ہیں وہ لا محل ہیں جیسا کہ وہ موجودات جو جواہر ہیں یا حکم جواہر رکھتے ہیں لا مکان ہیں۔ کلام الٰہی مخلوق ہے کلام نام ہے اصوات مقطعہ اور حروف منظومہ کا اور متکلم وہ ہے جس نے کلام کیا نہ وہ جس سے کلام قائم ہو۔ لہذا جو کلام قاری پڑھتا ہے وہ قاری کا کلام ہے خدا کا نہیں۔ خدا اس کا حادث اور خالق ہے۔ خدا دار القرار

میں ان آنکھوں سے نہیں دکھائی دے گا بندہ اپنے فعل کا خالق اور مبدع ہے اور خیر و شر طاعت و معصیت کا استقلالاً و استبداداً منسوب الیہ ہے استطاعت قبل فعل کے ہونی چاہیے اور یہ سلامت البنیۃ اور صحت جوارح کے علاوہ ایک صفت ہے۔ بنیۃ یعنی صورت حیات کی شرط ضروری ہے معرفت اور شکر منعم اور معرفت حسن و قبیح واجبات عقلیہ ہیں۔ اکثر امور میں شریعت عقلیہ کا پابند ہونا چاہیے شریعت نبویہ کی پابندی صرف ان امور میں کرنی چاہیے جن کے سمجھنے سے عقل عاجز ہے عقل جان سکتی ہے کہ خدا مطیع کو ثواب دے گا اور عاصی کو عقاب لیکن تخلید کا علم صرف "سمع" سے ہو سکتا ہے ایمان اسم مدح ہے اور وہ عبارت ہے خصال خیر سے جب یہ کسی میں جمع ہوتی ہیں تو وہ مومن کہلاتا ہے۔ صاحب کبیرہ فاسق ہوتا ہے اسے نہ مومن کہہ سکتے ہیں نہ کافر۔ اگر وہ بغیر توبہ کئے مر جائے تو مخلد فی النار ہو گا جو کچھ صلاح و اصلح تھا خدا نے بندوں کے لیے کیا اور جتنا لطف وہ ان پر کر سکتا تھا اس نے کیا۔ اس سے زیادہ وہ انکے

سے نہیں کر سکتا تھا کیونکہ وہ عالم ہے قادر ہے جواد ہے حکیم ہے بخشش اسکے خزینوں کو گھٹا نہیں سکتی بخل اسکے دینوں کو بڑھا نہیں سکتا۔ اصلح ضروری نہیں کہ لذیذ ہو اعود اور اصوب ہونا چاہیے معلوم اور مکروہ چیزیں بھی اصلح ہو سکتی ہیں مثلاً "حجامت" فصد اور شرب الادویہ۔ بعثت انبیاء۔ شرع شرائع تمہید الاحکام اور تنبیہ علی الطریق الاصوب تمام الطاف ہیں۔ تکالیف بھی تمام الطاف ہیں۔

اعتزال کے دونا دشمن

محدثین معتزلوں پر غالب آگئے تھے مگر انکا غلبہ علوم کا غلبہ تھا منطق اور تکلم میں معتزلے اب تک غالب تھے اور محدثین فلسفہ نہ جاننے کی وجہ سے ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ مگر تیسری صدی کے آخری نصف میں بصرہ میں ایک شخص کا ظہور ہوا جو ان کا مد مقابل تھا جو فن بحث میں کمال رکھتا تھا اور جس نے انہیں ترکی بہ ترکی جواب دیئے (اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ جو آپ

باصواب بھی تھے) اور جس کی شہرت سے ساری اسلامی دنیا گونج اٹھی۔ یہ
ابوالحسن علی بن اسمٰعیل الاشعری تھا۔ اس کے اسلاف میں کوئی شخص
جب پیدا ہوا تھا تو اس کے بدن پر بڑے بڑے بال تھے اس لئے وہ
اور اس کی اولاد اشعری کہلاتی ہے۔ ابوالحسن کا دادا ابوموسیٰ اشعری تھا
جس نے حضرت علی اور معاویہ میں محاکمہ کیا تھا اور عمرو بن العاص کے دم
میں آکر حضرت علی کو معزول کردیا تھا۔ ابوالحسن ۲۶۰ھ میں پیدا ہوا پہلے معتزلی
تھا عبدالوہاب جبائی کا شاگرد تھا اور بموجب ایک روایت کے اس کا سوتیلا
بیٹا تھا اسکے ترک اعتزال کا قصہ بغایت دلچسپ ہے۔ ابن خلکان لکھتا ہے
کہ ایک روز عبدالوہاب جبائی بصرہ کی ایک مسجد میں بیٹھا ہوا اپنے شاگردوں کے
سامنے مسئلہ عدل پر گفتگو کر رہا تھا کہ یکایک اشعری نے اس سے کہا کہ میں
آپ سے اس مسئلہ کے متعلق ایک سوال پوچھتا ہوں اس کا جواب
دیجئے۔ سوال یہ ہے فرض کیا کہ ایک شخص کے تین بیٹے ہیں۔ بڑا بیٹا
مومن اور متقی ہے منجھلا بیٹا فاسق اور شقی ہے اور چھوٹا بیٹا بہت چھوٹا ہے

قیامت کے روز انکا کیا حشر ہوگا۔

جبائی۔ بڑا بیٹا درجات (بہشت) میں جائے گا۔ منجھلا بیٹا درکات (دوزخ) میں جائے گا اور چھوٹا بیٹا اہل سلامت میں سے ہوگا یعنی نہ بہشت میں جائیگا نہ دوزخ میں جائے گا صرف بخشا جائے گا۔

اشعری۔ فرض کیا کہ چھوٹا بیٹا اللہ میاں سے کہتا ہے کہ میں اپنے بڑے بھائی کے ساتھ بہشت میں جانا چاہتا ہوں تو کیا ہوگا۔

جبائی۔ اللہ اس سے کہیگا کہ تیرا بڑا بھائی تو مومن اور متقی تھا دنیا میں اس نے اچھے اچھے کام کیے اس لیے اسے بہشت رہنے کو ملا ہے تو نے کیا کیا جو بہشت جانا چاہتا ہے۔

اشعری۔ فرض کیا کہ وہ بچہ اللہ سے کہتا ہے اگر میں بڑا ہوتا تو میں بھی ایسے اچھے کام کرتا آپ نے مجھے بڑا ہونے ہی نہ دیا۔ بچپن میں مار ڈالا میرا اس میں کیا قصور ہے

جبائی۔ اللہ اس سے کہیگا کہ میں جانتا تھا کہ بڑا ہو کر تو بدکار ہو جائیگا

اسلیے میں نے تجھے بچپن میں مارا۔ تجھ پر میں نے لطف کیا۔
اشعری۔ فرض کیا منجھلا بیٹا اللہ سے کہتا ہے کہ آپ نے میرے چھوٹے بھائی پر لطف کیا اور اسے بچپن میں مارا۔ میں نے کیا قصور کیا تھا کہ آپ نے مجھے بڑا ہونے دیا۔ آپ کو معلوم تھا کہ بڑا ہو کر میں فاسق اور شقی ہو جاؤں گا اللہ اُسے کیا جواب دے گا اللہ تو کیا جبائی کچھ جواب نہ دے سکا۔ اس جواب سوال سے اشعری کو یقین ہو گیا کہ معتزلوں کا یکہنا کہ خدا یہ نہیں کر سکتا وہ نہیں کر سکتا غلط ہے۔ خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے واللہ یفعل من یشاء۔ عدل کرنا چاہے تو عدل کر سکتا ہے ظلم کرنا چاہے تو ظلم کر سکتا ہے۔

اس روز کے بعد اشعری اور جبائی کے درمیان اکثر بحثیں ہونے لگیں اور اشعری کو روز بروز اعتزال غلط معلوم ہونے لگا یہانتک کہ ایک روز بصرہ کی جامع مسجد میں اس نے اس بات کا ڈنکے کی چوٹ اعلان کیا نماز جمعہ کے بعد وہ منبر پر چڑھا اور بآواز بلند کہنے لگا اے

لوگو جو مجھے جانتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ میں کون ہوں اور جو مجھے نہیں جانتے ان سے میں کہتا ہوں کہ میں علی بن اسمٰعیل الاشعری ہوں اب تک میں معتزلہ تہا۔ اب میں اعتزال سے اعتزال کرتا ہوں اور اسکے ابطال کی کوشش کرونگا*۔ ترک اعتزال کے بعد اشعری نے بغداد جاکر حدیث وفقہ کی تکمیل کی اور اعتزال کے رد میں تقریبا ایک سو کتابیں لکھیں ان میں سے چند کے نام یہ ہیں۔ کتاب اللمع۔ کتاب الموجز۔ کتاب ایضاح البرہان۔ کتاب التبیین۔ کتاب الشرح والتفصیل فی الرد علی اہل الافک التضلیل۔ کتاب فی الرد علی الملاحدہ وغیرہ من المعتزلہ والرافضہ والجہمیۃ

---

* بموجب ایک روایت کے اس نے اپنا جبہ اتار کر کہا کہ میں اعتزال کو اپنے سے اس طرح الگ کرتا ہوں جسطرح میں اپنے اس جبہ کو الگ کرتا ہوں مشہور ہے کہ اسکے دادا ابو موسیٰ اشعری نے حضرت علی کو معزول کرتے وقت اپنی انگوٹھی کو انگلی سے اتار کر کہا تہا کہ میں علی کو تخت خلافت سے اسی طرح اتارتا ہوں جسطرح میں اپنی انگوٹھی کو انگلی سے اتارتا ہوں

الخوارج - ابوبکر صیرفی کہا کرتا تہا کانت المعتزلۃ قد رفعوا رؤسہم حتی اظہر اللہ الاشعری یعنی معتزلے مغرور ہوگئے تہے خدا نے اشعری کو پیدا کرکے انکا غرور توڑا۔ اشعری نے ۳۲۴ھ میں وفات پائی مشہور ہے کہ مرتے وقت وہ بجائے کلمہ طیبہ پڑہنے کے معتزلوں پر لعنت پڑہتا تھا۔

اشعری کے خیالات - خدا عالم ہے علم سے قادر ہے قدرت سے حی ہے حیات سے مرید ہے ارادہ سے متکلم ہے کلام سے سمیع ہے سمع سے بصیر ہے بصر سے - یہ صفات اس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ ذات ہیں نہ یہ کہ وہ غیر ذات ہیں نیز یہ صفات قدیم ہیں کیونکہ اگر حادث ہوں تو خدا کا محل حوادث ہونا لازم آتا ہے۔ عبارات اور الفاظ جو فرشتوں نے پیغمبروں کی معرفت اترتے ہیں وہ کلام ازلی پر دلالت ہیں۔ دلالت مخلوق اور محدث ہے۔ مدلول قدیم اور ازلی ہے۔ قرات اور مقرو۔ تلاوت اور متلو میں وہ فرق ہے جو ذکر اور مذکور میں ہے ذکر محدث اور مذکور قدیم ہے متکلم وہ ہی جس کے ساتھ کلام قائم ہوا نہ وہ جس نے کلام کیا۔ انسان جب کوئی

کام کرتا ہی تو خدا پہلے اس کے دل میں ارادہ پیدا کرتا ہے پھر اسے استطاعت
دیتا ہی انسان محسوس کرتا ہے کہ میں صاحب ارادہ و استطاعت ہوں مختار ہوں
اپنے فعل کا خالق ہوں دراصل اسکے فعل کا خالق خدا ہے انسان صرف
اسکا مکتسب ہی۔ خدا موجود ہے موجود شے کا خاصہ ہی کہ دکھائی دے اسلیے
خدا دکھائی دے گا قرآن میں آیا ہے "وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ"
لیکن وہ از روے جہت مکان اور صورت کے دکھائی نہ دے گا کیونکہ یہ
صفات ہیں حادث شے کے اور خدا حادث نہیں سمع اور بصر ازلی صفات
ہیں اور ادراکات ہیں علاوہ علم کے۔ ید ین اور وجہ صفات خبریہ ہیں۔ انکا
اقرار بغیر تاویل کے واجب ہی۔ ایمان مراد ہے تصدیق بالقلب سے اور
قول باللسان سے عمل فروعات میں سے ہی جو شخص خدا کی وحدانیت اور
پیغمبروں کی سچائی کا سچے دل سے اقرار کرتا ہے وہ مسلمان ہی اور اس کا
ایمان صحیح ہی اگر وہ مر جائے درحالیکہ اس کا یہ عقیدہ ہو تو وہ مومن ناجی ہوگا
بجز اس عقیدے کے انکار کے انسان کو کوئی چیز ایمان کے دائرہ سے

خارج نہیں کر سکتی۔ صاحب کبیرہ اگر بغیر توبہ کئے مر جائے تو یا خدا اپنی رحمت سے
اسے بخش دیگا۔ یا نبی اس کی شفاعت کریگا کیونکہ حدیث میں آیا ہے
شفاعتی لاھل الکبائر من امتی۔ یا کچھ روز عذاب جھیلیگا۔ اسکے بعد خدا
اپنی رحمت سے اسے جنت بھیج دیگا یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ صاحب کبیرہ کفار
کے ساتھ ہمیشہ کیلئے دوزخ میں جلتا رہے قرآن میں آیا ہے کہ جس شخص
کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہوگا خدا اسے دوزخ میں ہمیشہ کے لیے نہیں
رکھیگا اگر صاحب کبیرہ توبہ کرے تو خدا پر واجب نہیں کہ اس کی توبہ قبول کرے
کیونکہ خدا موجب ہی اس پر کچھ واجب نہیں تاہیں کی توبہ مقبول ہو سکتی ہے
اور مضطرین کی دعوت منظور ہو سکتی ہے مگر ضرور نہیں خدا مالک اور مختار ہے
کرتا ہے جو چاہتا ہے اگر وہ ساری مخلوق کو جنت بھیج دے تو حیف نہ ہوگا
اور اگر ساری مخلوق کو دوزخ بھیج دے تو ظلم نہ ہوگا وہ مالک مطلق ہے
ظلم اس سے متصور نہیں ہو سکتا۔ جور اس سے منسوب نہیں ہو سکتا
ثواب۔ تفضل۔ نعیم اور لطف سب کچھ اس کا فضل ہے عقاب اور

عذاب سب کچھ اس کا عدل ہے اس سے نہیں پوچھا جائے گا کہ آپ کیا کرتے ہیں۔ واجبات تمام سمعیہ ہیں عقلاً انسان پر کچھ واجب نہیں عقل سے انسان حسن کے حسن اور قبیح کے قبح کو نہیں جان سکتا معرفت عقل سے حاصل ہو سکتی ہے لیکن واجب سمع سے ہوتی ہے۔ خدا کہتا ہے وما کنا معذبین حتی نبعث رسولاً اسی طرح شکر نعمت۔ اثابت المطیع اور عقاب العاصی وغیرہ از روے سمع کے واجب ہیں از روے عقل کے نہیں۔ انبعاث رسل امر جائز ہے واجب نہیں۔ محال نہیں لیکن انبعاث کے بعد معجزوں سے ان کی تائید کرنا اور گناہوں سے انہیں محفوظ رکھنا وغیرہ واجبات ہیں۔ امور غائبہ مثلاً قلم لوح۔ عرش۔ کرسی۔ جنت۔ نار۔ وغیرہ چونکہ ممکنات سے ہیں۔ انکا اقرار بغیر تاویل کے واجب ہے۔ علی ہذہ القیاس امور مستقبلہ مثلاً سوال قبر۔ میزان۔ حساب۔ صراط۔ وغیرہ کا اقرار بھی بغیر تاویل کے واجب ہے۔

اشعری پہلا شخص ہے جس نے تسنن اور تحدث کو عقلی دلائل سے

صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی یعنی اس نے علم کلام کی بنیاد ڈالی اعتزال بھی ایک قسم کا علم کلام تھا مگر جیسا کہ ظاہر ہے معتزلوں کے کلام اور اشعری کے کلام میں بعد المشرقین تھا۔ معتزلوں کے کلام کا مقصد ابطال عقائد تھا اشعری کے کلام کا مطلب اثبات عقائد تھا معتزلوں کے کلام کا مقصد عقل کی فضیلت ثابت کرنا تھا اشعری کے کلام کا مقصد سمع کی فضیلت ثابت کرنا تھا۔

اشعری کی طرح ہی الطحاوی المتوفی ۳۲۱ نے مصر میں اور ابو منصور ماتریدی المتوفی ۳۳۳ نے ترکستان میں اپنا علم کلام ایجاد کیا۔ مگر ان کا کلام اشعری کے کلام سے دب گیا۔ ابو منصور ماتریدی کا کلام بہ نسبت الطحاوی کے کلام کے ذرا زیادہ مشہور ہوا۔ ابو منصور ماتریدی کا جو سمرقند کے قریب ایک گاؤں ہے رہنے والا تھا امام ابوحنیفہ کا شاگرد تھا۔ کتاب التوحید کتاب المقالات۔ رد اوائل الادلۃ للکعبی۔ بیان وہم المعتزلہ۔ تاویلات القرآن وغیرہ کا مصنف تھا اشعری سے دس بارہ مسائل میں اختلاف کیا

اس کا کلام زیادہ تر حنفیوں میں مقبول ہوا۔ ترکستان میں اب تک اسکی تعلیم ہوتی ہے۔ اشعری کا کلام زیادہ تر شافعیوں میں مقبول ہوا۔ اس زمانے میں شافعی حنفیوں سے تعداد میں زیادہ تھے۔ اقتدار میں زیادہ تھے۔ علم میں افضل تھے۔ اس لیے اشعریت کی بہت شہرت اور اشاعت ہوئی۔

قاضی ابو بکر باقلانی المتوفی ۴۰۳ امام الحرمین ابو المعالی الجوینی المتوفی ۴۷۸ اور ابو حامد محمد بن محمد الغزالی المتوفی ۵۰۵ اس کے بڑے امام تھے۔ قاضی ابو بکر باقلانی نے اس کی تدوین و تکمیل کی اور امام الحرمین اور غزالی نے اس کی اصلاح و ترمیم کی۔

قاضی ابو بکر باقلانی بڑا عالم فاضل تھا۔ فلسفہ داں تھا۔ بحث میں بہت تیز تھا۔ ابن خلکان لکھتا ہے کہ ایک روز وہ ابو سعید الہارونی سے جو بڑا تیز گفتار شخص تھا بحث کر رہا تھا اثنائے بحث میں ابو سعید نے اس سے کہا "اشہدوا علی انہ ان عاد ما قلت لا یجر لم اطالبہ بالجواب" یعنی لوگو تم گواہ رہو کہ جو کچھ میں نے کہا ہے اگر یہ اسے دہرا دے تو میں اس سے جواب

نہیں طلب کرونگا۔ باقلانی نے جواب دیا اشہدوا علی انہ ان عاد بکلام نفسہ سلمت لہ ما قال۔ یعنی اے لوگو تم گواہ ہو کہ جو کچھ اس نے کہا اگر یہ خود اسے دہرا دے تو میں اس کا قائل ہو جاؤنگا۔

باقلانی کے خیالات یہ ہیں۔ دنیا جواہر اور اعراض سے مرکب ہے اعراض ظاہر ہیں کہ حادث ہیں۔ جواہر بھی حادث ہیں کیونکہ وہ محل حوادث ہیں کبھی اعراض سے خالی نہیں رہتے۔ اگر جواہر قدیم ہوں تو اعراض بھی قدیم ہوں گے یہ ناممکن ہے جب جواہر مع اعراض حادث ہیں تو دنیا حادث ہے اور جب دنیا حادث ہے تو کوئی اس کا محدث چاہیے وہ خدا ہے دنیا ذروں کا مجموعہ ہے۔ ہر شے ذروں سے مرکب ہے ہر ذرہ ذروں سے مرکب ہے ذرے اتنے لطیف ہیں کہ لامکاں ہیں۔ مگر متحیز ہیں۔ دنیا کا انتظام انکی حرکات و سکنات پر منحصر ہے اور ان کے ایک دوسرے سے ملنے اور جدا ہونے پر موقوف ہے۔ معتزلہ و فلاسفہ کا خیال تھا کہ ذروں میں حس ہوتی ہے جان ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ خود بخود ایک دوسرے سے ملتے

اور جدا ہوتے ہیں۔ خدا ان کو پیدا کرکے اور ان میں خاصیتیں بھر کے بیکار اور معطل بیٹھا ہوا ہے دنیا کا انتظام خود بخود چل رہا ہے یا فلانی کی رائے بھی گمراہی ہے سب جس اور بے جان ہیں ان میں ایک دوسرے سے ملنے اور جدا ہونے کی خاصیت نہیں۔ خدا ان کو ملاتا ہے خدا ان کو جدا کرتا ہے۔ خدا خود ہر وقت دنیا کے انتظام میں مصروف رہتا ہے نہ وہ تھکتا ہے نہ اس کا جی گھبراتا ہے نہ اسے اونگھ آتی ہے نہ اسے نیند آتی ہے دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہی کر رہا ہے اس کے حکم سے ہو رہا ہے ایک پتا اس کے حکم بغیر نہیں ہل سکتا۔ مسئلہ سلسلۂ علت و معلول کا غلط ہے۔ خدا ہر معلول کی علت ہے عالم اسباب نہیں۔ خدا مسبب الاسباب نہیں خدا سبب ہے خدا کسی آئین کا پابند نہیں اس کی مرضی اس کا آئین ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے چاہے تو کل سورج کو نہ نکالے چاہے تو آج دنیا کو فنا کر دے چاہے تو آدمی کو گدھا بنا دے چاہے تو گدھے کو آدمی بنا دے۔ ہر لمحہ ایک معجزہ ہو رہا ہے۔ آگ میں جلانے کی خاصیت نہیں پانی میں آگ کے بجھانے کا

وصف نہیں۔ قوانین فطرت بے معنی ہیں ان کے جاننے کی کوشش بیسود ہے۔

اگرچہ ان خیالات سے مذہب سنت و حدیث کی تائید ہوتی تھی مگر محدثوں اور فقیہوں نے ان کی مخالفت کی وہ کہتے تھے کہ ہم مسلمان ہیں کیونکہ اسلام ہمارا دین ہے۔ مسلمان ہونے کے لیے ہمیں عقلی دلائل کی ضرورت نہیں جیسا کہ ہمارے اسلاف کو ان کی ضرورت نہ تھی۔ علاوہ بریں عوام الناس ان دلائل کو نہ سمجھ سکینگے اور اگر سمجھنے کی کوشش کریں گے تو لغزشیں کہا ئینگے اور گمراہ ہو جائیں گے اس بنا پر وہ اشعری کو کافر اشعریت کو کفر اور اشاعرہ کو معتزلہ کے بھائی بند خیال کرتے تھے۔ اشاعرہ پر کچھ عرصہ تک ظلم ہوتا رہا سنہ ۴۴۵ھ میں سلطان طغرل بیگ نے محدثین اور فقہا کی تحریک سے اور بموجب ایک اور روایت کے اپنے وزیر عمید کندری کی رائے سے جو معتزلہ تھا حکم دیا کہ ہر جمعہ کو خطبہ میں ابو الحسن اشعری پر لعنت پڑھی جائے اس زمانے میں امام الحرمین ابو المعالی الجوینی نیشاپور میں درس دیا

کرتا تھا مارے خوف کے حجاز چلا گیا اور چار پانچ برس وہیں رہا امام الحرمین وہ اسی لئے کہلاتا ہے۔ طغرل بیگ نے ۴۵۵ھ میں وفات پائی اسکے بعد الپ ارسلان سلطان ہوا اشاعرہ کی خوش قسمتی سے وہ خود اور اس کا وزیر نظام الملک المتوفی ۴۸۵ھ دونو اشعریہ تھے ان کی وجہ سے اشعریت کے اچھے دن آئے اور اس کی دن دونی رات چوگنی ترقی ہونے لگی ۴۵۹ھ میں نظام الملک نے دو بڑے مدرسے بنوائے ایک مدرسہ نیشاپور میں بنوایا دوسرا بغداد میں۔ ان دونوں مدرسوں میں اشعریہ عقائد کی تعلیم ہوتی تھی۔ امام الحرمین حجاز سے واپس نیشاپور چلا آیا۔ نظام الملک نے اس کی بہت خاطر و مدارات کی اور اسے مدرسہ نظامیہ نیشاپور کا مدرس اعظم مقرر کیا۔ امام الحرمین بڑے پایہ کا امام تھا۔ الشامل۔ البرہان۔ الارشاد۔ العقیدۃ النظامیہ۔ مدارک العقول تلخیص التقریب۔ تلخیص نہایت المطلب۔ غیاث الامم فی الامامۃ وغیرہ کتابیں لکھیں اوضیاء الدین لقب حاصل کیا جب اس نے وفات پائی تو لوگوں نے بہت اظہار

تاسف کیا کسی نے یہ شعر کہے ؎

قلوب العالمین علی المقالی ۔ وایام الورٰی شبه اللیالی
ایثمر غض اهل العلم یوما ۔ وقدمات الامام ابو المعالی

اس کے شاگردوں کو جن کی تعداد صدہا تھی خاص کر بہت ملال ہوا انہوں نے اپنے قلم توڑ ڈالے" داوتیں چکنا چور کیں ۔ منبر کے ٹکڑے ٹکڑے کیے اور ایک برس تک چھٹی منائی ۔

امام غزالی امام الحرمین کا شاگرد تھا فلسفہ پڑھکر اور اس سے متمتع ہو کر اشعریت کی ترمیم کی ۔ اور چند مسائل میں اشعری اور باقلانی سے اختلاف کیا مثلاً مسئلہ اسباب مسئلہ امور غائبہ وغیرہ ۔ معتزلوں کا خیال تھا کہ عالم عالم اسباب ہی ۔ اسباب کا سلسلہ لاتناہی ہے ۔ خدا اس سلسلے سے بالکل الگ ہی ۔ یہاں تک کہ بعض غالی معتزلے کہتے تھے کہ خدا کو یہ بھی نہیں معلوم کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے اور اشیاء کی تعداد کیا ہی ۔ بخلاف اسکے اشعری اور باقلانی کا خیال تھا کہ مسئلہ سلسلہ اسباب غلط ہے

خدا خود ہر بات کا سبب ہی۔ اسے ذرے ذرے کا علم ہی وہ ہر چھوٹے
سے چھوٹے کام کا فاعل ہی مثلاً جب انسان کچھ لکھنا چاہتا ہے تو خدا ہی
اسکے دل میں ارادہ پیدا کرتا ہے خدا ہی اسے قلم پکڑنے کی توفیق دیتا ہی۔ خدا
ہی اس کے ہاتھ کو متحرک کرتا ہی غرض سب کچھ خدا کرتا ہے۔ انسان بیکار ہے
جیسا کہ قلم انسان کے ہاتھ میں ایک آلہ ہے ویسا ہی انسان خدا کے ہاتھ
میں ایک آلہ ہی۔ امام الحرمین اور امام غزالی کے خیالات یہ ہیں وہ
سلسلہ اسباب کے قائل تھے مگر کہتے تھے کہ سلسلہ اسباب متناہی ہی اور خدا مسبب الاسباب
ہے یعنی وہ اس سلسلے کا آغاز اور انجام ہی۔ غزالی احیاء العلوم میں یوں قمطراز
ہے فہذا تبیین ان مسبب الاسباب اجری سنتہ بربط المسببات بالاسباب
لاظہار الحکمتہ۔ فالمستبع یتلوا السبب لا محالۃ مہما تمت شروط السبب وذلک
مثل الاسباب التی ارتبطت المسببات بھا بتقدیر اللہ ومشیتہ ارتباطاً
مطرداً لا یختلف فانک ان انتظرت ان یخلق اللہ تعالیٰ فیک شبعاً دون
الخبز او یخلق فی الخبز حرکۃ الیک او یسخر لک ملکاً لیمضغہ لک و یوصلہ الی

معدہ تک فقد جعلت سنۃ اللہ تعالیٰ یعنی" مسبب الاسباب نے اظہار حکمت کیلئے یہ طریقہ جاری کیا اور مسببات کو اسباب کے ساتھ وابستہ کر دیا۔ مسبب ضرور سبب کے متعاقب وجود میں آئے گا۔ بشرطیکہ سبب کے تمام شرائط موجود ہوں یہ اس قسم کے اسباب ہیں جن سے مسببات کا وجود وابستہ ہے۔ جو کبھی اس سے الگ نہیں ہوتا۔ اور یہ بھی خدا کی تقدیر اور مشیت کی وجہ سے ہے۔ اگر تو اس بات کا انتظار کرے گا کہ خدا روٹی کے بغیر تیری بھوک کو رفع کر دے یا روٹی میں حرکت پیدا کرے کہ خود بخود تجھ تک چلی آئے یا ایک فرشتہ کو مقرر کرے کہ روٹی کو منہ میں چبا کر تیرے معدے تک پہنچائے تو تو خدا کی سنت سے جاہل ہے" ایک اور جگہ لکھتا ہے "وکل ما بین السماء والارض حادث علی ترتیب واجب وحق لازم لا یتصور ان یکون الا کما حدث وعلی ہذا الترتیب للذی وجد فما تاخر الا لانتظار شرطہ والمشروط قبل الشرط

+ ماخوذ از "الغزالی" مولانا شبلی

محال و المحال لا یوصف بکونہ مقدوراً" یعنی جو کچھ آسمان اور زمین کے بیچ میں ہے
وہ واجب ترتیب اور لازم حق کے موافق پیدا ہوا ہے جس طرح وہ پیدا ہوا اور
جس ترتیب پر پیدا ہوا اسکے خلاف اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا تھا جو چیز کسی
چیز کے بعد پیدا ہوئی ہو وجہ سے ہوئی کہ اس کا پیدا ہونا اس کی شرط پر
موقوف تھا۔ اور مشروط کا وجود بغیر شرط کے محال ہے اور محال کی نسبت
یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ مقدور الہی ہے۔

امور غائبہ مثلاً قلم لوح۔ عرش۔ کرسی۔ جنت و دوزخ وغیرہ کے متعلق
اشعری کی رائے تھی کہ چونکہ ان کا ذکر قرآن و حدیث میں آیا ہے اور ممکن الوجود
ہیں اس لیے انکا اقرار بغیر تاویل کے واجب ہے۔ غزالی کا خیال تھا کہ انکا
انکار مطلق کفر ہے مگر اقرار با تاویل کفر نہیں۔ وجود کی تاویل وہ اس طرح کرتا تھا
وجود پانچ قسم کا ہوتا ہے۔ اول وجود ذاتی یعنی وجود خارجی۔ دوم وجود حسی مثلاً
ان چیزوں کا وجود جن کو ہم خواب میں دیکھتے ہیں۔ سوم وجود خیالی۔
مثلاً ان چیزوں کا وجود جن کو ہم آنکھیں بند کرکے دیکھ سکتے ہیں یعنی دل کی آنکھوں سے

دیکھ سکتے ہیں خیال میں دیکھ سکتے ہیں چہارم وجود عقلی یا لفظی مثلاً اس فقرے میں کہ زید میری مٹھی میں ہے زید کا میری مٹھی میں ہونا۔ پنجم وجود شبہی مثلاً اس حدیث میں کہ قیامت میں موت مینڈھے کی شکل میں لائی جائیگی اور ذبح کردی جائے گی موت کا مینڈھے کی شکل میں لایا جانا اور ذبح کیا جانا۔ غزالی کا خیال تھا کہ اگر کوئی شخص امور غائبہ کے ان پانچ وجودوں میں سے کسی وجود کا قائل ہو تو وہ مسلمان ہونے کا فرنہیں ہوسکتا۔ جو شخص جس قسم کے وجود کا قائل ہو آخرت میں وہ ان چیزوں کو ویسا ہی پائے گا۔ قولہ فالمشغوف بالتقلید والجمود علی الصور الذین لم تنفتح لہ طرق الحقائق تتمثل لہ ہذہ الصور واللذات والعارفون المستصغرون لعالم الصور واللذات المحسوسۃ یفتح لھم من لطائف السرور واللذات العقلیۃ ما یلیق بھم ویشتھی شرہم وشہوتھم اذ حد الجنۃ ان فیھا لکل امرء ما یشتھیہ یعنی جو شخص تقلید کا شیفتہ ہے اور صورتوں پر مرتا ہے اور جس پر حقیقت کے طریقے نہیں کھلے اسکے سامنے یہ صورتیں اور لذتیں مجسم بن کر آئینگی۔ لیکن جو لوگ محسوس لذتوں

اور ظاہری صورتوں کو ہیچ سمجھتے ہیں۔ ان کو وہ پر لطف مسرتیں اور عقلی لذتیں حاصل ہوں گی جو ان کے شایاں ہیں۔ اور جو ان کی پیاس کو بجھا سکینگی کیونکہ جنت کی تعریف ہی کہ اس میں ہر شخص کو وہ چیز ملے جس کی اسے خواہش ہو۔

تاویل کی کنجی ایسی غزالی کے ہاتھ لگی کہ اس سے تمام مشکلوں کی عقدہ کشائی ہوگئی اور مذہب کی تمام مہمل باتیں معقول ثابت ہو گئیں۔ غزالی نے اکثر مسائل میں تاویل سے کام لیا اور اسکو اتنا ضروری سمجھا کہ اسپر "التفرقہ بین الاسلام والزندقہ" نام ایک کتاب لکھی۔ لیکن سچ پوچھئے تو تاویل کھینچ تان کے سوا کچھ نہیں تاویل زمین آسمان کے قلابے ملانا ہی تاویل سے بآسانی غلط بات صحیح اور ناممکن بات ممکن ثابت ہوسکتی ہی تاویل سے بلا دقت امثال کی مغائرت اور اضداد کی مماثلت درجہ ثبوت کو پہنچ سکتی ہے۔ حتیٰ کہ تاویل سے بت پرستی عین توحید اور توحید محض بت پرستی ثابت ہوسکتی ہے۔ تاویل سے اگر کوئی چاہے تو قران کی

تطبیق پر ان سے اور اسلام کی تطبیق یونانیت سے کر دے۔ تاویل دہوکا ہے
تاویل کرنیوالا یا اپنے آپ کو دہوکا دیتا ہے یا اوروں کو دہوکا دیتا ہے
بہرحال اس سے مذہب قرآن وحدیث کی بہت تقویت ہوئی۔ مگر
محدثین اور فقہا بڑے ناشکر گزار تھے۔ غزالی کو بھی اشعری کی طرح کافر سمجھنے
لگے اور اس کے کفر کے فتوے دینے لگے۔ غزالیت سے اشعریت کی
بھی تقویت ہوئی اور اس کی اصلاح و ترمیم ہوگئی جو نقص اس میں رہگئے
تھے سب رفع ہوگئے۔ اور وہ اسقدر مقبول ہوئی کہ تمام اسلامی ممالک میں
پھیل گئی مسترشد باللہ خلیفہ بغداد (۵۱۲ - ۵۲۹) اشعریہ تھا۔
سلطان صلاح الدین المتوفی (۵۸۹) اور اس کے دربار کا قاضی عبدالملک
اشعریہ تھے۔ صلاح الدین کو اشعری کا مجموعہ عقائد حفظ تہا۔ اپنے بچونکو
بھی اس نے وہ مجموعہ حفظ کرایا۔ قاہرہ اور اسکندریہ میں مدرسے قائم
کئے۔ ان میں اشعریت کی تعلیم دلوائی۔ مراکش اور اندلس میں ابن
تومرت نے اشعریت پھیلائی۔ محمد بن عبداللہ تومرت پیر تھا غزالی

کا شاگرد تھا۔ وطن واپس جا کر اس نے مہدویت کا دعوی کیا۔ اور مرابطہ کو شکست دیکر ایک نئی حکومت کی بنیاد ڈالی۔ جو موحدین کے نام سے مشہور ہے مغرب میں اس وقت مذہب قرآن و حدیث رائج تھا لوگ تشبیہ و تجسیم کے قائل تھے۔ ابن تومرت تشبیہ و تجسیم کو کفر سمجھتا تھا۔ تنزیہ پر بہت زور دیتا تھا اور اس کو توحید کہتا تھا اسلئے وہ اور اس کے جانشین موحدین کہلاتے تھے انھوں نے ۵۲۴ھ سے ۶۶۸ھ تک حکومت کی۔ حکماء اور فلاسفہ کے بڑے قدردان تھے۔ ابن طفیل اور ابن رشد انہیں کے ساختہ و پرداختہ تھے۔

اخوان الصفا

معتزلے دن بدن گمنام ہوتے اور مٹتے گئے چوتھی صدی میں جب کہ خلافت کا انتظام خاندان بویہ کے ہاتھ میں تھا اعتزال کا ستارہ تھوڑی دیر کیلئے چمک اٹھا۔ خاندان بویہ شیعہ تھا اور معتزلوں پر مہربان تھا

شیعوں اور معتزلوں کے درمیان دوستی تھی۔ ایک تو اس لیے کہ کچھ مسائل دونوں میں مشترک تھے مثلاً مسئلہ عدل وغیرہ۔ دوسرے اس لئے کہ شیعوں کے دشمنوں یعنی سنیوں اور معتزلوں میں باہم دشمنی تھی اور قاعدہ ہے کہ دشمن کا دشمن دوست ہوا کرتا ہے ۳۶۰ھ کے قریب خاندان بویہ کی سرپرستی میں بصرہ میں اخوان الصفا و خلان الوفا نام معتزلوں کی ایک خفیہ انجمن قائم ہوئی جس اعمال اس کے رکن ہونے کی ضروری شرط تھی اس کے بڑے ارکان یہ تھے۔ زید بن رفاعہ۔ ابو سلیمان محمد بن معشر البستی معروف بالمقدسی۔ ابو الحسن علی بن ہارون الزنجانی۔ ابو احمد المہرجانی العوفی۔ انھوں نے عام فہم زبان میں کوئی پچاس رسالے لکھے جو اسوقت کے تمام علوم وفنون کی جامع ہیں۔ اسلامی ممالک میں اکثر مقامات میں اس انجمن کی شاخیں تھیں باوجود اسکے یہ بھی ”اخوان“ لوگوں پر بہت کم اثر ڈال سکے۔ کیونکہ اول ان کی انجمن خفیہ تھی لہذا مشہور نہ تھی۔ دوسرے ان میں کوئی اتنا بڑا آدمی نہ تھا جو اشعری

باقلانی۔ ابوالمعالی اور غزالی کے پایئے کا ہوتا۔ تیسرے لوگوں کا گمان تھا کہ وہ اسماعیلیہ ہیں۔ قاتل ہیں۔ موذی ہیں۔ اعتزال کے پردے میں خلافت کو منہدم اور امامت کو قائم کرنا چاہتے ہیں۔ جب خاندان بویہ کے ہاتھ سے خلافت کا انتظام چھن گیا تو یہ انجمن بھی ٹوٹ گئی۔

ابوالحسین بصری المتوفی ۴۳۶ھ اور زمخشری المتوفی ۵۳۸ھ آخری بڑے معتزلے تھے۔ ابوالحسین محمد ابن علی الطیب البصری کے خیالات یہ تھے۔ معدوم کو شے نہیں کہہ سکتے۔ اکوان اعراض نہیں خدا کے صفات صرف تین ہیں۔ علم۔ قدرت۔ اور ادراک۔ صفات کو احوال نہیں کہہ سکتے۔ شرح اصول خمسہ نام ایک کتاب میں اعتزال کے اصولوں کی شرح لکھی۔ جاراللہ محمد بن عمر الزمخشری نے مشہور تفسیر کشاف تصنیف کی انکے بعد اعتزال کا خاتمہ ہوگیا۔

معتزلوں کے زوال کے وجوہات اگرچہ خلفا و سلاطین کا ظلم ضبل اور حنابلہ کی عداوت اور اشعری اور اشاعرہ کی مخالفت

وغیرہ تھے۔ لیکن ان کے زوال کی بڑی وجہ وہ آپ تھے۔ ان کی روشنی طبع ان پر بلا ہوگئی اگر وہ بجائے موشگافیوں اور نازک بحثیوں پر وقت ضائع کرنے کے دہر پر جو اتنی بڑی اور عظیم الشان شئے ہی غور کرتے۔ اگر وہ بجائے تعریف اشیاء پر جھگڑنے کے حقیقت اشیاء دریافت کرتے۔ اگر وہ بہ نسبت الٰہیات کے طبیعات پر زیادہ توجہ کرتے اگر وہ بجائے مناظرہ اور مباحثہ کے مشاہدہ اور تجربہ زیادہ کرتے اگر وہ خالی بک کر نیکے بجائے کچھ کام کرتے تو ان کو یہ دن کبھی نصیب نہ ہوتا۔

آتش بہ دو دست خویش در خرمن خویش | من خود زدہ ام چہ نالم از دشمن خویش
کس دشمن من نیست منم دشمن خویش | اے وائے من و دست من و دامن خویش

مسلمان فلاسفہ

بہت سے معتزلی فلسفہ بقدر ضرورت پڑھ کر بحث و تکلم میں مشغول ہو جاتے تھے مگر ان میں کچھ ایسے بھی تھے جنکو بحث و تکلم سے نفرت تھی وہ فلسفہ پڑھکر فلسفے ہی کے ہو جاتے تھے ایسے معتزلی فلاسفہ کہلاتے تھے۔ یہ عموماً طب۔ ریاضی۔ کیمیا۔ ہیئت۔ موسیقی وغیرہ جانتے تھے اور اقلیدس فیثاغورس بطلیموس۔ بقراط۔ جالینوس وغیرہ کی کتابوں سے واقف تھے الہیات میں وہ افلاطون اور ارسطو کے معتقد تھے اور انکو پیر و مرشد سمجھتے تھے مگر افسوس کہ افلاطون اور ارسطو کی اصلی کتابیں ان کو نہ مل سکیں۔ ان کی کتابوں کے ترجمے اور تفسیریں انہیں دستیاب ہوئیں۔ ترجمے غلط تھے۔ تفسیریں تحریفیں تھیں جن کی وجہ سے انہیں بڑی غلط فہمیاں ہوئیں مثلاً پور فائریس نام ایک اشراقی نے افلاطون کے فلسفہ کی تفسیر لکھی تھی اور اسے صوفی ثابت کیا تھا مسلمان فلاسفہ بھی وہ تفسیر پڑھکر افلاطون کو

صوفی سمجھنے لگے۔ پلوٹینس نام ایک اشراقی نے لکھا کہ ارسطو کی رائے
میں انسان خدا کو عقل سے نہیں وجد سے پہچان سکتا ہے مسلمان فلاسفہ
ارسطو کو بھی صوفی سمجھنے لگے۔ اور خود بھی صوفی تھے۔ قولہم۔ خدا واحد ہی
واحد شے سے کثرت ظہور میں نہیں آسکتی۔ لہذا خدا نے اکیلے دنیا کو
نہیں بنایا۔ پہلے اس نے عقل فعال کو بنایا پھر اس نے اور عقل فعال نے
ملکر دنیا کو بنایا۔ انسان دو چیزوں سے مرکب ہی جسم سے اور روح سے
جسم اس کا دنیا کی اور چیزوں کی طرح فانی ہے۔ مگر روح اس کی غیر فانی ہی
وہ عقل فعال کا جزو ہے۔ اور ہمیشہ اس کی جدائی میں تڑپتی رہتی ہے۔ سوچنے
اور غور کرنے سے روح کا وصال عقل فعال سے ممکن ہے مسلمان فلاسفہ
عقل کے قائل اور سمع کے منکر تھے مگر سمع کو جہلا کے لیے مفید سمجھتے تھے
اور کبھی کبھی انہیں خوش کرنے اور اپنے تئیں مسلمان کہلانے کے لیے عقل و
سمع کی تطبیق کر دیتے تھے

مشہور فلاسفہ کے نام۔ یعقوب بن اسحاق الکندی حسین

ابن اسحاق یحیی النحوی ۔ ابو الفرج المفسر ۔ ابو سلیمان السجزی ۔ ابو سلیمان محمد المقدسی ۔ ابو بکر ثابت بن قرہ ۔ ابو تمام یوسف بن محمد النیشاپوری ۔ ابو زید احمد بن سہیل البلخی ۔ ابو محارب الحسن بن سہل بن محارب القمی ۔ احمد بن الطیب السرخسی ۔ طلحہ بن محمد النسفی ۔ ابو حامد احمد بن محمد الاسفزاری ۔ عیسی بن علی لوزیر ابو علی احمد بن مسکویہ ۔ ابو زکریا یحیی بن عدی الضیمری ۔ ابو الحسن العامری ابو نصر بن محمد بن طرخان الفارابی ۔ ابو علی الحسین بن عبد اللہ بن سینا ابو علی محمد ابن الحسن ابن الہیثم ۔ ابو ریحان محمد ابن احمد البیرونی ۔ ان میں زیادہ سربرآوردہ فلاسفہ یہ ہیں ۔ کندی ۔ فارابی ۔ بو علی سینا ۔ ابن الہیثم اور بیرونی ۔

ابو یوسف یعقوب بن اسحاق بن صباح الکندی مشہور خاندان کندہ سے تھا ۔ اس کا دادا اشعث بن قیس صحابی تھا اور مسلمان ہونے سے پہلے خود مختار فرمان روا تھا ۔ کندی کا باپ ابو اسحاق بن صباح مہدی ہادی اور ہارون کے زمانے میں کوفہ کا حاکم تھا چونکہ کندی عرب تھا

اور اکثر فلاسفہ دیگر قوموں کے تھے فیلسوف عرب کہلاتا تھا۔ کچھ دنوں بصرہ
اور کچھ دنوں بغداد میں تعلیم پائی۔ یونانی۔ فارسی۔ ہندی، زبانیں اچھی طرح
جانتا تھا۔ مامون اور معتصم اس کی بہت عزت کرتے تھے اور اسے
یونانی کتابوں کے ترجمے پر تعینات کیا۔ موسیقی میں اسے اتنی مہارت
تھی کہ اسکے ذریعے سے بیماروں کا علاج کر سکتا تھا۔ القفطی لکھتا ہے
کہ اس کے پڑوس میں ایک مالدار سوداگر رہتا تھا۔ کندی چونکہ ملحد مشہور تھا
سوداگر اس سے بہت عداوت رکھتا تھا۔ سوداگر کا ایک لڑکا تھا جو بہت
تیز تھا۔ باپ کا سارا کاروبار اس کے ہاتھ میں تھا۔ حافظہ اس کا
اتنا اچھا تھا کہ بہی رکھنے کی اسے ضرورت نہ تھی سارا حساب کتاب
اسے یاد تھا اتفاق سے ایک روز اسے سکتا ہو گیا۔ بہت سے طبیب
بلائے گئے مگر کوئی اسے اچھا نہ کر سکا۔ آخر ایک شخص نے سوداگر
سے کہا کہ تمہارے پڑوس میں ایک بڑا فیلسوف اور حکیم رہتا ہے
اسے کیوں نہیں بلاتے۔ سوداگر کندی کے بلانے پر راضی نہوتا

ور خدا کی رضا پر راضی ہوجاتا مگر چونکہ سہار حساب کتاب لڑکے کے ذمے تہ
اور اسکے مرنے سے اسے بہت نقصان پہنچتا عداوت کا خیال نہ کرکے
کندی کو بلوایا اس کے کہنے کے مطابق چہ شاگرد پلنگ کے ایک ایک
پائے کے قریب بیٹھ گیا اور عود بجانے لگا۔ کندی خود لڑکے کی نبض پر
ہاتھ رکھے بیٹھا رہا۔ تہوڑی دیر کے بعد عود کی آواز کے اثر سے اسکی
نبض چلنے لگی۔ یہاں تک کہ وہ اُٹھ بیٹھا۔ سوداگر بہت خوش ہوا اُسے
پیار کیا اور حساب کتاب کے متعلق اس سے باتیں کیں کچھ دیر کے
بعد شاگرد بجاتے بجاتے تھک گئے اور رک گئے۔ عود کی آواز کے
موقوف ہوتے ہی لڑکے کو پھر سکتا ہوگیا۔ سوداگر نے پھر ان سے
بجانے کو کہا۔ کندی نے اس سے کہا کہ جو کچھ آپ کو اپنے لڑکے سے
پوچھنا تھا پوچھ لیا اور آپ کیا چاہتے ہیں یہ کہکر وہ اپنے شاگردوں کے
ساتھ گھر چلا آیا۔ کندی نجوم ہی جانتا تھا۔ مامون کے عہد میں کسی نے
پیشین گوئی کی تہی کہ خلافت عباسیہ ختم ہونے کو ہے۔ جب کندی

کی رائے لی گئی تو اس نے کہا کہ علم از کم چار سو برس اور رہیگی چنانچہ ایسا ہی ہوا
متوکل کے عہد میں منجملہ اور معتزلون کے اسپر بھی ظلم ہوا۔ اس کی تنخواہ بند
ہوگئی اور کتب خانہ اس کا ضبط ہوگیا۔ ۲۶۰ھ میں وفات پائی۔ کاردن
کی رائے ہے کہ ابتدائے آفرینش سے سولہویں صدی تک بارہ بڑے
صاحب فکر شخص دنیا میں پیدا ہوئے ان میں سے ایک کندی تھا۔ کندی
نے ۲۰۰۵ کتابیں لکھیں ان کی فہرست یہ ہے

فلسفیات

کتاب الفلسفۃ اولی فیما دون الطبیعات والتوحید۔ کتاب فی الفلسفۃ
الداخلۃ۔ کتاب فی انہ لا تنال الفلسفۃ الا بعلم الریاضیۃ۔ کتاب الحث
علی تعلم الفلسفۃ۔ کتاب فی قصد ارسطوطالیس فی المقولات۔ کتاب ترتیب
کتب ارسطوطالیس۔ کتاب فی مقالتہ العلمی۔ کتاب اقسام العلم الا
نسی۔ کتاب مائیۃ العلم واقسامہ۔ کتاب فی ان الافعال الباری کلہا
عدل۔ کتاب فی مائیۃ الشئی الذی لا نہایت لہ، رسالۃ فی الابانت ان لا

يكون جرم العالم بلا نهاية ۔ کتاب فی الفاعت والمنفعة من الطبيعات
کتاب فی اعتیادات الجوامع الفكرية ۔ کتاب فی مسائل مسئل عنها فی
منفعة الرياضات ۔ کتاب فی بحث المدعى ان الاشياء الطبيعة
تفعل فعلا واحدا بایجاب الخلقة ۔ کتاب فی الرفق فی الصاعات

منطقيات

کتاب المدخل المنطقی المستوفی ۔ کتاب المدخل المختصر ۔ کتاب المقولات
العشر ۔ کتاب فی الابانة عن قول بطليموس فی اول المجسطی حاکیا عن
ارسطوطالیس فی انا لوطیقا ۔ کتاب فی الاحتراس عن خدع السوفسطائية
کتاب فی البرهان المنطق ۔ رسالة فی الاصوات الخمسة ۔ رسالة فی سمع
الكيان ۔ رسالة فی آلة مخرجة الجوامع ۔

حسابيات

رسالة فی المدخل الی الارثماطيقی ۔ رسالة فی الحساب الهندی ۔ رسالة
فی الاعداد ذكرها افلاطون فی کتاب السياسة ۔ کتاب فی تاليف الاعـ

رسالة فی التوحید من جہتہ العدد. رسالة فی استخراج الخبی والضمیر. رسالة فی الزجر والفال من جہت العدد. رسالة فی الخطوط والمضرب بعدد الشعیر رسالة فی الکمیة المضافة. رسالة فی النسب الزمانیة. رسالة فی الحیل العددیة وعلم اضمارہا.

الکریات

رسالة فی ان العالم وکل ما فیہ کری. رسالة فی ان العناصر اولی والجرم الاقصی کریتہ. رسالة فی ان الکرة اعظم الاشکال الجرمیة. رسالة فی الکریات. رسالة فی عمل السمت علی کرة. رسالة فی ان سطح مار البحر کری. رسالة فی تسطیح الکرة. رسالة فی عمل الحلق الست واستعمالہا.

موسیقیات

رسالة الکبرے فی التالیف. کتاب ترتیب النغم. کتاب المدخل الی الموسیقی. رسالة فی الایقاع. رسالة فی الاخبار عن صناعت الموسیقی کتاب فی خبر صناعت الشعراء.

نجومیات

رسالة فی ان رویة الہلال لا تضبط بالتحقیق وانما یقول فیہ بالتقریب
رسالة فی السوال عن احوال الکواکب۔ رسالة فی کیفیات نجومیة۔ رسالة
مطرح الشعاع۔ رسالة فی الفصلین۔ رسالة فیما ینسب الیہ کل بلد من البلدان
الی برج او کوکب۔ رسالة فیما سئل عنہ من شرح ما عرض لہ الاختلاف
فی صور الموالید۔ رسالة فی اعمار الناس فی الزمن القدیم وخلافہا فی
ہذا الزمن۔ رسالة فی رجوع الکواکب۔ رسالة فی اختلاف الاشخاص ا
لعالیة۔ رسالة فی سرعة ما یری من حرکة الکواکب۔ فی الافق وابطائہا۔
کلما علت۔ رسالة فی فصل ما بین السنین۔ رسالة فی الاوضاع النجومیة
رسالة فی المنسوبة الی الاشخاص العالیة۔ رسالة فی علل احداث الجو۔ رسالة
فی علة ان بعض الاماکن لا تمطر۔

ہندسیات

کتاب اغراض اقلیدس۔ کتاب اصلاح اقلیدس۔ کتاب اختلاف

المناظر۔ کتاب اختلاف مناظر المراة۔ کتاب فی عمل شکل الموسطین۔ کتاب
فی تقریب وتر الدائرة۔ کتاب فی تقریب وتر المسبع۔ کتاب مساحت ایون
کتاب تقسیم المثلث والمربع۔ کتاب کیف تعمل دائرة مساویة سطح اسطوانة
مفروضة۔ رسالة فی شروق الکواکب وغروبها۔ کتاب قسمة الدائرة بثلثة
اقسام۔ رسالة فی اصلاح المقالة الرابعة عشر والخامسة عشر من کتاب اقلیدس
کتاب البراهین المساحیة۔ کتاب تصحیح قول ابقلاوس فی المطالع۔ کتاب
صنعة الاصطرلاب۔ کتاب استخراج خط نصف النهار وسمت القبلة۔
کتاب عمل الرخامة بالهندسة۔ کتاب عمل الساعات علی صفیحة تنصب
علی السطح الموازی للافق خیر من غیرها۔ رسالة فی استخراج الساعات علی
نصف کرة بالهندسة۔ کتاب السوانح۔

فلکیات

کتاب فی امتناع مساحة الفلک الاقصی۔ کتاب فی ان طبیعة
الفلک مخالفة لطبائع العناصر وانها خامسة۔ کتاب ظاهریات الفلک

کتاب فی العالم الاقصے۔ کتاب فی سجود الجرم الاقصی لبارئہ۔ کتاب فی انہ لایجوزان یکون جرم العالم بلانہایت۔ کتاب امتناع الجرم الاقصے من الاستحالہ۔ کتاب فی الصور۔ کتاب فی المناظر الفلکیۃ کتاب فی صناعۃ بطلیموس الفلکیۃ۔ کتاب فی تناہی جرم العالم۔ کتاب فی ماہیۃ الفلک واللون اللازوردی المحسوس من جہتہ السماء۔ کتاب ماہیۃ الجرم الحامل بطباعہ للالوان من العناصر الاربعۃ۔ کتاب فی البرہان علی الجسم السائر وماہیۃ الاضواء والاظلام۔

طبیّات

کتاب الطب الروحانی۔ کتاب الطب البقراطی۔ کتاب فی الغذاء والادویۃ۔ کتاب الابخرۃ المصلحۃ للجو من الادباء۔ کتاب الادویۃ المشفیۃ للسموم۔ کتاب فی بحارین الامراض۔ کتاب نفس العضو الرئیس من الانسان۔ کتاب کیفیۃ الدماغ۔ کتاب فی علت الجذام کفانا اللہ شرہا۔ کتاب فی عضت الکلب کفانا اللہ شرہا۔ کتاب فی وجع

المعدة والنقرس. کتاب فی الاعراض الحادثة من البلغم وموت الفجأة رسالة الی رجل فی علت شکاها الیہ۔ کتاب فی اقسام الحمیات۔ کتاب فی اجساد الحیوان اذا فسدت۔ کتاب علاج الطحال۔ کتاب فی قدر منفعتہ صناعة الطب۔ کتاب فی صنعة اطعمة من غیر عناصرہا۔ کتاب فی تغیر الاطعمة۔ کتاب فی القراباذین۔

احکامیات

کتاب تقدمة المعرفة بالاشخاص لعالیة۔ کتاب رسالة الثلث فی صناعة الاحکام۔ کتاب مدخل الاحکام علی المسائل۔ کتاب فی دلائل النحسین فی برج السرطان کتاب فی منفعتہ الاختیارات۔ کتاب فی منفعة صناعة الاحکام ومن المسمی منجمًا بالاستحقاق۔ کتاب حدود الموالید۔ کتاب تحویل سنی العالم۔ کتاب الاستدلال بالکسوفات علی حوادث الجو۔

جدلیات

کتاب الرد علی المنانیۃ۔ کتاب الرد علی الثنویہ۔ کتاب الاحتراس عن خدع السوفسطائیہ۔ کتاب نقض مسائل الملحدین۔ کتاب تثبیت الرسل علیہم السلام۔ کتاب فی اثبات الفاعل الحق الاول والفاعل الثانی بالمجاز۔ کتاب فی الاستطاعت وزمان کونہا۔ کتاب فی الاجرام والرد علی من تکلم فی امرہا۔ کتاب فی ان بین الحرکۃ الطبیعۃ والعرضیۃ سکون کتاب فی الجسم وانہ لا ساکن ولا متحرک فی اول ابداعہ۔ کتاب فی التوحیدات کتاب فی جواہر الاجسام۔ کتاب القول فی اوائل الاجسام۔ کتاب فی الجزو الذی لا یتجزی۔ کتاب فی افتراق الملل فی التوحید۔ کتاب البرہان

نفسیات

کتاب فی ان النفس جوہر بسیط غیر داثر۔ کتاب فی ماہیۃ الانسان والعضو الرئیس منہ۔ کتاب فیما للنفس ذکرہ وہی فی عالم العقل کونہا فی عالم الحس۔ کتاب اجتماع الفلاسفۃ علی الرموز۔ کتاب فی علۃ النوم والرویا وما تومر بہ النفس۔

سیاسیات

رسالۃ فی الرٔاستہ ۔ کتاب تسہیل سبل الفضائل ۔ کتاب دفع الا حزان ۔ رسالۃ فی الاخلاق ۔ رسالۃ فی سیاسۃ العامۃ ۔ رسالۃ فی التنبیہ علی الفضائل ۔ کتاب فی فضیلۃ سقراط ۔ کتاب فی الفاظ سقراط کتاب فی المحاورۃ بین سقراط وارسوبس ۔ کتاب فیما جری بین سقراط والحرانیین ۔ رسالۃ فی خبر موت سقراط ۔ کتاب خبر العقل ۔

احداثیات

کتاب العلۃ الفاعلۃ القریبۃ للکون والفساد ۔ کتاب العلۃ فی النار والھواوالماءوالارض عناصر الکائنات الفاسدات ۔ کتاب فی اختلاف الازمنۃ التی تظہر فیہا قوی الکیفیات الاربع الاولی ۔ کتاب فی ماہیۃ الزمان والحین والدہر ۔ کتاب فی الاثر الذی یظہر فی الجو دیسمی کوکبا کتاب فی العلۃ التی لہا یبرد اعلی الجو ویسخن ما قرب من الارض ۔ کتاب فی کوکب الذوابۃ ۔ کتاب فی علۃ الضباب ۔ کتاب فیما رصد من الاثر

العظیم فی اثنتین وعشرین ومائتین للہجرۃ۔

البعادیات

کتاب الالۃ التی یستخرج بہا الابعاد والاجرام۔ کتاب فی ابعاد مسافات الاقالیم۔ کتاب فی المساکن۔ کتاب فی ابعاد الاجرام۔ کتاب الکون فی الربع مسکون۔ کتاب فی استخراج بعد مرکز القمر من الارض۔ کتاب فی عمل آلۃ یعرف بہا بعد المعاینات۔ کتاب معرفتہ ابعاد قلل الجبال

تقدمیات

کتاب اسرار تقدمۃ المعرفۃ۔ کتاب تقدمۃ المعرفۃ بالاحداث۔ کتاب فی تقدمۃ الخبر۔ کتاب فی تقدمۃ المعرفۃ بالاستدلال بالاشخاص السماویۃ۔

انواعیات

کتاب انواع الجواہر الثمینۃ۔ کتاب فی انواع الحجارہ۔ کتاب فیما یصبغ فیعطی لونا۔ کتاب فی انواع السیوف والحدید۔ کتاب فیما یطرح

علی الحدید والیسوف حتی لا ینثلم ولا یکل ـ کتاب الطائر الانسی ـ کتاب فی تمویج الحمام ـ کتاب فی الطرح علی البیض ـ کتاب فی انواع النحل وکرائمه کتاب فی عمل القمقم الصیاح ـ کتاب کیمیا العطر ـ رسالة فی العطر وانواعه کتاب فی صنعة الاطعمة وعناصرها ـ کتاب فی الاسماء المعما ـ کتاب التنبیه علی خدع الکیمیائیین ـ کتاب فی الاثرین المحسوسین فی الماء ـ کتاب فی المد والجزر ـ کتاب ارکان الحیل ـ رسالة فی الاجرام الغائصة فی الماء ـ کتاب فی الاجرام الهابطة ـ کتاب فی عمل المرایا المحرقة ـ رسالة فی المراة ـ کتاب اللفظ ـ کتاب فی الحشرات ـ کتاب فی حدوث الریاح فی باطن الارض المحدثة کثرة الزلازل کتاب فی جواب اربع عشرة مسئلة طبیعیات ـ کتاب الجواب عن ثلث مسائل ـ کتاب علة الرعد والبرق والثلج والمطر ـ کتاب فی فضل المتفلسف بالسکوت ـ کتاب فی ابطال دعوی من یدعی صنعة الذهب والفضة ـ کتاب فی ان علة اختلاف الاشخاص العلویات لیست الکیفیات الاولی کما هی علة فیما تحتها ـ

کتاب الخیل والبیطرۃ۔

ابو نصر ابن محمد ابن طرخان الفارابی ترک تھا۔ اس کا پیشہ آبائی سپاہگری تھا۔ فاراب ترکستان میں ایک قصبہ ہے وہاں پیدا ہوا۔ بغداد میں یوحنا ابن جیلان (جیلاد؟) نام ایک عیسائی عالم سے تعلیم پائی بہت عرصے تک بغداد میں رہا۔ مقتدر کے عہد میں سیف الدولہ کے پاس حلب چلا گیا۔ اور بہ حصول وہیں رہا۔ وہاں سے اسکے ساتھ دمشق گیا۔ ۳۳۹ھ میں اسی برس کی عمر میں وفات

ص . و ربما ا. ص . فا ذ

ۃ المعرفۃ بالاحداث. کتاب

ستدلال بالاشخاص

لباس پہنا کرتا تھا سیف الدولہ اس کا بڑا

لباس پہنکر اسکی نماز جنازہ پڑھی۔ فارابی کندی کی

شرحیں اور تفسیریں لکھیں اسیلئے معلم ثانی کہلاتا تھا۔ اس کی تصنیفات کی فہرست یہ ہے۔

کتاب البرہان۔ کتاب القیاس الصغیر۔ الکتاب الاوسط۔ کتاب الجدل۔ کتاب المختصر الصغیر۔ کتاب المختصر الکبیر۔ کتاب شرائط

البرہان ۔ کتاب النجوم تعلیق کتاف فی النحو ۔ کتاب فی الواحد والوحدۃ ۔
کتاب آراء اہل المدینۃ الفاضلۃ ۔ کتاب [illegible] الفلسفۃ ۔ کتاب
المستغلق من کلامہ فی قاطیغوریاس ۔ کتاب فی اغراض [illegible] ارسطوطالیس
کتاب فی الجزء ۔ کتاب فی العقل ۔ کتاب [illegible] نزعۃ من العدل
کتاب شرح المستغلق فی المصا[illegible]یتہ ۔ کتاب تعلیق ایسا
غوجی علی فرفوریوس ۔ کتاب [illegible] الکنایتہ ۔ کتاب الرد
علی النحوی ۔ کتاب [illegible] فی ادب الجدل ۔ کتاب الرد
فی المراۃ ۔ کتاب اللفظ [illegible] ۔ کتاب التوطئۃ فی المنطق
فی باطن الارض [illegible] المجسطی ۔ کتاب شرح البرہان
لارسطوطالیس ۔ کتاب شرح [illegible] المقدمات من موجود
الضروری ۔ کتاب شرح [illegible] فی النفس ۔ کتاب النتج
السماء والعالم ۔ کتاب [illegible] الآثار العلویۃ ۔ تعلیق کتاب
الحروف ۔ کتاب [illegible] ۔ کتاب الرد علی الرازی ۔

کتاب المقدمات۔ کتاب فی العلم الالہی۔ کتاب فی اسم الفلسفۃ۔ کتاب ا
لفحص۔ کتاب فی اتفاق آراء ارسطوطالیس وافلاطون۔ کتاب فی الجز
وحال وجودہم۔ کتاب فی الجواہر۔ کتاب فی الفلسفۃ وسبب ظہورہا۔ کتاب
التاثیرات العلویۃ۔ کتاب الحیل۔ کتاب النوامیس۔ کتاب السیاست
المدنیۃ۔ کتاب فی ان حرکۃ الفلک سرمدیۃ۔ کتاب فی الریاد۔ کتاب
احصاء القضایا۔ کتاب فی القیاسات التی تستعمل۔ کتاب الموسیقی
کتاب فلسفۃ افلاطون ارسطوطالیس۔ کتاب شرح العبارۃ لارسط
طالیس علی جہۃ التعلیق۔ کتاب الایقات۔ کتاب حرایت العلوم
کتاب الخطابۃ۔ کتاب المغالطین۔ جوامع لکتب المنطق رسال
نیل السعادات فصول المنتزعۃ الاخبار۔

ابو علی الحسین ابن عبداللہ ابن سینا۔ بخارا کے پاس افشین نام
ایک قصبہ میں پیدا ہوا۔ بخارا میں فلسفہ اور طب کی تعلیم پائی۔ اتنا
ذہین تھا کہ اسے استاد کی ضرورت نہ تھی جو کچھ پڑھتا تھا خود سمجھ لیتا تھا

مسلمان فلاسفہ میں اس کا پایہ سب سے بڑا سمجھا جاتا تھا۔ شیخ الرئیس کہلاتا تھا۔ کچھ عرصے تک وہ شمس الدولہ امیر ہمدان کا وزیر اور طبیب تھا شمس الدولہ کے مرنے کے بعد اسکے بیٹے نے اسے چھ مہینہ قید میں رکھا۔ قید سے چھوٹنے کے بعد وہ علاء الدولہ امیر اصفہان کے پاس چلا گیا۔ جب علاء الدولہ نے ہمدان فتح کیا تو بوعلی سینا ہمدان چلا آیا۔ وہیں ۴۲۸ھ میں ۵۸ برس کی عمر میں وفات پائی۔ اس کی کتابوں کی فہرست یہ ہے۔

کتاب المجموع۔ کتاب الحاصل والمحصول۔ کتاب البر والاثم۔ کتاب الشفا۔ کتاب القانون۔ کتاب الارصاد الکلیہ۔ کتاب الانصاف کتاب النجاۃ۔ کتاب الھدایہ۔ کتاب الاشارات۔ کتاب المختصر الاوسط کتاب العلائی۔ کتاب القولنج۔ کتاب لسان العرب۔ کتاب الادویہ القلبیہ۔ کتاب الموجز لبعض الحکمۃ المشرقیہ۔ کتاب بیان ذوات الجہات کتاب المعاد۔ کتاب المبدا والمعاد۔ کتاب المباحثات۔ رسالۃ

القضاء والقدر - الالة الرصدیة - غوجمن قاطیغوریاس - المنطق بالشعر
القصائد فی العظمة والحکمة - رسالة فی الحروف تعقب المواضع الجدلیة -
مختصر اقلیدس - مختصر النبض - الحدود والاجرام السماویہ - الاشارة الی
علم المنطق - اقسام الحکمة - النهایة واللانهایة - عہد حی بن یقظان -
رسالة فی ان العاد الجسم غیر ذاتیة - الکلام فی الهندبا - خطبة فی انه لا یجوز
ان یکون شیٔ واحد جوہرا وعرضا - خطبة فی ان علم زید غیر علم عمرو - اخوانیة -
سلطانیة - کتاب الحواشی علی القانون - کتاب عیون الحکمة - کتاب الشبکة
والطیر -

ان میں سے کتاب القانون اور کتاب الشفا بہت مشہور ہیں دونوں
کتابوں کا قرون متوسطہ میں یورپ میں بڑا چرچا رہا - سکالی گر کی رائے
ہے کہ بوعلی سینا طب میں جالینوس کے برابر اور فلسفہ میں اس سے
کہیں بڑھکر تھا -

ابن الہیثم اور البیرونی اگرچہ زیادہ مشہور نہیں ہیں مگر ایک لحاظ سے

ان کا درجہ کندی فارابی اور بوعلی سینا سے بھی زیادہ ہے۔ کیونکہ کندی فارابی اور بوعلی سینا باوجود اتنے فلاسفہ کبار ہونے کے متقلد تھے افلاطون وارسطو کو پیرو مرشد سمجھتے تھے۔ صوفی تھے الہیات کا خبط رکھتے تھے۔ اور عقل و سمع یعنی فلسفہ و مذہب کی تطبیق کیا کرتے تھے۔ برخلاف ان کے ابن الہیثم اور البیرونی نے تقلید کی زنجیروں کو توڑ ڈالا۔ فلسفہ اور مذہب کی تطبیق کو عبث خیال کیا۔ بالکل فلسفے کے ہو رہے۔ تصوف کو ڈھکوسلا سمجھا۔ الہیات کو فضول سمجھا ان کی توجہ طبیعات تک محدود رہی بالکل آج کل کے طبیعین کے مانند تھے۔ ابو علی محمد ابن الحسن ابن الہیثم بصرہ میں پیدا ہوا۔ اس کا خیال تھا کہ انسان کا کام صرف محسوسات کا جاننا ہے۔ ہیئت۔ ریاضی۔ ہندسہ وغیرہ میں یکتائے روزگار تھا اسنے دعویٰ کیا کہ علم ہندسہ کے زور سے دریائے نیل کے سیلاب کو روک سکتا ہوں۔ الحاکم خلیفہ مصر نے اس کا امتحان لینے کو اسے قاہرہ بلوایا اور بہت انعام دینے کا وعدہ کیا۔ مگر دریائے نیل کے سامنے اس کا

ہندسہ رکھار ہا۔ الحاکم کے خوف سے اُس کے مرنے تک روپوش رہا۔ سنہ ۴۳۰ھ میں وفات پائی۔ علم النور والبصر اس کی ایجاد ہے۔

ابوریحان محمد ابن احمد البیرونی بیرون میں جو خوارزم کے علاقہ میں ہے پیدا ہوا۔ ریاضی ہیئت جغرافیہ۔ تاریخ وغیرہ خوب جانتا تھا۔ بڑا سیاح تھا۔ چالیس برس سیاحت کرتا رہا۔ ہندوستان میں برسوں رہا سنسکرت سیکھتا رہا اور عربی سکھاتا رہا۔ ہندوؤں کے علوم و فنون و رسوم پر ایک ضخیم کتاب لکھی۔ ایک ہندو پنڈت کا یہ قول اُسے بہت پسند آیا ہمارے لیے ان چیزوں کا جاننا کافی ہے جن پر سورج کی روشنی پڑتی ہے۔ جن چیزوں پر سورج کی روشنی نہیں پڑتی انہیں ہم دیکھ نہیں سکتے جن چیزوں کو ہم دیکھ نہیں سکتے انہیں ہم محسوس نہیں کر سکتے جن چیزوں کو ہم محسوس نہیں کر سکتے انہیں ہم جان نہیں سکتے اور جن چیزوں کو ہم جان نہیں سکتے۔ ان کے جاننے کی کوشش بے سود ہے۔ خود بیرونی کا بھی یہی خیال تھا۔ آخر عمر میں سلطان محمود غزنوی اور

اور سلطان مسعود غزنوی کے دربار میں رہتا تھا۔ اپنی مشہور کتاب قانون مسعودی اسی سلطان کے عہد میں لکھی اور اسی کے نام منسوب کی سنہ ۴۴۰ھ میں ۷۵ برس کی عمر میں وفات پائی۔

فلسفے کا بڑا دشمن

جبکہ مسلمانوں میں ایسے ایسے فیلسوف پیدا ہو رہے تھے۔ غزالی کا ظہور ہوا اس نے بڑی شد و مد سے فلسفہ کی مخالفت کی اور اسے کفر قرار دیا اگر وہ معمولی ملا ہوتا تو زیادہ ہرج واقع نہ ہوتا جیسا کہ اور بہت سے ملاؤں کی مخالفت سے ہرج نہ ہوا تھا مگر مسلمانوں کی بدقسمتی سے غزالی ایک غیر معمولی ملا تھا۔ بہت ہی قابل تھا بلاد اسلامی میں ایشیا پور سے قرطبہ تک اس کا کوئی ثانی نہ تھا۔ اس کی بات کا بہت اثر تھا۔ اس کی رائے کی بڑی وقعت تھی۔ اس کی مخالفت سے فلسفہ کو بہت نقصان پہنچا لوگ فلسفے کو کفر سمجھنے لگے اور اس سے اجتناب کرنے لگے حکام

فلاسفہ کو کافر سمجھنے لگے۔ اور انپر ظلم کرنے لگے۔

غزالی کا ذکر اشعریت کے تحت میں آچکا ہے۔ اشعری نے اعتزال کی مخالفت کی۔ غزالی نے فلسفہ کی مخالفت کی۔ اشعری عقل کا دشمن تھا غزالی علم کا دشمن تھا یہ دو بزرگ اسلام کے بڑے دشمن تھے۔ اگر یہ اعتزال و فلسفہ کی مخالفت نکرتے تو مسلمانوں میں کئی ابن الہیثم کئی بیرونی کئی نیوٹن کئی ڈاروِن پیدا ہوتے۔ اگر یہ دو بزرگ پیدا نہوئے ہوتے تو اسلامی دنیا کی اُسوقت وہی حالت ہوگئی ہوتی جو آج کل یورپ کی ہے اور اگر وہی حالت قائم رہتی تو نہ معلوم اِسوقت مسلمان کہاں سے کہاں پہنچ گئے ہوتے اور دیگر اقوام سے کتنے آگے بڑھ گئے ہوتے

ابو حامد محمد بن محمد الغزالی ۴۵۰ھ میں طوس میں پیدا ہوا۔ بچپن میں یتیم ہوگیا تھا ایک صوفی نے اس کی تربیت کی۔ بڑا طباع اور ذہین تھا بیس برس کی عمر میں علم کلام کے ادق مسائل پر بحث کر سکتا تھا۔ طوس سے نیشاپور گیا اور امام الحرمین ابو المعالی الجوینی کے مکتب میں داخل ہوا

اور اس کے سب شاگردوں سے سبقت لے گیا۔ ۴۷۸ھ میں امام کے مرنے کے بعد وہ تلاش جاہ نظام الملک کے پاس گیا۔ نظام الملک علماء و فضلا کا بڑا مربی تھا۔ اس کا دربار بحث سے گرم رہتا تھا۔ غزالی وہاں بھی اپنی جودت طبع و خوبی تقریر کی بدولت سب سے نمبر لے گیا۔ نظام الملک نے خوش ہو کر اسے مدرسہ نظامیہ بغداد کا مدرس اعظم مقرر کیا۔ غزالی نے اس کام کو خوب انجام دیا۔ اور بڑا نام پیدا کیا۔ مگر بغداد چونکہ ملحدوں اور دہریوں سے بھرا ہوا تھا ان کے اثر سے اس کا ایمان جاتا رہا اور کچھ عرصے تک وہ وادی شک میں بھٹکتا رہا اس سے اسے روحانی تکلیف ہونے لگی اور وہ بڑی محنت سے تحقیق حق کرنے لگا۔ علم کلام کو پھر بغور پڑھا مگر اس سے اس کی تشفی نہ ہوئی۔ متکلمین قرآن و حدیث کو مان کر استدلال کرتے تھے وہ اس وقت قرآن و حدیث کا قائل ہی نہ تھا جو اس سے اس کی تشفی ہوتی۔ فلسفہ پڑھا مگر فلسفے سے بھی اس کی تسلی نہ ہوئی۔ فلسفہ قیاسات

کا مجموعہ ہے۔ اور وہ علم الیقین حاصل کرنا چاہتا تھا۔ آخر کار تصوف کی طرف
متوجہ ہوا۔ اور حارث المحاسبی جنید شبلی۔ ابو یزید بسطامی کی کتابیں
پڑہیں تصوف سے اسے اطمینان حاصل ہوا اور وہ صوفی ہو گیا۔ مگر صوفی
ہونے کے لیے صرف کتابوں کا پڑہنا کافی نہیں ریاضت بہی کرنی
چاہیے اور مدرسی کی حالت میں اس کے پاس اتنا وقت نہ تہا کہ ریاضت
کرتا ۴۸۸ھ میں مدرسی گھر بار اہل و عیال کو چھوڑ کر بغداد سے نکل پڑا
دو برس دمشق میں رہا اور جامع اموی میں ریاضت کرتا رہا وہاں سے
بیت المقدس بیت المقدس سے مقام خلیل مقام خلیل سے مکہ اور
مدینہ مدینہ سے مصر گیا۔ اسی طرح کامل دس برس بلاد اسلامی میں گھومتا
رہا اور ریاضت کرتا رہا ۴۹۸ھ میں اپنے وطن آیا اور گوشہ نشین ہو جانے
کا مصمم ارادہ کر لیا لیکن وطن آئے ہوئے اسے ابہی ایک برس بہی
نہ ہوا تھا کہ نظام الملک کے بیٹے فخر الملک نے اسے مدرسہ نظامیہ
نیشاپور کی مدرسی منظور کرنے پر مجبور کیا۔ ۵۰۰ھ میں جب فخر الملک

مار گیا تو غزالی نے استعفا دیدیا اور پھر گوشہ نشین ہو گیا۔ اپنے مکان کے قریب ایک خانقاہ بنوائی اور وہیں ریاضت کیا کرتا تھا۔ اس اثنا میں مدرسہ نظامیہ بغداد کی مدرسی خالی ہوئی۔ غزالی سے درخواست کی گئی کہ آپ منظور کر لیجئے مگر اس نے انکار کر دیا۔ لوگوں نے اس کی بڑی خوشامد کی اور کہا آپ یہ کیا غضب کرتے ہیں: آپ اسلام کی حجت اور مسلمانوں کے فخر ہیں۔ آپ اگر بغداد میں رہیں گے اور مدرسی کرینگے تو کتنے مسلمانوں کو فائدہ پہنچے گا۔ بغداد دارالخلافہ ہی دارالعلم ہے مناسب ہی کہ آپ وہاں چلکر رہیں بغداد آپ کے لائق ہی آپ بغداد کے لائق ہیں اس گمنام گاؤں میں آپ کیوں وقت ضائع کر رہی ہیں جیسا کہ جنگل میں پھول کی خوشبو ضائع جاتی ہی ایسا ہی یہاں آپکی قابلیت رائگاں ہو رہی ہی۔ مگر غزالی پر تصوف کا جادو چل چکا تھا وہ اس کے دم میں آچکا تھا۔ اسکے دام میں پھنس چکا تھا تحقیق حق اور حصول علم کا شوق تجسس کی دھن تفتیش کا مادہ۔ دماغی بےچینی

روحانی بیتابی وغیرہ جتنی باتیں صوفی ہونے سے پہلے اس میں تھیں اب سب ندارد تھیں وہ ایک قسم کی خودکشی کر چکا تھا۔ سنتا کون تھا بغداد نہ گیا۔ اسی خانقاہ کے کونے میں لکڑی کی طرح بیٹھا رہا۔ ۵۰۵ھ میں وفات پائی۔

غزالی نے دو برس فلسفہ پڑھا ایک برس اس پر اور غور کیا۔ اسکے بعد دو کتابیں لکھیں ایک میں فلاسفہ کے مقاصد بیان کیے دوسری میں انکا ابطال کیا۔ پہلی کتاب کا نام مقاصد الفلاسفہ ہے۔ دوسری کا نام تہافۃ الفلاسفہ ہے۔ مقاصد الفلاسفہ میں لکھا ہے کہ یونانی فلاسفہ تین قسم کے تھے۔ مادیین۔ طبیعین۔ الٰہیین۔ مادیین کا خیال تھا کہ دنیا ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہیگی مرغی انڈے سے اور انڈا مرغی سے ازل سے پیدا ہوتا آیا ہے اور ابد تک پیدا ہوتا رہے گا۔ دنیا کو کسی نے نہیں پیدا کیا ان فلاسفہ کو ملحد اور کافر کہنا چاہیئے۔ طبیعین عالم کی ساخت پر غور کرتے تھے اور اس میں جو صنعت ترتیب اور نظام ہے اس سے متحیر ہو کر

نتیجہ نکالتے تھے کہ عالم کا خالق کوئی ہے لیکن وہ قیامت کے منکر تھے وہ کہتے تھے کہ یہ ایک قانون قدرت ہے کہ مردہ شے زندہ نہیں ہو سکتی اس لیے حشر خلاف عقل ہے۔ مرنے کے بعد باز پرس نہ ہوگی۔ اس لیے انسان جب تک زندہ ہے عیش و عشرت کرے۔ ان لوگوں کو بھی کافر اور ملحد کہنا چاہیئے کیونکہ اگرچہ وہ خالق کے قائل ہیں مگر رسالت اور قیامت کے منکر ہیں۔ الہیین مادیین اور طبعیین سے اچھے تھے کیونکہ وہ خدا کے قائل تھے بقائے روح کے قائل تھے۔ مگر وہ بھی کافر تھے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ دنیا قدیم ہے قیامت کے روز حشر اجساد نہ ہوگا۔ خدا جزئیات سے بے خبر ہے سقراط۔ افلاطون اور ارسطو الہیین تھے۔ فارابی اور بو علی سینا جو ان کے متعقد تھے وہ بھی الہیین اور کافر تھے

تہافۃ الفلاسفہ میں غزالی نے فلاسفہ کے بیس مسئلوں پر بحث کی ہے

۱۔ فلاسفہ کا یہ دعویٰ ہے کہ عالم ازلی ہے غلط ہے

۲۔ فلاسفہ کا یہ دعویٰ کہ عالم ابدی ہے غلط ہے

۳۔ فلاسفہ خدا کو صانع عالم ثابت نہیں کر سکتے۔

۴۔ فلاسفہ خدا کا وجود ثابت نہیں کر سکتے

۵۔ فلاسفہ خدا کی توحید ثابت نہیں کر سکتے

۶۔ فلاسفہ جو صفات الٰہی کے منکر ہیں یہ ان کی غلطی ہے۔

۷۔ فلاسفہ کا یہ قول کہ خدا کی جنس و فصل نہیں غلط ہے۔

۸۔ فلاسفہ ثابت نہیں کر سکتے کہ خدا کی ذات بسیط محض بلا ماہیت ہے

۹۔ فلاسفہ ثابت نہیں کر سکتے کہ خدا کا جسم نہیں

۱۰۔ فلاسفہ کو دہریہ ہونا لازم ہے۔

۱۱۔ فلاسفہ ثابت نہیں کر سکتے کہ خدا اپنے سوا کسی اور کو جان سکتا ہے۔

۱۲ فلاسفہ ثابت نہیں کر سکتے کہ خدا اپنی ذات کو جانتا ہے۔

۱۳ فلاسفہ کا یہ دعویٰ کہ خدا جزئیات کو نہیں جانتا غلط ہے۔

۱۴۔ فلاسفہ کا یہ دعوی کہ آسمان حیوان متحرک بالارادہ ہے غلط ہے

۱۵۔ فلاسفہ نے آسمان کی حرکت کی جو غرض بیان کی ہے وہ غلط ہے۔

۱۶۔ فلاسفہ کا یہ خیال کہ آسمان تمام جزئیات کے عالم ہیں غلط ہے

۱۷۔ فلاسفہ جو خرق عادات کا انکار کرتے ہیں یہ ان کی غلطی ہے

۱۸۔ فلاسفہ ثابت نہیں کر سکتے کہ خدا ایک جوہر ہے جو نہ جسم ہے نہ عرض

۱۹۔ فلاسفہ ثابت نہیں کر سکتے کہ روح ابدی ہے۔

۲۰۔ فلاسفہ جو قیامت اور حشر اجساد کے منکر ہیں یہ ان کی غلطی ہے۔

غزالی ان بیس مسئلوں میں سے سترہ مسئلوں کو بہت اہم نہیں سمجھتا تھا اور کہتا تھا کہ ان کے ماننے نہ ماننے پر ایمان و کفر کا دارو مدار نہیں ہے جن تین مسئلوں کو وہ بہت اہم سمجھتا تھا وہ یہ ہیں۔

۱۔ عالم قدیم ہے

۲۔ خدا جزئیات سے بے خبر ہے۔

۳۔ حشر اجساد نہ ہوگا۔

ان مسئلوں کا اس نے اسطرح ابطال کیا۔ قولہ۔ فلاسفہ مانتے ہیں کہ عالم محدود ہے یعنی بلحاظ مکان کے محدود ہے۔ جب عالم بلحاظ مکان کے محدود ہے تو ضروری ہے کہ بلحاظ زمان کے بھی محدود ہو یعنی حادث ہو قدیم نہ ہو کیونکہ مکان و زمان اشیاء کے دو اعتبارات ہیں جو ان کے ساتھ ہمیشہ وابستہ ہیں۔ دونوں لازم و ملزوم ہیں دونوں کا مفہوم دراصل ایک ہی مکان زمان ہے اور زمان مکان ہے۔ نیز جیسا کہ عالم بلحاظ مکان و زمان کے محدود ہے ویسا ہی وہ بلحاظ اسباب کے محدود ہے یعنی سلسلہ اسباب غیر متناہی نہیں متناہی ہے خدا مسبب الاسباب ہے خدا اس سلسلہ اسباب ہی خدا اسباب کا سلسلہ جنبال ہے خدا کی بڑی صفت علم ہے اس لیے وہ اس سلسلے کے ہر حلقے سے واقف ہے

یعنی جزئیات سے باخبر ہی فلاسفہ کا یہ کہنا کہ حشر اجساد خلاف عقل ہے بجائے خود خلاف عقل ہے۔ حشر میں اجساد اور ارواح دونوں کی ایک ہی حالت ہو گی کیونکہ جب کوئی شخص گناہ کرتا ہے تو اس کا جسم اور اس کی روح دونوں لذت اٹھاتے ہیں پس یہ انصاف کے خلاف ہے کہ قیامت کے روز ارواح تو سزا و جزا پائیں اور اجساد نہ پائیں۔ حشر خلاف عقل نہیں جب خدا دنیا کو نیست سے ہست کر سکا تو کیا وہ قیامت کے روز ارواح کو ان کا دنیوی لباس نہیں پہنا سکتا۔

صاحب بینش جان سکتے ہیں کہ غزالی نے جو ان مسئلوں کا ابطال کیا چنداں بڑا کام نہیں کیا۔ کیونکہ یہ مسئلے سب الہیات کے ہیں یعنی قیاسات اور احتمالات ہیں۔ اور قیاسات اور احتمالات کا ابطال کچھ مشکل نہیں نہ فلاسفہ قیاسات کو دیکھ آئے تھے نہ غزالی اسے دیکھ آیا تھا دونوں کے دعوے بے ثبوت تھے۔ خیالی ڈھکوسلے تھے تجربے اور مشاہدے پر نہ فلاسفہ کے قیاسات مبنی تھے نہ غزالی کے

جواہات قائم تھے۔

نہ اس ابطال سے زیادہ ہرج واقع ہوا۔ کیونکہ جو لوگ علم میں راسخ ہیں وہ الہیات کی طرف متعلق توجہ نہیں کرتے انہیں صرف محسوسات سے کام ہی اگر غزالی نے ثابت کر لیا کہ حشر اجساد ضرور ہوگا تو کسی کا کیا بگڑ گیا مگر اس نے اپنی مخالفت صرف الہیات تک محدود نہ رکھی۔ طبیعات ریاضیات وغیرہ تمام علوم کی مخالفت کی۔ اس سے مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچا۔ علوم ریاضی کی نسبت اس کا قول تھا کہ اگرچہ ان کو مذہب سے کچھ تعلق نہیں پھر ہی ان کا حاصل کرنا کفر ہی۔ ایک تو اسلیئے کہ یہ علوم فلسفہ کی تمہید ہیں اور فلسفہ کفر ہے دوسرے اس لیے کہ ریاضی پڑھ کر انسان ہر بات میں تعمد و ضبط چاہتا ہے چنانچہ مذہب میں بھی یہ خاصیتیں چاہتا ہے اور جب اس میں نہیں پاتا تو مذہب کو ذلیل سمجھنے لگتا ہے۔ نیز جب محدثین اور فقہا مذہب کے جوش میں علوم ریاضی کے مسلم الثبوت مسائل کا انکار کرتے ہین تو وہ انکی

جہالت پر ہنستا ہے اور کہتا ہے کہ جس مذہب کے پیرو ایسے جاہل ہوں وہ مذہب ضرور غلط ہوگا۔ اسلیے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ جہلا جب دیکھتے ہیں کہ اتنا قابل آدمی کافر ہے تو وہ بھی مذہب کو ذلیل سمجھنے لگتے ہیں اور کافر ہو جاتے ہیں۔ طبیعات کے بارے میں غزالی کہتا تھا کہ انہیں طب سے علاقہ ہے اور جب طب کا حاصل کرنا جائز ہے تو انکا حاصل کرنا بھی جائز ہے لیکن انکے حاصل کرنے سے بھی انسان کافر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ سمجھنے لگتا ہے کہ اشیا میں خصیتیں موجود ہیں جن کی وجہ سے انہیں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے خدا کو اس میں دخل نہیں۔ غرض غزالی تمام علوم عقلیہ کو یا مضر سمجھتا تھا یا فضول سمجھتا تھا صرف علوم مذہبی کو ضروری خیال کرتا تھا۔

اس مخالفت کا نتیجہ یہ ہوا کہ فلاسفہ پر ظلم ہونے لگا۔ خلیفہ مستنجید (۵۵۵ - ۵۶۶) کے عہد میں بو علی سینا اور ابن الہیثم کی کتابیں اور اخوان الصفا کے رسائے جلائے گئے۔ لوگوں کو علوم عقلیہ سے

عموماً اور فلسفہ سے خصوصاً نفرت پیدا ہوگئی اب وہ بجائے مو...
پر غور کرنے، ماہیت اشیاء دریافت کرنے اور جمع ... زادگی بونے...
لکھنے کے حاشیے اور حاشیوں پر حاشیے لکھنے لگے۔ اس سے ا...
دماغی ترقی موقوف ہوگئی دماغی ترقی کے موقوف ہونے سے ان کی ...
ترقی موقوف ہوگئی اور اسلام کا زوال شروع ہوگیا جو اب تک جاری ...
اس زوال کا باعث غزالی ہے۔ تہافۃ الفلاسفہ تہافۃ الاسلام ...
ہوئی۔ غزالی کو بجائے حجت الاسلام کے تہافۃ الاسلام کا لقب
ملنا چاہیئے تھا۔ ۶۵۶ھ میں خدا نے مسلمانوں پر ہلاکو خاں کو نازل کی...
گویا غزالی ان کی ہلاکت کے لیے کافی نہ تھا۔ ہلاکو خان اور غزالی د...
تہافۃ الاسلام تھے۔ ہلاکو خاں نے ظاہری اسلام کی تہافت کی غزالی ...
معنوی اسلام کی تہافت کی۔ ہلاکو خاں ظاہری اسلام کا غزالی تھا۔ غز...
معنوی اسلام کا ہلاکو خاں تھا۔

اندلس کے فلاسفہ

اندلس منجملہ اور باتوں کے علوم و فنون میں عراق کا خوشہ چیں تھا
وہاں کتابیں عراق سے منگوائی جاتی تھیں معلم عراق سے جاتے تھے
شاگرد عراق کو جاتے تھے۔ جو کتابیں عراق میں پرانی سمجھی جاتی تھیں۔ جو
خیالات عراق میں متروک خیال کئے جاتے تھے وہ اندلس میں تازہ
خیال کیے جاتے تھے۔ اس لیے جب عراق میں علوم و فنون کا
عروج تھا اندلس میں انکا آغاز تھا اور جب عراق میں ان کا زوال تھا
اندلس میں انکا عروج تھا۔

الحکم ثانی (۳۶۶-۳۵۰) کا عہد علوم و فنون کا زمانہ عروج تھا
اندلس میں بے شمار مدرسے اور کتب خانے تھے دار الخلافہ قرطبہ میں
ایک عظیم الشان دار العلوم تھا۔ الحکم کے کتب خانہ میں ۴ لاکھ کتابیں
تھیں۔ باوجود اس کے وہاں اعتزال و فلسفہ کا چرچا نہ تھا۔ وہاں

وہاں بہ نسبت عراق کے جہلا زیادہ جاہل علما زیادہ متعصب اور خلفا زیادہ تنگ خیال اور ظالم تھے۔ عبدالرحمن ثالث (۳۰۰-۳۵۰) کے عہد میں جب عبداللہ ابن مصارا فلسفہ کی کتابیں عراق سے وہاں لے گیا تو سب کی سب جلا دی گئیں جب تک بنو امیہ زبردست تھے اعتزال و فلسفہ کی دال نہ گلنے پائی پانچویں صدی میں جب وہ کمزور ہو گئے اور طوائف الملوکی کا زمانہ آیا تو اعتزال و فلسفہ کا کچھ کچھ چرچا ہو چلا فارابی اور بوعلی سینا کی کتابیں اور اخوان الصفا کے رسالے پڑھے جانے لگے اور معتزلہ اور فلاسفہ خال خال دکھائی دینے لگے۔ عراق میں معتزلہ تختوں سے شہر میں ہل چل ڈال دیتے تھے۔ اندلس میں ان کے منہ پر مہر سکوت لگی رہتی تھی۔ عراق میں فلاسفہ کے ہاں شب و روز گردو جمگھٹا لگا رہتا تھا۔ اندلس میں وہ الوؤں کی طرح اکیلے رہتے تھے صرف موحدین کے زمانہ میں (۵۲۴-۶۶۷) جو روشن خیال سلاطین تھے وہ ذرا ابھرے۔ ابن باجہ۔ ابن طفیل ابن رشد اندلس کے

بڑے فلاسفہ تھے۔

ابوبکر ابن یحییٰ ابن الصائغ ابن الباجہ سارا گوسا میں پیدا ہوا۔ ریاضی ہیئت۔ موسیقی اور منطق میں طاق تھا۔ ۷۹ء میں جب مرابطہ نے جو مسلم وحشی بربر تھے اندلس فتح کیا تو فلاسفہ پر سختی کرنے لگے لیکن ابن باجہ کی خوش قسمتی کہ ابوبکر بن ابراہیم ایک مربوط ابن پر مہربان ہوگیا اور اسے اپنے ساتھ مراکش لیگیا۔ ۵۳۳ھ میں وہیں وفات پائی بموجب ایک روایت کے شاہی طبیب نے مارے حسد کے اسے زہر کھلا کر مار ڈالا۔ ابن باجہ بہت عزلت پسند تھا۔ اس کے خیالات فارابی سے ملتے جلتے ہیں۔ ایک قسم کا صوفی تھا۔ قولہ۔ انسان میں سب سے عمدہ قوت عقل ہے۔ کیونکہ خدا خود عقل ہے۔ عقل انسانی خدا کا ٹکڑا ہے۔ اور ہمیشہ چاہتی ہے کہ خدا سے اس کا وصل ہو جائے۔ وصل و جد سے میسر نہیں ہو سکتا تفکر سے ممکن ہے۔ سوچنے اور غور کرنے اور عاقلانہ زندگی بسر کرنے سے عقل بڑھتی ہے بڑھتے بڑھتے اتنی بڑھ جاتی ہے کہ

خدا سے مل جاتی ہی یعنی معرفت کاملہ اسے حاصل ہو جاتی ہی۔ چونکہ
انسان لوگوں میں رہ کر خاطر خواہ تفکر نہیں کر سکتا اور عاقلانہ زندگی
بسر نہیں کر سکتا اس لیے چاہیئے کہ وہ تنہائی میں رہی یا چند عقل پرست
فلاسفہ لوگوں سے الگ شہر سے دور باہم ملکر رہیں۔ خوب گذریگی
جو مل بیٹھیں گے فرزانے چند۔ ایسے لوگوں کو نہ قاضی کی ضرورت
ہو گی کیونکہ ان میں کبھی دنگہ فساد نہو گا۔ نہ انہیں طبیب کی ضرورت ہو گی
کیونکہ وہ کبھی بیمار نہ پڑیں گے۔ وہ جنگل کے پھولوں اور درختوں کے
مانند ہوں گے جن کی نیچر خود خبر گیری کرتی ہے۔ وہ نیچر کے ساتھ
ملکر نیچر ہو جائیں گے۔ وہ پکے نیچری ہو جائیں گے۔

ابو بکر محمد ابن عبد الملک ابن طفیل القیسی سلطان ابو یعقوب
موحد (۵۰۰-۵۵۸) کا وزیر اور طبیب تھا۔ ابن باجہ کی طرح عزلت
پسند تھا اور لوگوں سے الگ۔ کتابوں کے ساتھ رہتا تھا۔ لکھتا
کم تھا سوچتا زیادہ تھا ۵۸۱ھ میں وفات پائی۔ ابن باجہ کہتا تھا

انسان تفکر سے خدا تک پہنچ سکتا ہے۔ ابن طفیل کہتا تھا کہ انسان وجد سے خدا تک پہنچ سکتا ہے۔ ابن طفیل اور صوفیوں میں یہہ فرق ہے کہ ابن طفیل وجد کے عالم میں عقل فعال کو دیکھتا تھا صوفی وجد کے عالم میں خدا کو دیکھا کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تصوف خالی دہوکا ہے جس شخص کے دل میں جو چیز ہوتی ہے اسی کو وہ وجد میں دیکھتا ہے۔ جس خدا کو صوفی دیکھا کرتے ہیں وہ اصلی خدا نہیں ہوتا بلکہ وہ خدا ہوتا ہے جو ان کے خیال میں ہوتا ہے وہ خدا خود انہیں کی مخلوق ہوتا ہے۔ ابن طفیل نے "حیّ ابن یقظان" نامی ایک قصہ لکہا جس میں اس نے ایک نہایت قشنگ اور لغز پیرائے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ یہ کتاب یورپ میں بہت مشہور ہے اور وہاں کی اکثر زبانوں میں اس کا ترجمہ ہوگیا ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ ہندوستان میں یہہ اسقدر گمنام ہے اور اب تک اردو میں اس کا ترجمہ نہیں ہوا وہ قصہ یہ ہے۔

ایک تھا بادشاہ۔ اس کی ایک بہن تہی جس کی وہ شادی نہیں کرتا تھا

کیونکہ اسے اپنا کفو نہیں ملتا تھا۔ شاہزادی نے خودکسی سے خفیہ طور سے
شادی کر لی۔ حی ابن یقظان اس شادی کا نتیجہ تھا۔ جب وہ پیدا ہوا
تو ماں نے اسے صندوق میں بند کر کے خفیہ سمندر میں بہا دیا۔ سمندر نے اسے
ایک غیر آباد جزیرے کے ساحل پر پھینکدیا۔ حی صندوق میں پڑا ہوا بھوک
کے مارے رو رہا تھا کہ وہاں سے ایک ہرنی کا گذر ہوا۔ حی کے
رونے کی آواز سن کر صندوق کے پاس آئی۔ اسے سموں سے کھولا
حی کو دودھ پلایا اور اسے گویا اپنا بچہ سمجھکر پالنے لگی۔ ایک سایہ دار
درخت کے نیچے گھنی جھاڑی میں اس کے لیے جگہ بنائی۔ صبح شام
وہاں آتی تھی اور اسے دودھ پلاتی تھی جب حی چلنے کے قابل ہوا
تو ہرنی اسے اپنے ساتھ چراگاہوں لے جاتی تھی۔ خود گھاس چرتی تھی
اسے پھل کھلاتی تھی چراگاہوں میں بہت سے ہرن اور ہرنیاں اپنے
بچوں سمیت چرنے آتی تھیں۔ حی ہرنیوں کے بچون کے ساتھ کھیلا
کودا کرتا تھا جب تقریباً سات برس کا ہوا تو ہرنی بڈھی ہوگئی اب حی

اسے چراگاہوں کو لے جاتا تھا۔ کبھو پڑتی تھی تو اسے اٹھاتا تھا اور بیل توڑ توڑ کے اسے کھلاتا تھا آخر کار ہرنی مر گئی حی کو بہت قلق ہوا۔ اس کے پاس بیٹھا ہوا پھروں روتا رہا اور اسے چھوڑنے کو اس کا جی نہ چاہتا تھا مگر جب لاش میں تعفن پیدا ہو گیا تو اسے اس سے نفرت ہو گئی۔ ایک روز دیکھا کہ دو پرندے لڑ رہے ہیں ایک نے دوسرے کو مار ڈالا اور اپنی چونچ اور پنجوں سے چھوٹا سا گڑھا کھود کر اس میں اسے ڈال دیا اور اس پر مٹی ڈالدی حی نے سوچا کہ مجھے بھی اپنی ماں کی لاش کو اسی طرح دفن کرنا چاہیئے تھا چنانچہ اسے دفن کیا۔

جب چودہ برس کا ہوا تو جانوروں کی دیکھا دیکھی ایک غار کھودا۔ اور اسے گھاس پھوس پروں اور پتوں سے سجایا۔ بدن پتوں سے ڈھانکا کرتا تھا مگر پتے جلدی سوکھ جاتے تھے ایک روز ایک مرا ہوا عقاب پڑا پایا جھٹ اس کی کھال کھینچ کر پہن لی اور اسکے پروں کی صدری بنائی۔ دیکھا کہ اکثر جانوروں کے ناخن اور دانت بہت تیز ہیں

اور ہیں ان کے مقابلے میں کچھ ہی نہیں ایک مضبوط لٹھ توڑ کر انکا مقابلہ
کرنے لگا۔ جب وہ عقاب کی کھال کی جانگیا اور اسکے پروں کی
صدری پہنکر اور وہ مضبوط لٹھ کاندھے پر رکھکر غار سے باہر نکلتا تھا
تو اس کے خوف سے جزیرے میں تہلکہ مچ جاتا تھا اور شیر ناپید
ہو جاتے تھے۔

جب وہ اکیس برس کا ہوا تو اس میں سوچ کا مادہ اور بڑھا۔ بجائے
عقاب کی کھال کے اب وہ چوپایوں کی کھال پہنتا تھا۔ بجائے موٹے
لٹھ کے اب اس کے پاس ایک تیز نکیلی شمشیر نما لکڑی تھی بجائے پیدل
شکار کھیلنے کے اب وہ گھوڑے پر چڑھ کر شکار کھیلتا تھا۔ ایک دن دیکھا
کہ جنگل میں آگ لگی ہے، یہ نظارہ اس نے اب تک نہ دیکھا تھا۔ حیرت
زدہ ہو کر گھنٹوں اسے دیکھتا رہا۔ آخر ایک جلتی ہوئی شاخ اپنی غار میں
لے آیا اور اسے دیکھ کے خوش ہوتا تھا۔ جاڑے کا موسم تھا غار گرم ہو گیا
اسے آرام محسوس ہونے لگا۔ آگ میں پتے ڈالتا تھا وہ اور تیز

تی تھی اس کا دل اور خوش ہوتا تھا۔ ایک کچی مچھلی اس کے پاس تھی
ٹی تھی وہ آگ میں ڈالی۔ جب وہ جلنے لگی تو اس سے خوشبو آنے
ی وہ خوشبو جی کو بہت بھائی۔ مچھلی کو آگ سے نکال لیا۔ کھایا تو مزا
یا۔ چکھا تو یاد رکھا۔ آگ کی قدر جانی۔ اب وہ ہمیشہ اس کے غار میں رہتی
ی۔ اب وہ ہمیشہ بھون کر گوشت کھاتا تھا۔

جب وہ اٹھائیس برس کا ہوا تو اسکا تفکر اور بڑھا۔ اور وہ چیزوں کی ماہیت پر غور کرنے لگا۔ دیکھا کہ ان کی تین قسمیں ہیں حیوانات نباتات۔ جمادات پھر دیکھا کہ اختلاف کے ساتھ ان میں مشابہت بھی ہے۔ مثلاً پیدائش نشو ونما اور فنا میں وہ ایک دوسرے سے مشابہ ہیں۔ پھر دیکھا کہ سب اشیا در اصل ایک ہیں۔ کیونکہ آگ کا اثر یکساں اثر ہوتا ہے جل کر سب راکھ اور دھواں بن جاتی ہیں یعنی سمجھ گیا کہ دنیا شے واحد ہے۔ پھر سوچا کہ آیا یہ خود بخود خلق ہوئی یا کسی نے اسے خلق کیا کسی چیز کا خود بخود خلق ہو جانا اس کی

سمجھ میں نہیں آتا تھا اس لیے سمجھا کہ کسی نے اسکو خلق کیا ہے۔ پھر
سوچا کہ فنا مخلوق شے کا خاصہ ہے خالق فانی نہیں ہو سکتا نیز ہر مخلوق
اور فانی شے مجسم ہوتی ہے خدا خالق اور غیر فانی ہے اس لیے مجسم نہیں ہو سکتا
نیز ہر مجسم شے دکھائی دیتی ہے خدا مجسم نہیں اس لیے خدا دکھائی نہیں
دیسکتا۔ دیگر حواس سے بھی محسوس نہیں ہو سکتا۔ پھر سوچا کہ زندہ
اشیاء میں ایک شے ہوتی ہے جو مرنے کے بعد ان میں نہیں رہتی
وہ بھی دکھائی نہیں دیتی وہ بھی غیر فانی ہوگی اس سے اور خدا سے
ضرور کچھ علاقہ ہوگا۔ اور اگر خدا دکھائی دیسکتا ہے تو اسی شے کے
ذریعہ سے دکھائی دیسکتا ہے اب اسے خدا کے دیکھنے اور جاننے
کی دھن ہوئی۔ دن رات اسے اس کا خیال رہتا تھا۔ آنکھیں بند
کرکے اسے دیکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ اور کبھی کبھی اس کی جھلک
دیکھ لیتا تھا۔ اس سے اس کا شوق اور بڑھا پھر وہ غار میں آنکھیں
بند کیے بیٹھا رہتا تھا۔ برسوں اس کا یہی حال رہا۔ یہاں تک کہ

جب اس کی عمر پچاس برس کی ہوئی تو سب پردے اس کے سامنے سے ہٹ گئے سب اسرار اسے معلوم ہو گئے اور وہ خدا کو دیکھنے لگا جیسا کہ کوئی چودہویں رات کے چاند کو دیکھتا ہے۔

حیؔ کے جزیرے کے پاس ایک اور جزیرہ تھا جو آباد تھا وہاں اصل نام ایک بڑا فیلسوف رہتا تھا اگرچہ اس سے اور وہاں کے بادشاہ سلمان سے بڑی دوستی تھی اور اس پر کوئی ظلم نہیں کر سکتا تھا مگر آبادی میں اس کا جی گھبراتا تھا اور خاطر خواہ ریاضت نہیں کر سکتا تھا اسلئے سلمانؔ کا جزیرہ چھوڑ کر حیؔ کے جزیرے میں جا کر رہا۔ ایک روز جنگل میں حیؔ سے دوچار ہوا۔ سمجھا کہ کوئی خوفناک جانور ہے مارے خوف کے اپنے صومعے کی طرف بھاگا۔ حی نے جو اپنا ہم صورت جانور دور سے دیکھا چاہا کہ نزدیک سے دیکھے اسکا تعاقب کیا۔ اصلؔ ہر چند تیزی سے بھاگ رہا تھا اور جان کا خوف اس کے لیے تازیانے کا کام کر رہا تھا مگر حیؔ ہرنی کا دودھ پی چکا تھا اور ہرنیوں کے بچوں کے

ساتھ کھیل چکا تھا اس نے بہت جلد اصل کو پکڑ لیا۔ ادھر اصل نے
اسے رام کرنے کے لیے چمکارا پچکارا اس کا سر تھپکا اور اس کی پیٹھ
پر ہاتھ پھیرا۔ اُدھر حی نے اصل کا خوف دفع کرنے کے لیے بہت سے
اشارے اور غمزے کئے آخر کار دل نے دل کو سمجھ لیا اور ان میں دوستی
ہوگئی اصل اسے اپنے صومعے میں لے آیا اور کھانا کھلایا۔ اس کے
بعد وہ دونوں ساتھ رہنے لگے۔ اصل نے اسے عربی سکھائی اور جب
وہ بات چیت کرنے لگا تو اس سے اس کا حال پوچھا۔ حی نے
اسے اپنا سارا قصہ سنایا اور جب وہ اسرار بیان کیے جو غار میں آنکھیں
بند کر کے اس نے معلوم کیے تھے تو اصل اس کے قدموں پر گر پڑا
اور کہنے لگا کہ معرفت کے جس درجے پر آپ اکیلے بغیر کسی تائید
کے پہنچے ہیں میں اب تک باوجود سمع کی مدد کے نہیں پہنچا۔ اس دن
سے وہ حی کی اتنی عزت کرتا تھا جیسا کہ ایک مرید اپنے پیر کی عزت کرتا ہے
ایک روز حی نے اصل سے اس کا حال پوچھا اصل نے سلمان کے

جزیرے اور اس کے باشندوں کی کیفیت بیان کی اور کہا کہ وہ دنیاوی کاروبار میں اسقدر منہمک ہیں کہ معارف سے محض جاہل ہیں اور نہ صرف جاہل ہیں بلکہ ان سے نفرت کرتے ہیں۔ حی کے جی میں آیا کہ وہاں جاکر لوگوں کو سمجھاؤں اور ان کے سامنے معارف کی خوشبیاں اور لذتیں بیان کروں چنانچہ وہ اور اسال سلمان کے جزیرے میں گئے۔ اسال نے لوگوں سے کہا کہ حی بڑا صوفی اور ولی ہے۔ لوگ اس پر ٹوٹ پڑے۔ مگر جب حی نے انہیں تارک الدنیا ہونے کو کہا تو وہ اسے خبطی سمجھنے لگے اور اس سے نفرت کرنے لگے آخر کار حی اور اسال مایوس اور شکستہ دل ہوکر اپنے جزیرے کو واپس چلے گئے۔ اور وہیں مرے۔ ابن طفیل کو اس قصے سے اول یہ دکھانا منظور تھا کہ انسان بغیر سمع کی تائید کے عقل اور فکر مشاہدے اور تجربے سے ماہیت اشیاء دریافت کر سکتا ہے دوم یہ کہ فلسفہ اور تصوف جہلا اور عوام الناس کے لیے مناسب نہیں۔

ابو ولید محمد ابن احمد ابن محمد ابن رشد فقیہ طبیب اور فیلسوف تھا۔
سنہ ۵۲۰ھ میں قرطبہ میں پیدا ہوا۔ آبا و اجداد اُسکے قاضی تھے قرطبہ میں تعلیم
پائی ۵۴۸ھ میں ابن طفیل نے اسے ابو یعقوب موحد (۵۵۸-۵۸۰)
سے ملایا۔ پہلی ملاقات میں ابو یعقوب نے ابن رشد سے پوچھا کہ فلاسفہ
کی رائے میں آسمان قدیم ہیں یا مخلوق۔ ابن رشد نے احتیاطاً جواب
دیا کہ میں فلسفہ اچھی طرح نہیں جانتا۔ اس کے بعد ابو یعقوب ابن طفیل
سے فلسفہ پر گفتگو کرنے لگا۔ ابن رشد کو معلوم ہوا کہ وہ سب یونانی
اور مسلمان فلاسفہ کے خیالات سے واقف ہے۔ اس نے بھی جرات
کر کے گفتگو میں حصہ لیا۔ ابو یعقوب اس کی قابلیت سے بہت خوش
اور متاثر ہوا اور اسے قرطبہ کا قاضی مقرر کرایا ۵۷۸ میں اسے اپنا
طبیب مقرر کیا۔ ابو یعقوب کے بعد اس کا بیٹا ابو یوسف سلطان ہوا
اس نے ابن رشد کو پھر قرطبہ کا قاضی مقرر کیا۔ لیکن چند سال کے
بعد علما کے کہنے سے اسے معزول کر کے قرطبہ سے نکال دیا۔

جب علما کا غصہ کم ہوا تو اسے معاف کر کے اپنے پاس مراکش بلا لیا۔ ابن رشد نے ۵۹۵ھ میں وہیں وفات پائی۔ ابن رشد خاتم الفلاسفہ اور اکبر الحکما تھا۔ ارسطو کو جیسا وہ سمجھا مسلمان فلاسفہ میں سے کوئی نہ سمجھا۔ فارابی۔ بو علی سینا۔ ابن باجہ۔ ابن طفیل ارسطو کو صوفی سمجھتے تھے اور خود بھی صوفی تھے۔ ابن رشد نے اپنے تئیں اس مغالطے سے بچا لیا۔ وہ تصوف اور وجد کو مہمل سمجھتا تھا۔ ابن باجہ اور ابن طفیل تنہائی پسند تھے۔ ابن رشد لوگوں میں رہنا پسند کرتا تھا اور تنہائی کو نہایت مضر خیال کرتا تھا۔ غزالی کی تہافۃ الفلاسفہ کے جواب میں تہافۃ التہافۃ الفلاسفہ نام ایک کتاب لکھی۔ جس میں اس نے نہ صرف فلسفے اور مذہب کی تطبیق کی بلکہ مذہب پر فلسفی کی فضیلت ثابت کی۔ قولہ۔ فلسفے کا مقصد دریافت ماہیت اشیا ہے مذہب کا مقصد درستی اخلاق ہے۔ جب ان کے مقاصد مختلف ہیں تو یہ ایک دوسرے کے متناقض اور متقابل ہو نہیں سکتے۔ اگر کہیں تناقض معلوم ہو تو اس کی تاویل کرنی چاہیے۔ لیکن تاویل کے مجاز فلاسفہ ہیں

جو علم میں راسخ ہوتے ہیں کہ ارباب علم جو علم سے بے بہرہ ہوتے ہیں مذہب صرف اس کام کو اچھا کہتا ہے جس کو عقل یعنی فلسفہ اچھا کہتا ہی اور صرف اس کام کو برا کہتا ہے جس کو عقل یعنی فلسفہ برا کہتا ہے۔ مذہب فلسفے کی تائید کرتا ہے۔ مذہب نقل ہی فلسفہ اصل ہی۔ قرآن میں بار بار آیا ہی سوچو غور کرو اور حکمت یعنی فلسفہ پڑھو اس سے ثابت ہوتا ہی کہ فلسفہ پڑھنا نہ صرف جائز ہے بلکہ فرض ہی عین مذہب ہی اصلی مذہب ہی۔

ابن رشد کا فلسفہ ۔ خدا نام ہے اس اصول کا جس پر دنیا بنی اور قائم ہے ۔ خدا قدیم ہے اس لیے دنیا بھی قدیم ہے ۔ دونوں لازم و ملزوم ہیں دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہی۔ خدا نہ سبب ہی نہ مسبب الاسباب ہی سب کچھ تولد پر منحصر ہی خدا فطرت ہے قانون ہے اس لیے معجزہ و کرامات ناممکن ہیں ۔ موت کے بعد روح زندہ نہیں رہتی ۔ اس لیے آخرت دوزخ بہشت وغیرہ بے معنی ہیں ۔ ابن رشد کا اثر بہ نسبت ایشیا کے یورپ پر زیادہ ہوا ۔ یہ خیالات وہاں ایسے پھیلے جیسے

سورج کی شعاعیں صبح کے وقت زمین پر پھیلتی ہیں۔ مذہب کی اندھیری رات عقلیت کی صبح سے بدل ہو گئی۔ اب وہاں عقلیت کا نصف النہار ہے۔ مگر اسلامی دنیا پر مذہب اور جہالت کی شب یلدا نے ایسا تسلط جمایا ہے کہ خدا کی پناہ معشوق کی زلف کی طرح دراز ہو گئی ہے

ملحد شعرا

ابو العلا عربی زبان کا اور عمر خیام فارسی زبان کا ملحد شاعر تھا

ابو العلا احمد بن عبداللہ بن سلیمان المعری سنہ ۳۶۳ھ میں معرۃ النعمان میں جو حلب کے قریب ایک قصبہ ہے پیدا ہوا۔ چار برس کی عمر میں اسے چیچک نکلی اور وہ اندھا ہو گیا۔ حلب طرابلس اور انطاکیہ میں تعلیم پائی گیارہ برس کے سن میں شعر کہنا شروع کیا۔ سنہ ۳۰۱ھ میں بغداد گیا مگر وہاں اس کا جی نہ لگا۔ ایک برس سات مہینے رہ کر وطن واپس چلا آیا۔ اور خانہ نشین ہو گیا۔ ایک تو اندھا تھا دوسرے گوشہ گزینی نے اسے

رہین المحبسین" کہتا تھا۔ اگرچہ وہ خود تنہائی پسند تھا مگر شہرت اسے تنہا نہیں رہنے دیتی تھی۔ علامہ عصر تھا دور دور سے طلبا اس کے پاس آتے اور مستفیض ہوتے تھے۔ امیر تھا مگر فقیرانہ زندگی بسر کرتا تھا اپنی ساری آمدنی غربا میں تقسیم کر دیتا تھا۔ معرۃ النعمان کے لوگ اسے بہت مانتے تھے ناصر خسرو مشہور شاعر و سیاح معرۃ النعمان خاص اس سے ملنے گیا وہ اپنے سفر نامے میں لکھتا ہے کہ یہاں کے لوگ اس کو اس قدر مانتے ہیں کہ گویا انکا حاکم ہے۔ ابوالعلا نے سقط الزند لزوم مالا یلزم رسالۃ الغفران وغیرہ کتابیں لکھیں۔ سقط الزند بغداد جانے سے پہلے اور لزومیات اور رسالۃ الغفران وہاں سے واپس آنے کے بعد لکھا۔ سقط الزند میں کوئی خاص بات نہیں۔ لزومیات میں اس نے اپنے ملحدانہ خیالات کا اظہار کیا۔ رسالۃ الغفران میں اس نے زمانہ جاہلیت کے شعرا کو بخشوایا اور جنت و دوزخ کا مذاق اڑایا۔ بڑا ذمام تھا۔ سمجھتا تھا کہ دنیا دار الابتلا ہے

اس میں تکلیف ہی تکلیف ہے۔ خدا سے خفا تھا کہ دنیا کو کیوں پیدا کیا
اپنے باپ سے خفا تھا کہ مجھے کیوں پیدا کیا۔ اپنی قبر پر لکھوایا ہٰذا اجتنہٗ
ابی علی وما جنیت علی احدٌ یعنی یہ گناہ یا حماقت ہے میرے باپ کی
میں نے کوئی حماقت نہیں کی"۔ شادی نہ کی۔ عرب میں لا ولد لوگ
اکثر ابو العلا کہلاتے ہیں وہ بھی اسی لیے ابو العلا کہلاتا تھا۔ گوشت
مطلق نہیں کھاتا تھا جانوروں کا ذبح کرنا بڑا گناہ سمجھتا تھا عبادت
کو بے فائدہ اور اعمال صالحہ کو ضروری خیال کرتا تھا۔ آخرت کا
منکر تھا کہتا تھا کہ موت فنائے کامل ہے اور اسلئے باعث خوشی ہے۔
وحی کا منکر تھا کہتا تھا کہ مذہب پیغمبروں کی ایجاد ہے پیغمبر بغرض
جاہ و اقتدار پیغمبری کا دعوے کرتے ہیں اور خوش اعتقادوں کو
بیوقوف بناتے ہیں۔ لوگوں کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو مذہب
رکھتے ہیں مگر عقل نہیں رکھتے دوسرے وہ جو عقل رکھتے ہیں
مگر مذہب نہیں رکھتے۔

ابو العلا نے ۴۴۹ھ میں وفات پائی ۔

غیاث الدین ابوالفتح عمر بن ابراہیم الخیام نیشاپور میں پیدا ہوا ۔ ریاضی اور ہیئت کا بڑا عالم تھا ۔ اس سے نظام الملک سے بڑی دوستی تھی اسکی وساطت سے ملک شاہ کا منجم مقرر ہوا ۔ نئی زیچ بنائی ۔ زیچ ملک شاہی اس کا نام ہے بڑا بے دھڑک ملحد تھا لگی لپٹی نہیں رکھتا تھا جو اس کے منہ میں آتا تھا کہہ دیتا تھا لیکن بعد میں جب اسے معلوم ہوا کہ میری جان خطرے میں ہے تو احتیاط کرنے لگا ۔ نمازیں پڑھنے لگا حج کو بھی گیا ۔ حج سے واپس آتے ہوئے بغداد میں کچھ روز ٹھیرا ۔ وہاں کے ملاحدہ کا ایک غول اس سے ملنے گیا ۔ مگر اس نے کسی کو اپنے مکان میں نہ آنے دیا ۵۱۵ھ میں وفات پائی ۔ اس کے خیالات کا پتہ اس کی دلکش رباعیوں سے جن کی شہرت عالم گیر ہے بخوبی چل سکتا ہے ۔ ان رباعیوں میں کہیں اس نے خوش اعتقادوں کو بنایا ہے کہیں خدا کو بنایا ہے کہیں بندوں کو مجبور ثابت کیا ہے ، راز دہر جیسا وہ سمجھا کوئی نہ سمجھا

کیونکہ وہ یہ سمجھا کہ سمجھ میں نہیں آ سکتا علم صرف اتنا بتا سکتا ہے کہ دنیا کیونکر پیدا ہوئی اور کیا ہے یہ نہیں بتا سکتا کہ کیوں پیدا ہوئی اور آخر اس کا مطلب کیا ہے۔ خیام ایک بات غلط سمجھا کہ چونکہ اس دنیا میں واپس نہیں آنا ہوگا۔ دوسری دنیا اور ثواب و عقاب کچھ نہیں ہے اس لیے اس دنیا میں عیش و آرام کرنا چاہیے۔ اگر وہ مسئلہ ارتقا اور عز اللبقا سے واقف ہوتا تو کبھی ایسا خیال نہ کرتا۔ انسان کا مقصد عیش و آرام کرنا نہیں۔ بلکہ محنت اور کام کرنا ہے۔

چند رباعیاں اس کی منتشے نمونہ از خروارے پیش کی جاتی ہیں۔

قومے ز گزاف در غرور افتادند — واندر طلب حور و قصور افتادند
معلوم شود چو پردہا بردارند — کز کوے تو دور و دور و دور افتادند

گویند بہشت و حور عین خواہد بود — وانجا مے ناب و انگبیں خواہد بود
گر ما مے و معشوق برستیم رواست — چوں عاقبت کار ہمیں خواہد بود

من مے خورم و هر که چو من اهل بود — مے خوردن او نزد خرد سهل بود
مے خوردن من حق از ازل مے دانست — گر من نه خورم علم خدا جهل بود

طبعم به نماز و روزه چون مائل شد — گفتم که مراد کلیتم حاصل شد
افسوس که آن وضو بباد ے بشکست — وان روزه به نیم جرعه مے باطل شد

با این دو سه نادان که جهان دانند — از جهل که دانائے جهان ایشانند
خوش باش که از خرمی ایشان مثل — هر کو نه خر است کافرش مے دانند

در صومعه و مدرسه و دیر و کنشت — ترسنده ز دوزخ اند و جویائے بهشت
آنکس که از اسرار خدا با خبر است — زین تخم در اندرون خود هیچ نکشت

قومے متفکر اند در مذهب و دین — جمعے متحیر اند در شک و یقین

ناگاه منادئی برآید ز کمیں ٭ کای بے خبران راه نہ آنست و نہ این

اسرار ازل را نہ تو دانی و نہ من   این حرف معما نہ تو خوانی و نہ من

هست از پس پرده گفتگوئے من و تو   چون پرده برافتد نہ تو مانی و نہ من

کس را پس پرده قضا راه نشد   وز سر قدر ہیچ کس آگاه نشد

ہفتاد و دو سال فکر کردم شب و روز   معلوم نگشت و قصہ کوتاه نشد

کس مشکل اسرار ازل را نکشاد   کس یک قدم از نهاد بیرون ننهاد

من مے نگرم ز مبتدی تا استاد   عجز است بدست ہر کہ از مادر زاد

آنها کہ خلاصہ جهان ایشانند   بر اوج فلک براق فکرت رانند

در معرفت ذات تو مانند فلک   سرگشتہ و سرنگون و سرگردانند

هر چند که رنگ و بوے زیباست مرا ۔ چوں لاله رخ و چو سرو بالاست م
معلوم نشد که در طرب خانهٔ خاک نقاش من از بهر چه آراست مرا

آورد باضطرابم اول بوجود جز حیرتم از حیات چیزے نفزود
رفتیم باکراه و ندانیم چه بود زیں آمدن و رفتن و بودن مقصو

اے رفته بچوگان قضا ہمچو گو چپ مے خورد و راست برو ہیچ مگ
کانکس که ترا فگند اندر تگ و پو او داند و او داند و او داند و

یزداں چو گل وجود ما آراست دانست ز فعل ما چه خواهد برخاست
بے حکمش نیست ہر گناہے که مراست پس سوختن قیامت از بهر چه خواست

نیکی و بدی که در نهاد بشر است شادی و غمی که در قضا و قدر است

با چرخ مکن حواله کاندر ره عقل
چرخ از تو هزار بار بیچاره تر است

بر لوح نشان بودنی ها بوده است
پیوسته قلم ز نیک و بد آسوده است
اندر تقدیر هرچه بایست بداد
غم خوردن و کوشیدن ما بیهوده است

از آب و گلم سرشته من چکنم
وین پشم و قصب تو رشته من چکنم
هر نیک و بدی که آید از ما بوجود
تو بر سر من نوشته من چکنم

آنها که فلک ریزه دهر آرایند
آیند و روند و باز با دهر آیند
در دامن آسمان و در جیب زمین
خلقیست که تا خدا نمیرد زایند

سنت مکن و فریضه حق بگذار
وان لقمه که داری ز کسان باز مدار
غیبت مکن و مجوی کس را آزار
هم وعده آن جهان منم باده بیار

از گردش روزگار بهری برگیر
بر تخت طرب نشین بکف ساغر گیر
از طاعت و معصیت خدا مستغنی است
باری تو مراد خویش از عالم گیر

حق جان جهان است و جهان جمله بدن
واصناف ملائکه حواس این تن
افلاک و عناصر و موالید اعضا
توحید همین است و دگرها همه فن

بر موجب عقل زندگانی کردن
شاید کردن ولی نه دانی کردن
استاد تو روزگار چابک دست است
چندان بسرت زند که دانی کردن

خیام که خیمهای حکمت میدوخت
در کورهٔ غم فتاد و ناگاه بسوخت
مقراض اجل طناب عمرش ببرید
دلال قضا برایگانش بفروخت

چون نیست مقام ما درین دیر مقیم
پس بی می و معشوق خطائیست عظیم

ا کے ز قدیم و محدث اے مرد حکیم
چوں من رفتم جہاں چہ محدث چہ قدیم

دشمن بغلط گفت کہ من فلسفیم
ایزد داند کہ آنچہ او گفت نیم
لیکن چو درین غم آشیان آمدہ ام
آخر کم از آں کہ من ندانم کیم

چوں جان بلب آید چہ نشاپور چہ بلخ
پیمانہ چو پر شود چہ شیریں و چہ تلخ
می نوش کہ بعد از من و تو ماہ بسے
از سلخ بغرہ آید از غرہ بسلخ

دیریست کہ صد ہزار عیسیٰ دیدست
طوریست کہ صد ہزار موسیٰ دیدست
قصریست کہ صد ہزار قیصر دیدست
طاقیست کہ صد ہزار کسریٰ دیدست

این چرخ فلک کہ ما درو حیرانیم
فانوس خیال ازو مثالے دانیم
خورشید چراغدان و عالم فانوس
ما چوں صوریم کاندرو گردانیم

تا چند اسیر عقل هر روزه شویم — در دهر چه صد ساله چه یکروزه شویم
در ده تو بکاسه می از آن پیش که ما — در کارگه کوزه گران کوزه شویم

لب بر لب کوزه بردم از غایت آز — تا زو طلبم واسطه عمر دراز
لب بر لب نهاد و می گفت براز — می خور که بدین جهان نمی آئی باز

این هستی تو هستی دگر است — وین مستی تو مستی دگر است
رو سر بگریبان تفکر درکش — کین دست تو آستین دستی دگر است

با باده نشین که ملک محمود این است — وز چنگ شنو که لحن داود این است
از آمده و رفته دگر یاد مکن — حالی خوش باش زانکه مقصود این است

چون عهده نمی شود کسی فردا را — حالی خوش کن این دل پر سودا را

نوش بنور ماه ای ماه که ماه — بسیار بتابد و نیابد ما را

روزیکه شود اذا السماء انفطرت — وانجم که شود اذا النجوم انکدرت
من دامن تو بگیرم اندر عرصات — گویم صنما بای ذنب قتلت

گردون کمری ز عمر فرسوده ماست — جیحون اثری ز چشم پالوده ماست
دوزخ شرری ز رنج بیهوده ماست — فردوس دمی ز وقت آسوده ماست

آن باده که قابل صور هست بذات — گاهی حیوان همی شود گاه نبات
تا ظن نبری که هست گردد هیهات — موصوف بذات است اگر نیست صفات

برخیز و بیا بیا برای دل ما — حل کن بجمال خویشتن مشکل ما
یک کوزه می بیار تا نوش کنیم — زان پیش که کوزه ها کنند از گل ما

این کوزه چو من عاشق زارے بوده است　　در بند سر زلف نگارے بوده است
این دسته که بر گردن او مے بینی　　دستیست که بر گردن یارے بوده است

آمد سحرے ندا ز میخانہ ما　　کاے رند خراباتی دیوانہ ما
برخیز که پر کنیم پیمانہ ز مے　　زاں پیش که پر کنند پیمانہ ما

اے سوختہ سوختہ سوختنی　　وے آتش دوزخ از تو افروختنی
تا کے گوئی که بر عمر رحمت کن　　حق را تو کجا برحمت آموختنی

بر رہگذرم ہزار جا دام نہی　　گوئی کہ کشمت اگر در او گام نہی
یک ذرہ ز حکم تو جہاں خالی نیست　　حکمے تو کنی و عاصیم نام نہی

از درس علوم جملہ بگریزی بہ　　واندر سر زلف دلبر آویزی بہ

زان پیش که روزگار خونت ریزد — تو خون صراحی بقدح ریزی به

ای آنکه نتیجه چهار و هفتی — در هفت و چهار دائم اندر تفتی
می خور که ترا چهار بیشت گفتم — باز آمدنت نیست چو رفتی رفتی

گاویست در آسمان و نامش پروین — یک گاو دگر نهفته در زیر زمین
چشم خردت گشا چو اهل یقین — زیر و زبر دو گاو مشتی خر بین

تا چند حدیث پنج و چهار ای ساقی — مشکل چه یکی چه صد هزار ای ساقی
خاکیم همه چنگ بساز ای ساقی — بادیم همه باده بیار ای ساقی

در حکمت اگر ارسطو و جمهوری — در قدرت اگرچه قیصر و فغفوری
می نوش ز جام جم که گور آخر کار — گر بهرامی که عاقبت در گوری

رندے دیدم نشستہ بر خنگ زمیں
نہ کفر و نہ اسلام و نہ دنیا و نہ دیں
نہ حق نہ حقیقت نہ شریعت نہ یقیں
اندر دو جہاں کرا بود زہرہ ایں

مشہور معتزلوں کے مختصر حالات

امام حسن بصری نہایت فصیح اور خوش تقریر تھے۔ ایک دن ابو عمر بن العلاء سے کسی نے پوچھا کہ آج کل عرب میں سب سے زیادہ فصیح کون شخص ہے۔ جواب دیا حسن بصری اور حجاج بن یوسف۔ پھر پوچھا کہ ان دو میں زیادہ فصیح کون ہے جواب دیا حسن بصری موت کے بارے میں حسن بصری کا قول ہے "ما رایت یقینا لا شک فیہ اشبہ بشک لا یقین فیہ الا الموت" ایک دن ان کی ماں پیاز کھا رہی تھیں حسن نے پیاز کی برائی بیان کی اور اس کے کھانے سے منع کیا۔ ان کی ماں نے کہا "انک شیخ قد کبرت وخرفت"۔ حسن کب خاموش رہ سکتے تھے جواب دیا "یا اماہ اینا اکبر واکثر" حسن حسین بھی بہت تھے۔ ایک روز وہ گھوڑے سے گر پڑے اور ان کے منہ پر زخم پڑ گیا اس سے ان کا چہرہ ذرا بدنما ہو گیا تھا۔ ان کی کلائی ایک بالشت چوڑی تھی۔

واصل بن عطا مولائے بنی ھبیہ یا بنی مخزوم تہا۔ وہ بہی بہت خوش تقریر تہا۔ لیکن حرف ر کا تلفظ ادا نہیں کرسکتا تہا تقریر کرتے وقت ر والے الفاظ چہوڑ دیتا تہا اور ان کے مرادف استعمال کرتا تہا چونکہ وہ مشہور تہا۔ اس کی یہ خصوصیت مشہور ہتی شعرا نے اپنی شاعری میں اس بات کا ذکر کیا۔ ایک شاعر اپنے ممدوح سے کہتا ہے:۔

نعم تجنب لا یوم العطاء کما ٭ تجنب ابن عطا لفظة الراء ٭

ایک اور شاعر اپنی معشوقہ سے کہتا ہے۔

اجعلت وصلی الرا لم تنطق بہ ٭ وقطعتنی حتی کانک واصل

ایک اور شاعر اپنی معشوقہ سے کہتا ہے۔

اعد لثغة لو ان واصل حاضر ٭ یسمعہا ما اسقط الرا واصل ٭

واصل نے یہ کتابیں لکہیں۔ اصاف مرجیہ۔ کتاب فی التوبہ۔ کتاب المنزلة بین المنزلتین۔ کتاب الخطبة التی اخرج منہا الرا۔ کتاب فی معانی قرآن کتاب الخطب فی التوحید والعدل۔ کتاب ما جرے بینہ وبین عمر و بن عبید

کتاب السبیل الی المعرفۃ الحق ۔ کتاب فی الدعوۃ ۔ کتاب طبقات اہل العلم والجہل ۔

واصل طویل العنق تہا ۔ عمرو بن عبید مذاقاً کہا کرتا تہا "لا یصلح ہذا ما دامت لہ ہذا العنق" یعنی جب تک اس کی گردن اتنی لمبی ہوگی واصل کسی کام کا نہ ہوگا ۔

عمرو بن عبید مولائے بنی عقیل تہا ۔ اس کا باپ بصرہ کا نائب کوتوال تہا اور بدنام تہا لوگ جب عمرو اور اس کے باپ کو ساتھ دیکھتے تہے تو کہتے ہتے "ہذا خیر الناس ابن شر الناس" عبید مطلق خفا نہ ہوتا اور جواب دیتا "صدقتم ہذا ابراہیم وانا آذر" اور جب لوگ اسے کہتے کہ تیرا لڑکا بڑا نیکبخت ہوگا کیونکہ حسن بصری کی صحبت میں رہتا ہے تو وہ جواب دیتا یہ ناممکن ہے کیونکہ اس کا باپ میں ہوں جسے تم شر الناس کہتے ہو اور اس کی ماں چوری کا مال ہے میں نے اسے مال غنیمت سے چرایا تہا ایسے باپ اور ایسی ماں کا لڑکا کبھی نیکبخت نہیں ہوسکتا ۔ لیکن عمرو واقعی نیک بخت تہا ۔ بڑا متقی اور پرہیزگار تہا اس کے ماتہے پر اثر السجود تہا ۔ ایکروز حسن بصری سے کسی نے پوچھا کہ عمرو بن عبید کی نسبت آپ کی کیا

اسے ہی حسن نے جواب دیا لقد سالت عن رجل کان الملائکۃ ادبتہ وکان الانبیاء ربتہ
ان قام بامر قعد بہ وان قعد بامر قام بہ ان امر بشئ کان الزم الناس لہ وان نہی عن شئ کان اترک الناس لہ
ما رایت ظاہرا اشبہ بباطن منہ ولا باطنا اشبہ بظاہر منہ۔ منصور عمرو بن عبید کو
بہت چاہتا تھا ایک روز عمرو اس سے ملنے گیا اور بڑی دیر تک اپنی باتوں سے
محظوظ و مستفیض کرتا رہا۔ جب واپس آنے لگا تو منصور نے ۱۰۰۰۰ درہم
اس کی نظر کیے عمرو نے ان کے لینے سے انکار کیا۔ منصور نے کہا آپکو
قسم ہے لے لیجیے۔ عمرو نے کہا میں نے قسم کھائی ہے کہ نہیں لونگا۔ منصور کا
بیٹا مہدی اسوقت وہاں موجود تھا اس نے عمرو سے کہا افسوس کی بات ہے کہ آپ
کو امیر المومنین کی قسم کا کچھ خیال نہیں۔ عمرو نے منصور سے پوچھا یہ لڑکا کون
ہے۔ اور جب اسے معلوم ہوا کہ وہ منصور کا بیٹا اور وارث مہدی ہی تو کہا یہ اس
نام کا مستحق نہیں۔ اور مہدی سے کہا اے ابن اخی تو نہیں جانتا کہ تیرا باپ
تو قسم توڑنے کا صدقہ دے سکتا ہے لیکن تیرا چچا نہیں دے سکتا۔ منصور نے
کہا نذر تو آپ قبول نہیں کرتے اور کیا خدمت کر سکتا ہوں۔ عمرو نے کہا

یہ کہ آپ مجھے اپنے ہاں کبھی نہ بلائیں۔ جب میرا جی چاہے گا میں خود آجایا کرونگا۔ منصور نے کہا اس کے یہ معنی ہیں کہ آپ کبھی نہ آئیں گے عمرو نے جواب دیا ہاں ارادہ تو یہی ہی۔ یہ کہکر وہاں سے چلا آیا۔ منصور نے اپنے مصاحبوں سے کہا کلکم یمشی روید کلکم یطلب صید غیر عمرو بن عبیدؒ اس کی قبر پر یہ اشعار کھدوائے۔

صلی الالہ علیک من متوسد ۔ قبرا مررت بہ علی مروان
قبرا تضمن مومناً متحنفاً ۔ صدق الالہ ودان بالعرفان
لوان ہذا الدہر ابقی صالحاً ۔ ابقی لنا عمرا ابا عثمان

ابوالہذیل مولائے عبدالقیس تھا۔ فن بحث میں طاق تھا۔ ایکمرتبہ میلاس نام ایک بڑے مجوسی پر بحث میں غالب آیا۔ میلاس مسلمان ہوگیا شرح الملل والنحل میں لکھا ہی کہ تین ہزار آدمی اس کے ہاتھ پر ایمان لائے

صالح بن قدوس نام ایک ملحد کا بیٹا مر گیا تھا اور وہ بہت غمگین تھا ابوالہذیل نے اس سے کہا آپ کیوں غمگین ہیں آپ کے نزدیک تو

انسان میں اور گنواس کے پیٹنے میں کچھہ فرق نہیں ۔ صالح نے جواب دیا
میں نے ایک کتاب لکھی کتاب الشکوک نام وہ اتنی زبردست ہی کہ اس کو
پڑھکر انسان مسلمات میں شک کرنے لگتا ہے ۔ افسوس کہ میرا بیٹا ایسی
کتاب کے پڑھنے کے قبل مر گیا ۔ ابو الہذیل نے کہا جب اسکا پڑھنے
والا مسلمات میں شک کرنے لگتا ہی تو آپ کو تو اس میں کمال ہونا چاہیے
کیونکہ آپ اس کے مصنف ہیں ۔ یہ مسلم بات ہی کہ آپ کا بیٹا مر گیا ہی اس میں
شک کیجیے اور سمجھہ لیجیے کہ نہیں مرا ۔ اور یہ بھی مسلم بات ہی کہ اس نے کتاب
الشکوک نہیں پڑھی تھی اس میں بھی شک کیجیے اور سمجھہ لیجیے کہ اس نے
پڑھی تھی ۔ صالح ساکت رہا ۔ ابو الہذیل بڑھاپے میں اندھا اور دیوانہ ہو گیا
تھا ۔

جاحظ بہت بدصورت تھا ۔ اس کی آنکھیں ابھری ہوئی تھیں اس لیے
جاحظ کہلاتا تھا حدقی بھی کہلاتا تھا حدقی کے بھی وہی معنی ہیں ۔ خلیفہ متوکل
نے اس کے علم و فضل کا شہرہ سن کر اسے اپنے لڑکے کا معلم مقرر کرنا

چاہا اور اپنے ہاں بلایا لیکن اس کی صورت اسے اتنی بری معلوم ہوئی کہ معلمی نہ دی اور دس ہزار درم دیکر رخصت کردیا۔ بڑھاپے میں جاحظ کی حالت قابل رحم ہتی۔ فالج۔ گٹھیا۔ حبس بول وغیرہ متعدد بیماریوں میں مبتلا تہا کہتا تہا طرح طرح کی بیماریوں نے مجھے آگہیرا ہی۔ اگر کوئی ٹھنڈی چیز کہاتا ہوں تو میرے پاؤں پکڑ لیتی ہے" اگر کوئی گرم چیز کہاتا ہوں تو میرا سر پکڑ لیتی ہے بایاں پہلو میرا مفلوج ہی اگر اسے کوئی مقراض سے کاٹتا ہی تو مجھے خبر نہیں ہوتی۔ داہنا پہلو میرا منقرس ہے اگر اس پر مکھی بیٹھ جاتی ہے تو درد محسوس ہوتا ہی۔ حبس بول کی تکلیف الگ ہی لیکن سب سے زیادہ تکلیف اس بات کی ہی کہ سن میرا چھیاسی سال ہے" اور یہ اشعار پڑھتا تہا۔

اترجوان تکون وانت شیخ کما کنت ایام الشباب

لقد کذبتک نفسک لیس ثوب دریس کالجدید من الثیاب

۲۵۵ھ میں نوے برس کی عمر میں وفات پائی۔ اس کے مرنے سے کچھ روز پہلے ایک برمکی کا بصرے سے گذر ہوا اور اس سے ملنے گیا

جب جاحظ کو اطلاع ہوئی تو خادمہ سے کہا "قولی لہ ما تصنع بشق مائل و
لعاب سائل ولون حائل"۔ خادمہ نے یہ بات برمکی سے جا کے کہی مگر
وہ ملاقات کرنے پر مصر ہوا۔ جاحظ نے کہا "ہذا رجل اجتاز بالبصرہ وسمع
بعلتی فقال اجب ان اراہ قبل موتہ فاقول قد رایت الجاحظ" یعنی یہ
شخص کا بصرے سے گذر ہوا۔ میری بیماری کی خبر سنکر اس نے
اپنے دل میں کہا ضروری ہے کہ اس کو دیکھ لوں تاکہ اس کے مرنے
کے بعد کہہ سکوں کہ میں نے جاحظ کو دیکھا تھا" برمکی کو اندر بلایا اور بہت
دیر تک اس سے باتیں کرتا رہا۔ برامکہ کی بہت تعریف کی اور کہا "کانت ایامھم
ریاض الازمنۃ" اور یہ اشعار پڑھے۔

لئن قدمت قبلی رجال فطالما مشیت علی رسلی فکنت المقدما
ولکن ہذا الدہر تاتی صروفہ فتبرم منقوضا وتنقض مبرما

جبہ بصرے کے قریب ایک گاؤں ہے۔ عبدالوہاب اور ابو ہاشم وہاں
کے رہنے والے تھے اس لیے جبائی کہلاتے تھے۔

عبدالوہاب جبائی اشعری سے بہت گھبراتا تھا ایک روز وہ کسی مسئلہ پر ایک بڑی جماعت کے سامنے تقریر کر رہا تھا کہ ایک عورت اس پر اعتراض کرنے لگی۔ عبدالوہاب نے اپنے دل میں کہا کہ یہ بڑے مہذب اعتراضات ہیں ایسے اعتراضات تو صرف اشعری کر سکتا تھا۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اشعری اس عورت کے پیچھے چھپا بیٹھا ہے اور اسی کی زبانی اعتراضات کر رہا ہے۔

ابو ہاشم جتنا تیز تھا اتنا اس کا بیٹا ابو علی کند تھا ایک روز صاحب بن عباد نے ابو علی سے کوئی مسئلہ پوچھا اس نے جواب دیا "لا اعرف و لا احرف نصف العلم" اس پر صاحب بن عباد نے کہا "صدقت یا ولدی الا ان اباک تقدم بالنصف الآخر"

دوسری فصل

ہندوستان کے مسلمانان سلف اور عقلیت

ترک اور پٹھان

ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کا زمانہ دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ترکوں اور پٹھانوں کا زمانہ اور مغلوں کا زمانہ۔

پہلے زمانہ میں عقلیت اور فلسفے کا رواج بالکل نہ تھا۔ ترک اور پٹھان سیدھے سادے پکے اور مضبوط مسلمان تھے۔ ان کی طبیعت فلسفیانہ مطلق نہ تھی۔ نہ ان کے دل میں اسلام کی صداقت کی نسبت کچھ شکوک تھے نہ ان کو علم کلام کی ضرورت تھی۔ نہ ان کو معقول و منقول کی تطبیق کی ضرورت تھی عموماً جاہل تھے۔ ترکوں اور پٹھانوں کے علاوہ اور

مسلمانان ہندوستان میں اسوقت سید اور شیخ ہیں ۔ ان میں بہ نسبت ترکوں اور پٹھانوں کے علم کا زیادہ چرچا رہا ۔ مگر ان کا علم حدیث، فقہ تاریخ، شاعری، منطق ۔ کلام اشعریہ، اور تصوف وغیرہ تک محدود تھا طبیعات اور فلسفہ سے بے بہرہ تھے ۔ ذیل میں اس زمانے کے مصنفوں اور انکی کتابوں کی فہرست دی جاتی ہے اس سے کچھ حد تک معلوم ہو جائیگا کہ اس زمانہ کے مسلمان کیا پڑھا کرتے تھے کیا سوچا کرتے تھے اور کیا لکھا کرتے تھے ۔

سلطان ناصرالدین بن سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں منہاج قاضی جرجانی ایک بڑا عالم تھا اس نے طبقات ناصری مشہور تاریخ لکھی اور سلطان ناصرالدین کے نام معنون کی ۔ بدایوں میں ہوقت ضیا بخشی اور شہاب مہمرہ دو بڑے شاعر تھے ضیا بخشی نے صوفیانہ رنگ میں ایک مثنوی لکھی سلک سلوک اس کا نام ہے ۔ سلطان جلال الدین خلجی کے عہد میں ۔ امیر خسرو ۔ امیر حسن ۔ موید جرجامی ۔ امیر ارسلان کاتبی

شعرا اور سعد منطقی۔ باقی خطیب اور قاضی مغیث ہانسوی علما تھے۔ امیر خسرو نے تین چار لاکھ شعر کہے۔ امیر حسن کی بھی اپنے زمانے میں بہت شہرت تھی نظام الدین اولیا کا قول تھا کہ امیر خسرو کہاری سمندر اور امیر حسن میٹھی ندی ہے قاضی مغیث ہانسوی نے الٰہیات پر ایک کتاب لکھی۔ علاء الدین خلجی باوجود یکہ علما کی قدر نہیں کرتا تھا اس کا دربار مرجع علما تھا۔ اس کا وزیر شمس الدولہ بڑا عالم تھا تاج رضا شاعر اور نظام الدین اولیا اس کے شاگرد تھے۔ نظام الدین نے مقامات حریری اس سے پڑھی سلطان محمد تغلق کے عہد میں بدر چاچ اور مولانا معین الدین عمرانی مشہور شخص تھے۔ بدر چاچ شاعر تھا۔ اس نے سلطان محمد کے عہد کی منظوم تاریخ لکھی۔ شاہ نامہ اس کا نام ہے۔ معین الدین عمرانی عالم تھا اس نے کنز منار تلخیص اور مفتاح کی تفسیریں لکھیں۔ سلطان محمد نے اسے قاضی عضد الملت والدین ایجی کو بلانے شیراز بھیجا۔ سلطان چاہتا تھا کہ قاضی کوئی کتاب لکھکر اس کے نام سے منسوب کرے۔ مگر فارس کے بادشاہ نے قاضی کو نہ آنے دیا۔ اس نے قاضی کو کہلا بھیجا کہ میں فارس سے

آپ کی زیادہ قدر کرتا ہوں فارس مجھ سے چھن جائے مگر آپ نہیں چھن سک
سلطان فیروز شاہ تغلق علماء کا بڑا قدر دان تھا۔ اس کے عہد میں ضیاء ال
برنی۔ شمس سراج عفیف۔ مولانا علیم اندپتی۔ مولانا خواجگی۔ مولانا مطہر
قاضی عابد علما اور مولانا احمد تھانیسری۔ قاضی عبد المقتدر شریحی اور ملک اح
بن امیر خسرو شعرا تھے۔ ضیاء الدین برنی نے مشہور تاریخ فیروزی لکھی۔ شمس سر
عفیف نے بھی تاریخ فیروزی نام ایک کتاب لکھی۔ مولانا علیم اندرپتی نے
تاتار خاں ایک امیر کی فرمایش سے تاتار خانی نام ایک کتاب فقہ کے متعل
لکھی۔ مولانا احمد تھانیسری اور قاضی عبد المقتدر ریختی زبان کے شاعر تھے
قاضی عبد المقتدر نے لامعات العجم کے مقابلے میں ایک نظم لکھی
نگر کوٹ کے قلعے میں ہندوؤں کا ایک کتب خانہ تھا جس میں تیرہ سو سنسکرت
اور ہندی کی کتابیں تھیں۔ جب فیروز شاہ نے اس قلعے کو فتح کیا تو ان
کتابوں کا معائنہ کیا۔ ان میں سے ایک کتاب تفاول و شگون کے
متعلق تھی۔ عز الدین خالد خانی نے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا اور دلائل

فیروزی نام رکھا۔ کچھ کتابیں بازبازی اور موسیقی کے متعلق ہیں انکا
بھی فارسی میں ترجمہ ہوا۔ سلطان ابراہیم شرقی کے عہد میں قاضی شہاب الدین
دولت آبادی بڑا عالم تھا مولانا خواجگی کا شاگرد تھا حواشی کافیہ۔ ارشاد
بدیع البیان اور بحر مواج وغیرہ کتابیں لکھیں شیخ الہداد ایک اور بڑا عالم تھا
اس نے قاضی شہاب الدین کی تفسیر پر حواشی لکھے اور ہدایہ مدارک
وغیرہ کی تفسیریں لکھیں۔ محمود شاہ تغلق کے عہد میں ظہیر دہلوی بڑا شاعر تھا
اس نے مہر و ماہ نام ایک مثنوی اخلاق پر لکھی اسوقت کے ظرفا اسے
ظاہر دہلوی کہتے تھے۔ کیونکہ اس کے اشعار میں کوئی بات نہیں ہوتی
تھی۔ بہلول لودہی کے عہد میں سیف الدین اور شیخ رزق اللہ دو بھائی
بڑے عالم تھے۔ سیف الدین شیخ عبد الحق محدث دہلوی کے والد نے
توحید پر ایک کتاب لکھی۔ شیخ رزق اللہ نے واقعات مشتاقی نام سلطان
بہلول کی عہد کی ایک تاریخ لکھی۔ شیخ رزق اللہ شاعر بھی تھا۔ فارسی۔
ہندی دونوں زبانوں میں شعر کہتا تھا۔ فارسی کا تخلص اس کا مشتاقی

اور ہندی راگن تہا۔ سکندر لودہی کے عہد میں شیخ عبداللہ طلبنی دلی میں
اور شیخ عزیز اللہ طلبنی سنبھل میں بڑے عالم تھے۔ دونوں ملتان کی بر
کے بعد ہندوستان آئے۔ یہاں علوم عقلیہ کو رواج دیا۔ اس سے پہلے
شرح شمسیہ اور شرح صحائف کے سوا علوم منطق و کلام میں کوئی کتاب مروج
نہ تھی۔ بہت سے علما مثلاً میاں لاڈن۔ جمال خاں دہلوی۔ میاں شیخ
گوالیاری۔ میراں سید جلال بدایونی وغیرہ شیخ عبداللہ کے شاگرد
تھے۔ سکندر اکثر شیخ عبداللہ کے مکتب کو جایا کرتا تہا اور تاکہ درس میں مخل نہ ہو
چپکے سے الگ بیٹھ جایا کرتا تہا درس ہو چکنے کے بعد شیخ کے پاس جا کر
بیٹھتا اور باتیں کرتا تہا۔ شیخ عزیز اللہ کے بھی بہت سے شاگرد تھے
ازاں جملہ ایک حاتم سنبھلی بھی تہا۔ جس نے بقول بدایونی کے شرح
مفتاح اور مطول کو تیس چالیس بار بسم اللہ سے تا تمت تک
پڑھایا۔ بدایونی نے خود اپنے باپ کے کہنے سے کنز کے کچھ سبق تیمناً
اس سے پڑھے۔ حاتم سنبھلی صاحب حال بھی تہا دس برس تک

وہ سنبہل اور امروہہ کے نواح میں ننگا گہومتا رہا۔ شیخ عزیز اللہ کا دوسرا مشہور شاگرد شیخ الہداد جونپوری تہا۔ سکندر لودہی کو مذہبی مباحثوں کے سننے کا بہت شوق تہا۔ ملک کے بڑے علما کو بلا کر ان میں بحث کراتا تھا ان مباحثوں میں شیخ عبداللہ اور شیخ عزیز اللہ ایک طرف ہوتے تہے اور شیخ الہداد جونپوری اور اس کا بیٹا بہکاری دوسری طرف۔ مقدم الذکر علما تقریر میں اور موخر الذکر تحریر میں فائق تہے۔ سکندر کے عہد میں ایک اور بڑا عالم شیخ جمالی کنبوہی دہلوی تہا۔ اس نے سیر العارفین نام ایک کتاب لکہی جس میں معین الدین اجمیری سے شیخ سماء الدین کنبوہی تک کے حالات درج ہیں۔ شیخ جمالی شاعر بہی تہا۔ سکندر کا اُستاد تہا۔ اس کے یہ دو شعر اس زمانے میں بہت مشہور ہوئے۔ صاحبان حال کو ان پر خوب حال آتا تہا۔

طال شوقی الامنا زلکم ایہا الغائبون عن نظری

روز و شب مونسم خیال شماست فاسلوا عن خیالکم خبری

شیر شاہ کے عہد میں شیخ بدہ بہاری اور ملا عبداللہ سلطان پوری دو

بڑے عالم تھے۔ شیخ بدہ نے ارشاد قاضی کی شرح لکھی۔ شیر شاہ اسکی بہت عزت
کرتا تھا یہاں تک کہ اس کی جوتیاں سیدھی کرتا تھا۔ ملا عبداللہ سلطانپوری
مولانا عبدالقادر سرہندی کا شاگرد تھا۔ عصمۃ الانبیاء۔ منہاج الدین شرح
شمائل النبی۔ حاشیہ بر شرح ملا وغیرہ کتابیں لکھیں۔ شیر شاہ نے
اسے صدر الاسلام کا خطاب دیا۔ شیر شاہ کے بیٹے سلیم شاہ کے عہد میں اسکا بڑا اقتدار
سلیم شاہ نے ایک روز اسے دور سے آتے ہوے دیکھکر سرمست خاں اپنے ایک
سردار سے کہا کہ بابر کے پانچ لڑکے تھے۔ چار تو ہندوستان سے چلے
گئے صرف ایک باقی رہگیا ہے۔ دیکھو وہ آرہا ہے۔ سرمست نے پوچھا
کہ جب آپ ملا عبداللہ کو اتنا خطرناک سمجھتے ہیں تو اسے قتل کیوں نہیں کرا
سلیم شاہ نے جواب دیا اس لئے کہ اس سے بڑا عالم سارے ہندوستان
میں نہیں ہے۔ جب ملا عبداللہ قریب آیا تو سلیم شاہ نے اسے بلا کر
اپنے پاس تخت پر بٹھایا اور موتیوں کی ایک بیش بہا تسبیح اسکے نذر کی۔
ملا عبداللہ صوفیوں اور شیعوں کا بڑا دشمن تھا۔ روضۃ الاحباب کی

وہ جلد جس میں سنیوں کی برائی اور شیعوں کی طرفداری کی گئی ہے جلوا دی
کہا کرتا تھا کہ یہ میر جمال الدین محدث کی تصنیف نہیں ہے

اصفیا

صوفی اس زمانے میں مشایخ کہلاتے تھے یہ لوگ زیادہ تر آبادی سے دور خانقاہوں میں جاکر رہتے تھے دنیا کو جیفہ سمجھتے تھے اور اس سے نفرت کرتے تھے ۔ لوگوں سے نفرت کرتے تھے اور عبادت وریاضت میں تضیع اوقات کیا کرتے تھے ۔ خواجہ معین الدین اجمیری خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ۔ شیخ فریدالدین گنج شکر ۔ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی اور نظام الدین اولیا اس طبقے کی بہترین مثالیں ہیں ۔ یہ لوگ بہت مقدس خیال کئے جاتے تھے ۔ جب تک رہے عزت اور آرام سے رہے مرنے کے بعد وہ مقدس ہوگئے ۔ اب تک ان کی پرستش ہوتی ہے ۔

کچھ صوفی مثلاً سیدی مولا ، میر سید محمد جونپوری ۔ شیخ عبداللہ نیازی ۔ شیخ علائی لوگوں سے زیادہ ملتے تھے اور ان پر اثر ڈالتے تھے

کوشش کرتی تھی زمانے نے انکے ساتھ موافقت نہ کی ۔ اگر کچھ آزاد خیالی اس زمانے میں تھی تو انہی صوفیوں میں تھی سیدی مولا اور شیخ علائی شہید ہوے اور شیخ عبداللہ نیازی نے مار کھائی ۔ ذیل میں انکے حالات تفصیل کے ساتھ لکھے جاتے ہیں ۔ ان کے پڑہنے سے ناظرین کو اسوقت کے مسلمانوں کی روحانی کیفیت اور ان کے مذہبی خیالات کا کچھ اندازہ ہوجائیگا

سیدی مولا ایرانی تہا ۔ ایران سے پاک پٹن آیا ۔ اور عرصے تک شیخ فریدالدین گنج شکر کے پاس رہا سلطان جلال الدین خلجی کے عہد میں دلی آیا جب دلی آنے کی اجازت مانگی تو شیخ نے اس سے کہا کہ جاؤ لیکن یاد رکھو کہ وہاں جاکر لوگوں سے زیادہ نہ ملو ۔ دلی آکر وہ شیخ کی نصیحت بہول گیا ۔ اور لوگوں سے بہت ملنے لگا ۔ ایک لنگر کھولا جس میں ہزار من میدہ پانسو من گوشت اور تین سو من شکر روزانہ خرچ ہوتی تھی ۔ لوگوں کو حیرت تھی کہ جب سیدی کسی سے نذرانہ قبول نہیں کرتا تو اتنے بھاری خرچ کا کیسے متحمل ہوسکتا ہے

اسے کیمیا داں اور جادوگر خیال کرتے تھے۔ بہت سے لوگ یہاں تک
کہ سلطان کا بڑا بیٹا خان خاناں قاضی جلال الدین کاشانی اور کئی امرا
اُسکے مرید ہوگئے۔ سلطان کو خوف ہوا کہ سیدی کہیں سلطنت نہ چھین لے
ایک رات بھیس بدلکر اس کی خانقاہ میں پہنچا۔ دیکھا کہ وہاں ایک دربار لگا ہوا
ہے۔ دوسرے روز اُسنے خود ایک بڑا دربار کیا۔ اور سیدی مولا کو مع
قاضی جلال الدین کاشانی اور ان امرا کے جو سیدی مولا کے معتقد تھے
پکڑ بلایا۔ سب سے پہلے قاضی جلال الدین سے پوچھا کیا سیدی مولا
داعیہ سلطنت رکھتا ہے قاضی نے جواب دیا۔ کہ وہ ایک فقیر آدمی ہے
اُسے سلطنت سے کیا کام سلطان کو اس کی بات کا اعتبار نہ آیا اسی
وقت اُسے معزول کر دیا۔ پھر وہ امرا کی طرف متوجہ ہوا بہتوں کو جلاوطن
کیا۔ اخیر میں وہ سیدی سے مخاطب ہوا اور پوچھا کیا تو داعیہ سلطنت
رکھتا ہے سیدی نے جواب دیا میں ایک فقیر آدمی ہوں مجھے سلطنت سے
کیا کام۔ سلطان نے کہا بہت سی آگ جلائی جائے اور سیدی

اس میں ڈالا جائے اگر سچ کہتا ہے تو آگ اسے نہیں جلائیگی۔ اگر جھوٹ کہتا ہے
تو جلائیگی۔ لیکن علماء نے اسپر اعتراض کیا اور کہا کہ آگ کا جوہر محرق بالذات
ہے۔ کوئی شخص خواہ وہ قصوروار ہو یا بے قصور اس سے سلامت نہیں
نکلسکتا۔ یہہ بات سلطان کے سمجھہ میں آگئی۔ اس کے بعد اس نے
سیدی پر جادوگری کا الزام لگایا۔ لیکن سیدی نے معقول جواب
دیئے۔ اور از روے شرع اس کا کوئی گناہ ثابت نہ ہوا۔ سلطان خفیف
ہوا۔ نہیں جانتا تھا کہ کیا کروں۔ دفعتہ ابوبکر طوسی کی طرف جو بے باک قلندروں
کا سردار تھا منہ پھیر کر کہا اے درویشو میری داد اس ظالم سے کیوں نہیں لیتے
ابوبکر کے اشارے سے ایک قلندر اٹھا اور استرے سے سیدی کی گردن
کاٹ ڈالی۔ دوسرا اٹھا اور چھری سے اسکا منہ چیر ڈالا۔ تیسرا اٹھا اور بڑی
بڑی سوئیاں اس کے پیٹ اور پسلیوں میں چبھوئیں۔ ابھی اس میں تھوڑی
سی جان باقی تھی کہ بادشاہ کے منجھلے بیٹے ارکلیخاں کے حکم سے ایک
فیل بان نے مست ہاتھی اس کے سر پر چلایا اور اس کا خاتمہ کر دیا

بقول مورخ اسی وقت کالی آندھی آئی - اور دو دن تک عالم تاریک رہا - اور اس سال اتنی گرانی تھی کہ ہندو مارے بھوک کے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر جمنا میں کود پڑتے تھے اور مسلمان اپنا گلا کاٹ ڈالتے تھے - سیدی کی شہادت کو بہت عرصہ نہیں ہوا تھا کہ جلال الدین کو اسکے بھتیجے علاءالدین نے بڑی بے رحمی سے مار ڈالا عوام ان باتوں کو سیدی کی سچائی اور بیگناہی کی دلیل سمجھے شہید ہونے سے کچھ روز پہلے سیدی اکثر یہ رباعی پڑھتا تھا اور پڑھکر مسکرا دیتا تھا -

در مطبخ عشق جز نکو را نکشند لاغر صفتان زشت خو را نکشند
گر عاشق صادقی ز کشتن مگریز مردار بود ہر آنچہ او را نکشند

میر سید محمد جونپوری لودھیوں کا ہمعصر تھا - اس نے جب دیکھا کہ احکام شریعت کی پابندی کم ہوتی جاتی ہے مسلمانوں کا اخلاق بگڑتا جاتا ہے ہنود کی رسمیں اختیار کرتے جاتے ہیں بادشاہ ظالم ہیں - علما بے عمل خودغرض اور خوشامدی ہیں تو امر معروف اور نہی منکر کرنے لگا - اور مہدی موعود

ہونے کا دعوی کیا۔ جنبش مہدویت بذاتہ اچھی تھی لیکن چونکہ مہدی موعود کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ تمام دنیا کا فرمانروا ہوگا حکام وقت نے اسکی مخالفت کی سلیم شاہ کے عہد میں اس کا بڑا چرچا تھا۔ شیخ علائی اور شیخ عبداللہ نیازی اسکے بڑے حامی تھے۔

شیخ علائی شیخ حسن کا بیٹا تھا۔ شیخ حسن بنگالے کے مشائخ میں سے وہ اور تھا اور اس کا چھوٹا بھائی شیخ نصراللہ حج کو گئے حج سے واپس آتے ہوئے بیانے میں سکونت اختیار کی۔ جاء نصراللہ والفتح انکے بیانے آنے کی تاریخ ہے۔ بڑا بھائی پیری کرتا تھا چھوٹا بھائی معلمی۔ شیخ علائی نہایت ذہین تھا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں تمام علوم رسمیہ حاصل کرکے اپنے چچا کی طرح معلمی کرنے لگا۔ جب تک اس کا باپ زندہ رہا۔ اس کا یہی کام رہا باپ کے مرنے کے بعد معلمی چھوڑ دی اور ریاضت میں مشغول ہوگیا جب کافی مرتاض ہو چکا تو اپنے باپ کی طرح پیری کرنے لگا۔ اسی زمانہ شیخ عبداللہ نیازی بھی۔ جو پہلے شیخ سلیم چشتی کا مرید تھا اور پھر مہدوی ہوگیا تھا

حج سے واپس آئے ہوئے بیانے میں متوطن ہو۔ شیخ عبداللہ شہر سے کچھ دور ایک باغ میں اکیلا رہتا تھا جب نماز کا وقت آتا تھا تو مزدوروں لکڑہاروں اور بستیوں کو جو اس کے صومعے کے قریب سے گذرتے تھے۔ جمع کر کے باجماعت نماز پڑھتا تھا اگر ان میں سے کوئی نماز نہ پڑھنا چاہتا تو اُسے کچھ پیسے دیکر نماز پڑھواتا تھا شیخ علائی پر اس کا بہت اثر ہوا۔ اپنے دوستوں سے کہا کہ دین و ایمان اسی کا نام ہے ہم لوگوں کا مذہب تو محض بت پرستی اور زناداری ہے۔ اور مہدوی ہو گیا۔ اب وہ بالکل بدل گیا پہلے وہ مغرور تھا اب منکسر المزاج ہو گیا۔ جن لوگوں کو اس نے پہلے ناراض کیا تھا اب ان کی جوتیاں سیدھی کرتا تھا۔ اپنا سارا مال و متاع یہاں تک کہ کتابیں بھی غربا میں تقسیم کردیں اور اپنی بیوی سے کہا کہ میرے دل میں تحقیق حق کا درد اٹھا ہے۔ اگر فقر و فاقہ پر صبر کر سکتی ہو تو بسم اللہ میرے ساتھ رہو اگر نہیں تو اپنا حق مہر لو اور جہاں تمہاری خوشی ہو جاؤ اور رہو خود وہ شیخ عبداللہ کے پڑوس میں جاکر رہا اور اس سے وہ قرآن و

حدیث پڑھتا تھا۔ کچھ عرصے کے بعد اس نے خود مہدی موعود ہونے کا
دعوی کیا اور کمال جوش و خروش کے ساتھ مہدویت کو پھیلانا شروع
کیا۔ بڑا خوش تقریر تھا۔ تھوڑے ہی عرصے میں تین چار سو آدمی اس کے
مرید ہو گئے اور اپنا گھر بار چھوڑ کر اس کے ساتھ رہنے لگے۔ روز روزی
تو "ان احمق الذین" کا اصول تھا۔ جو کچھ کماتے تھے اس کا دسواں
حصہ راہ خدا میں دیتے تھے باقی آپس میں بانٹ کر کھاتے تھے۔ ہر وقت
مسلح رہتے تھے۔ شہر میں جہاں کہیں کوئی نا مشروع بات دیکھتے تو احتساب
کرتے تھے۔ اور حکام سے مطلق نہیں ڈرتے تھے بلکہ حکام ان سے
ڈرتے تھے۔ شیخ عبد اللہ نے جب دیکھا کہ شیخ علائی لوگوں کو مار پیٹ کر
مہدوی بنا رہا ہے تو اس سے نصیحتاً کہا کہ بھائی مہدویت اگرچہ حق ہے
لیکن اسے زور و ظلم سے نہیں پھیلانا چاہیے۔ بادشاہ ناراض ہو جائیگا
تو غضب ہو جائے گا تمہیں چاہیے کہ گوشہ نشین ہو جاؤ یا حج کو چلے
جاؤ۔ شیخ علائی بارادہ حج گجرات کی طرف روانہ ہوا۔ جب خواص پور کے

ریب جو جودہپور کے علاقہ میں ہے پہنچا تو خواص خاں وہاں کا حاکم ابکی
استقبال کو آیا اور لے کے اپنے ہاں ٹھیرایا۔ لیکن چند روز میں ان سے اور
علائی سے بگاڑ ہوگیا۔ وجہ یہ ہوئی کہ خواص خاں کو سماع کا بہت شوق
تھا۔ ہر جمعرات کو اسکے گھر میں صوفی جمع ہوتے تھے اور حال قال کی محلیس گرم
ہوتی تھی۔ شیخ علائی سماع کا سخت مخالف تھا۔ خواص خاں کو اس سے
منع کیا۔ نیز اسے سپاہیوں کا حق مارنے کے لیے لعنت ملامت کی
نتیجہ یہ ہوا کہ اسے خواص پور چھوڑنا پڑا۔ گجرات جانا چاہتا تھا مگر چند ایسے
موانع پیش آئے کہ اسے بیانے واپس آنا پڑا۔ جب شیخ علائی کا آوازہ
سلیم شاہ کے کان میں پہنچا تو اسوقت وہ آگرے میں تھا ملا عبداللہ
سلطان پوری صدر الصدور سے اس نے کہا کہ شیخ علائی مہدوی
اور مبدع ہے۔ نیز داعیہ بادشاہی رکھتا ہے۔ اسلئے واجب القتل ہے
سلیم شاہ نے علائی کو بیانے سے بلوایا۔ اور ملا عبداللہ۔ میر سید
رفیع الدین محدث۔ ابوالفتح تہانیسری اور ملا جمال وغیرہ کو اس سے

بحث کرنیکو کہا چنانچہ ایک بڑا دربار منعقد ہوا۔ علائی اپنے چند مریدوں کو
جو مسلح تھے اپنے ساتھ لیتا آیا۔ جب دربار میں داخل ہوا تو آداب دربار
کا مطلق خیال نہ کرکے تمام اہل دربار کو سلام مسنون کیا۔ عیسے حجاب ایک
سردار نے شیخ کے پھٹے ہوئے کپڑے اور پھٹا ہوا جوتا دیکھکر بادشاہ
سے کہا کیا یہ شخص بایں حال وہیئت آپ سے بادشاہی چھین سکتا ہے
ناممکن ہے کہا ہم سب قبضہ میں ہیں۔ بحث شروع ہونے سے پہلے علائی
نے ایک تقریر کی جس میں اس نے دنیا کی مذمت قیامت کے
حالات علمائے وقت کی برائیاں اس موثر طریقے سے بیان کیں کہ
سلیم شاہ اور اسکے سرداروں پر باوجودیکہ قسی القلب تھے بڑی رقت
طاری ہوئی۔ اور وہ رونے لگے۔ بادشاہ دربار سے اٹھکر محل میں گیا
اور شیخ اور اسکے ساتھیوں کے لیے کھانا بھیجا۔ شیخ نے خود کھانا نہ
کھایا۔ اپنے ساتھیوں سے کہا کہ جس کا جی چاہے کھالے۔ تھوڑی
دیر کے بعد بادشاہ پھر دربار میں آیا سب لوگ اس کی تعظیم کے لیے

کھڑے ہو گئے مگر شیخ علائی بیٹھا رہا۔ اور جب بادشاہ نے اس سے
پوچھا کہ کہا نا کیوں نہیں کہاتے تو جواب دیا کہ یہ مسلمانوں کا حق ہے۔ جو
خلاف شرع آپ نے ان سے چھینا ہے۔ ہم نہیں کہاؤنگا۔ اسکے بعد
بحث شروع ہوئی۔ علائی تمام علما پر غالب آیا۔ جب میر سید رفیع الدین
نے کچھ حدیثیں ظہور مہدی کے بارے میں پیش کیں تو شیخ نے اس سے
کہا کہ آپ شافعی ہیں اور میں حنفی۔ آپ کا اصول حدیث اور ہے اور میرا اور۔
اس مبحث میں میں آپکی تاویلات اور توجیہات کیسے قبول کر سکتا ہوں
اور جب ملا عبداللہ نے کچھ کہنا چاہا۔ تو شیخ نے اس سے کہا کہ آپ
کتابوں کے عالم اور دین کے چور ہیں۔ اتنے ناجائز اور نامشروع کام
کرتے ہیں کہ اسلام کے دائرے سے خارج ہیں آپ کے گھر سے
اکثر سرود و ساز کی آواز آیا کرتی ہے بموجب ایک صحیح حدیث کے
بھی جو غلاظت پر بیٹھتی ہے اس کا مرتبہ ان عالموں سے بڑا ہے
جو بادشاہوں کو اپنا قبلہ حاجات سمجھتے ہیں اور در بدر مارے پھرا کرتے

ہیں ۔ ملا عبداللہ چپ رہا ۔ بحث کئی روز ہوتی رہی ۔ ایک روز اثنائے بحث
میں ملا جلال نے کہا کہ مہدی موعود کے بارے میں آیا ہے کہ وہ اجلی
الجبہہ ہوگا شیخ نے اس کا قطع کلام کرکے کہا واہ سبحان اللہ لوگ
آپ کو اعلم العلما کہتے ہیں اور آپ عربی کی عبارت درست نہیں پڑھ سکتے
علم حدیث کے نکات و اشارات حقایق و دقایق کیا خاک سمجھ سکتے
ہوں گے ۔ اجلی الجبہہ کو اجل الجبہہ پڑھ گئے ۔ یہ نہیں جانتے کہ اجلی افعل
التفضیل ہے جلا سے نہ کہ جلال سے جو آپ کا نام ہے ۔ ملا جلال
بہت خفیف ہوا اور کچھ نہ بولا سلیم شاہ کے دل میں شیخ علائی کی
بہت عزت ہوگئی اور اُسے کہلا بھیجا کہ علما نے تمہارے قتل و صلب کا
فتویٰ دیا ہے لیکن میں نہیں چاہتا کہ تمھیں قتل کروں ۔ مہدویت چھوڑ
دو میں تمہیں اپنی قلمرو کا محتسب بناتا ہوں ۔ اب تک تم بغیر میری اجازت
کے امر معروف اور نہی منکر کرتے تھے اب میرے حکم سے کرو ۔ شیخ
نے جواب دیا آپ کے کہنے سے میں اپنا عقیدہ نہیں بدل سکتا ۔

سلیم شاہ نے آخر کار اسے دکن کی طرف جلا وطن کر دیا۔ شیخ حسب الحکم دکن کی طرف روانہ ہوا۔ جب ہندیہ پہنچا تو بہار خاں الملقب بہ اعظم ہمایوں شروانی وہاں کے حاکم نے اس کی بڑی خاطر و مدارات کی اور اپنے ہاں مہمان رکھا۔ تھوڑے ہی عرصے میں شیخ نے اس پر ایسا جادو کیا کہ نہ صرف وہ مہدوی ہو گیا بلکہ اس کا آدھے سے زیادہ لشکر بھی دائرہ مہدویت میں داخل ہو گیا جب یہ خبر سلیم شاہ کو ملی تو بہت غصہ ہوا اور ملا عبداللہ نے اس کا غصہ اور بھڑکایا۔ شیخ علائی کو آگرے واپس ہونے کا حکم ہوا۔

سلیم شاہ اسوقت آگرے سے پنجاب نیازی پٹھانوں کا فتنہ فرو کرنے جا رہا تھا۔ جب بیانے کے قریب پہنچا تو ملا عبداللہ نے اس سے کہا کہ فتنہ صغیر یعنی شیخ علائی سے تو چندروز کے لیے نجات پائی ہے لیکن فتنہ عظیم یعنی شیخ عبداللہ نیازی جو شیخ علائی کا استاد نیازی پٹھانوں کا پیر ہے اب تک زندہ ہے اس کا دفعیہ ضروری

سلیم شاہ نے میاں بہوہ لوحانی حاکم بیانہ کو پیغام بھیجا کہ شیخ عبداللہ کو حاضر کرو۔ میاں بہوہ شیخ عبداللہ کا مرید تھا اس کے پاس گیا حقیقت حال بیان کی اور کہا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ یہاں سے بھاگ جائیے میں بادشاہ سے کوئی عذر کر لوں گا۔ شیخ عبداللہ نے جواب دیا کہ نہیں بادشاہ بہت غصہ ناک ہے اور ملا عبداللہ ہمیشہ موقعے کی تاک میں رہتا ہے اگر میں بھاگ گیا تو مجھے سخت سزا ملے گی مجھے بادشاہ کے پاس چلا جانا چاہیئے۔ جو کچھ مقدر میں ہوگا وہی ہوگا دوسرے روز وہ صبح کے وقت سلیم شاہ کے لشکر میں پہنچا۔ اسوقت لشکر کوچ کرنے کو تھا اور بادشاہ گھوڑے پر سوار ہو چکا تھا جب شیخ عبداللہ بادشاہ کے قریب گیا تو کہا السلام علیک میاں بہوہ نے اس کو کمر سے پکڑ کر جھکایا اور کہا ایہا الشیخ بادشاہوں کو اسطرح جھک کے سلام کیا جاتا ہے۔ شیخ عبداللہ نے تندی سے اس کی طرف دیکھکر کہا جو سلام مسنون ہے جو سلام صحابہ رسولؐ کو کیا کرتے تھے اور جو سلام رسولؐ صحابہ کو کیا کرتے تھے

وہی کی جو میں نے کیا۔ میں اُسکے ہوا اور کسی قسم کا اسلام نہیں جانتا۔ سلیم شاہ کو غصہ آیا۔ حکم دیا کہ مارو۔ سپاہیوں نے بڑی بے رحمی سے اُسے لاتوں۔ مکوں لکڑیوں اور تازیانوں سے مارنا شروع کیا۔ شیخ عبداللہ کو جب تک ہوش رہا کہتا جاتا تھا ربنا اغفر لنا ذنوبنا و اسرافنا فی امرنا و ثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین۔ بادشاہ نے ملا عبداللہ سے پوچھا کہ یہ کیا کہتا ہے ملا عبداللہ نے جواب دیا آپ کو اور مجھے کافر کہتا ہے بادشاہ کو اور غصہ آیا۔ حکم دیا اور مارو۔ سپاہیوں نے اُسے زیادہ زور کے ساتھ مارنا شروع کیا۔ بادشاہ کھڑا دیکھتا رہا۔ جب جانا کہ مر گیا تو کہا اب اسے چھوڑ دو اور چلا گیا۔ اتفاق سے شیخ میں ایک رمق جان باقی تھی روئی میں لپیٹا گیا۔ اور چوبیس گھنٹے آگ کے پاس لٹایا گیا تب جا کر کہیں اسے ہوش آیا یہ واقعہ سنہ ۹۵۵ھ میں ہوا۔ صحت یابی کے بعد وہ بیانے سے چلا گیا اور پنجاب میں گھومتا رہا آخر کار سرہند میں متوطن ہوا اور مہدویت سے تائب ہو کر عام مسلمانوں کی طرح رہنے لگا۔ جب کبھی مہدویت کا ذکر آتا تو ہنستا

تو یہ شعر پڑہتا تہا۔

اے خداوندان حال الاعتبا الاعتبا ہو وے خداوندان قال الاعتذار الاعتذار

جب اکبر بادشاہ اٹک جارہا تہا اور سرہند سے اس کا گذر ہوا تو شیخ عبداللہ سے ملاقات کی اور اسے کچھہ زمین بطور مدد معاش کے دی۔ شیخ مرد متوکل تہا نہیں لینا چاہتا تہا مگر بادشاہ نے اس کے لینے پر مجبور کیا سنہ میں ۹۰ برس کی عمر میں وفات پائی۔ آخر عمر میں وہ اکثر احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت پڑہا کرتا تہا۔ ایک روز محمود خاں اسکے ایک دوست نے اس سے پوچھا کہ دل کیا ہے جواب دیا دل ہم سے ہزار منزل دور ہے اس کے بارے میں کیا پوچہتے ہو۔ اخلاق کے متعلق گفتگو کرو۔

جب سلیم شاہ نیازیوں پر فتح پاکر آگرے واپس آیا تو ملا عبداللہ نے اس سے کہا کہ شیخ علائی اب تک واپس نہیں آیا اسے جلد پکڑ بلانا چاہیے اور سزا دینی چاہیے۔ بادشاہ چونکہ جانتا تہا کہ ملا عبداللہ متعصب ہے اور دلی اور آگرہ کے علما شیخ علائی سے بحث نہیں کرسکتے حکم دیا کہ وہ بہار

شیخ بدھ کے پاس بھیجا جائے اور جو شیخ بدھ کہے ویسا کیا جائے۔ چنانچہ وہ دکن سے بہار پہنچا۔ اور شیخ بدھ کے یہاں ٹھیرا۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ شیخ بدھ کے گھر سے سرود و ساز کی آواز آرہی تھی۔ شیخ علائی گھر کے اندر چلا گیا دیکھا کہ حال قال کی مجلس گرم ہے اور دیگر نامشروع باتیں ہورہی ہیں۔ بے اختیار امر معروف و نہی منکر کرنے لگا۔ شیخ بدھ ضعیف و معمر تھا اور بات کرنے میں اسے تکلیف ہوتی تھی کچھ نہ بولا۔ مگر اسکے بیٹوں نے شیخ علائی سے کہا کہ ہندوستان میں بعض رسوم ایسے ہیں کہ اگر کوئی شخص انہیں محتسب کے کہنے سے ادا نہ کرے اور اتفاق سے اسے کوئی نقصان پہنچ جائے تو عورتیں جو ناقص العقل و العلم ہیں اس نقصان کو احتساب کا نتیجہ سمجھتی ہیں۔ ادائے رسوم فسق ہے مگر نقصان کو احتساب کا نتیجہ سمجھنا کفر ہے چونکہ فسق کفر سے چھوٹا گناہ ہے اسلیے ان رسموں کا ادا کرنا انکے نہ ادا کرنے سے بہتر ہے۔ شیخ علائی نے جواب دیا کہ عورتوں کو نامشروع رسمیں ادا کرنے اور نقصان کو۔

انتساب پر کا شبہ سمجھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہیں۔ ایسی
عورتوں سے نکاح ناجائز ہے۔ شیخ بدھ کے بیٹے خاموش رہے۔ مگر شیخ
بدھ نے اپنے قصور کا اعتراف کیا اور معافی مانگی دوسرے روز ایک
خط سلیم شاہ کو لکھا اس مضمون کا کہ مسئلہ مہدویت ایسا نہیں جس پر دین کا
دارومدار ہو۔ علاوہ بریں مہدی کے علامات کے بارے میں بہت
اختلاف ہے لہذا شیخ علائی کے کفر کا فتویٰ نہیں دیا جا سکتا۔ البتہ ضرور
کفر کا احتمال ہو سکتا ہے۔ یہاں کتابیں کمیاب ہیں۔ دلی اور آگرے
کے کتب خانوں میں بہت ہونگی اس مسئلے کی تحقیق وہاں زیادہ اچھی
ہو سکتی ہے۔ جب اس کے بیٹوں نے یہ خط دیکھا تو اس سے کہا کہ ملا
عبداللہ سلطانپوری اسوقت صدر الصدور ہے آپ کو اس کی مخالفت
نہیں کرنی چاہیے ممکن ہے کہ آپ دلی یا آگرہ بلوائے جائیں آپ کے
لیے اس عمر میں اتنی مسافت کا طے کرنا کسقدر دشوار ہوگا۔ انہوں نے
وہ خط پھاڑ ڈالا اور اس سے ایک دوسرا خط لکھوایا جسکا مطلب یہ تھا

کہ ملا عبداللہ سلطانپوری عالم محقق ہی بات اس کی بات ہی اور فتویٰ اسی کا فتویٰ ہی جس وقت یہ خط سلیم شاہ کو ملا۔ اسوقت وہ پنجاب میں تھا۔ شیخ علائی کو وہیں بلوایا۔ شیخ حسب الحکم وہاں پہونچا۔ جب دربار میں حاضر ہوا تو بادشاہ نے اسے اپنے پاس بلا کر آہستے کہا کہ آہستہ سے کہدو کہ مہدویت چھوڑتا ہوں میں ہتنیں چھوڑ دونگا۔ مگر شیخ اپنی بات پر جما رہا۔ بادشاہ نے مایوس ہو کر ملا عبداللہ سے کہا کہ تم جانو اور یہ۔ ملا عبداللہ نے فتویٰ دیا کہ شیخ علائی کے کوڑے لگائے جائیں۔ شیخ ایک تو بیمار تھا دوسرے سفر کی تکلیف نے اسے اور مضمحل اور خستہ کر دیا تھا تین کوڑوں میں اس کا کام تمام ہو گیا۔ اس کی لاش ہاتھی کے پاؤں سے باندھی گئی اور لشکرگاہ میں گھسیٹی گئی۔ اور پھر بجائے دفن کئے جانے کے پھینک دی گئی بقول راوی کے اسی روز ایسی سخت آندھی آئی کہ لوگ سمجھے قیامت آگئی اور اسقدر پھول اور پتے اسکی لاش پر گرے کہ وہ زمین دفن ہو گئی۔ عوام اس بات کو شیخ علائی

کی سچائی کی دلیل سمجھے۔ اس واقعہ کے بعد سلیم شاہ کی بادشاہی جاتی رہی جیسا کہ
سیدی مولا کی شہادت کے بعد جلال الدین خلجی کی بادشاہی جاتی رہی معلوم
ہوتا ہے کہ شیخ علائی واقعی اپنے آپ کو مہدی موعود سمجھتا تھا اور جھوٹ نہیں بولتا تھا
لیکن کیا وہ سچ مچ مہدی موعود تھا نہیں۔ بات یہ ہے کہ جب ریاضت کی بدولت
کسی صوفی کا قلب قوی اور تخیل توانا ہو جاتا ہے تو وہ جو چاہے اپنے تئیں سمجھ
سکتا ہے یہی حال شیخ علائی کا تھا۔ نہ وہ مہدی موعود تھا۔ نہ کوئی اور شخص مہدی
موعود ہوگا۔ دراصل ہر مصلح الدین ہادی اور ہر محسن الملک مہدی ہوتا ہے۔

اس زمانے کے مسلمان اور ہندی فلسفہ و مذہب

اس وقت کے مسلمان تنگ خیال مغرور اور متعصب تھے۔ ہندی
علوم کے جاننے کی بہت کم کوشش کی۔ علاوہ ان کتابوں کے جن کا
ترجمہ فیروز شاہ نے کرایا جہاں تک مورخین کو معلوم ہے صرف ایک اور کتاب کا ترجمہ
ہوا۔ یہ کتاب جانوروں کے علاج کے بارے میں ہے۔ غیاث الدین کے

کے عہد میں اس کا ترجمہ ہوا اور قرۃ الملک اس کا نام رکھا گیا خلفائے عباسیہ کے عہد میں بہی اس کا ترجمہ ہوا تہا اور کتاب البیطرہ اس کا نام رکہا گیا تہا مصنف اس کا سلوتر نام ایک برہمن تھا۔ لفظ سلوتری سلوتر سے نکلا ہی۔ الیٹ صاحب نے قرۃ الملک کو لکھنو کے شاہی کتب خانے میں دیکہا تہا وہ لکہتا ہی کہ یہ ایک مختصر کتاب ہی۔ اکتالیس صفحے اس کا حجم ہی اور اس کے شروع میں لکھا ہی کہ اس کتاب کا ہندی سے فارسی میں ترجمہ ہوا تاکہ مسلمان جانوروں کا علاج کرنا سیکہہ جائیں اور ان کو کفار کی مدد کی ضرورت نہ ہی۔

اس زمانے کے مسلمان ہندی مذہب کے فلسفے اور اصول پر غور نہ کرکے اسے محض بت پرستی سمجھتے تھے۔ اور اس سے نفرت کرتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ظلم صرف اس وقت کرتے تھے جب ہندو اپنے خیالات کا اعلان اور اپنے مذہب کی اشاعت کرتے جب ہم دیکھتے ہیں کہ بدعتیوں پر بدعتوں کے پہیلانے کے جرم میں

کیا کیا ظلم ہوئے تو ہندوؤں پر اشاعت کفر کے جرم میں ظلم ہونا کوئی غیر معمولی بات نہیں معلوم ہوتی۔ فیروز شاہ تغلق کے عہد میں لدہن نام ایک برہمن تہا۔ قاضی پیارے اور شیخ بدر نام دو علما نے بادشاہ سے شکایت کی کہ لدہن کے گھر میں بہت سے بت ہیں اور وہ مسلمانوں کو بت پرستی کی ترغیب دیتا ہے۔ بادشاہ نے لدہن کی گرفتاری کا حکم دیا مختلف مقامات سے علما کو بلوایا اور ان کی رائے لی۔ سب نے ملکر فتوی دیا کہ لدہن کو چاہیے کہ مسلمان ہو جائے۔ اگر مسلمان نہو تو زندہ جلا دیا جائے بادشاہ نے لدہن سے پوچھا کہ مسلمان ہونا منظور ہے یا زندہ جلنا۔ لدہن نے زندہ جلنا منظور کیا۔ اور وہ اسی وقت سب کے سامنے جلا دیا گیا سکندر لودہی کے عہد میں ایک برہمن نے کہا کہ تمام مذاہب خدا کے نزدیک برابر ہیں۔ بشرطیکہ انسان سچے دل سے اپنے مذہب کا معتقد و پیرو ہو۔ سکندر لودہی نے فیروز شاہ کی طرح مختلف مقامات سے علما کو بلوایا اور ان کی رائے لی۔ سب نے کہا کہ سچا مذہب صرف اسلام ہے

برہمن کو چاہیے کہ اسلام قبول کرے ورنہ قتل کیا جائے۔ برہمن نے قتل ہونا پسند کیا۔ اور وہ اسی وقت سب کے سامنے قتل کر دیا گیا۔

اس زمانے کے مسلمانوں کا تمدن

عدم عقلیت کی وجہ سے تمدنی ترقی کم ہوئی بہت کم نئی چیزیں نہیں اور ایجاد ہوئیں۔ تہافتہ الفلاسفہ کے شائع ہونے کے بعد سے مسلمانوں کی توجہ ادھر کم رہی۔ شاید وہ یہ نہ سمجھے کہ بندے میں خدا کی طرح خلق کرنے کی قابلیت ہے۔ نیز یہ کہ مادہ اور قوت لایزال ہیں اور بے شمار صورتیں اختیار کر سکتے ہیں اس لیے اختراعات اور ایجادات کی کوئی حد نہیں اور ان کی تعداد مقرر نہیں ہو سکتی اس زمانے میں جو تمدنی ترقی ہوئی فیروز شاہ تغلق اور شیر شاہ سوری کے عہد میں ہوئی۔ فیروز شاہ نے بہت سی مسجدیں او مدرسے سرائیں اور پل بنوائے تالاب اور کنوئیں کھدوائے۔ فیروز آباد سے سفیدوں تک جو اس کا شکار گاہ تھا تیس میل لمبی ایک نہر کھدوائی

طاس، غیر پال نام وقت دریافت کرنے کا ایک آلہ اسکے عہد میں ایجاد ہوا۔ شیر شاہ نے ایک سڑک رہتاس بہاری سے رہتاس پنجابی تک بنوائی دونوں طرف اس کے درخت لگوائے اور ہر کوس پر ایک سرائے ایک کنواں اور ایک مسجد بنوائی۔ ایسی ہی ایک اور بھی سڑک آگرہ سے مانڈو تک بنوائی۔ اس کے عہد میں ملکی انتظام بہت اچھا تھا اتنا امن تھا کہ شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پیتے تھے۔ مالی انتظام بھی اچھا تھا۔ اکبر کا مالی انتظام شیر شاہی انتظام پر قائم تھا اور انگریزوں کا مالی انتظام اکبری انتظام پر قائم ہے۔ ان دو بادشاہوں کے گزر جانے کے بعد بادشاہوں کے عہد میں بلحاظ تمدن کوئی ایسی بات نہیں ہوئی جو قابل ذکر ہو وہ فن سیاست نہیں جانتے تھے۔ انتظام کرنا نہیں جانتے تھے۔ ۱۵۲۶ء سے ۱۸۵۷ء تک چھ سات خاندان اور تینتیس بادشاہوں نے حکومت کی۔ ان بادشاہوں میں سے نصف کے قریب یا مقتول ہوئے یا معزول۔ ان کی حکومت میں استحکام استقلال اور استواری نہ تھی۔ چل چلاؤ لگ رہا تھا۔

مغل

مغل ترکوں اور پٹھانوں سے زیادہ آزاد خیال اور وسیع مذہب تھے ماوراالنہر کے مدرسوں کے پڑھے ہوے تھے۔ اس زمانے میں ماورالنہر کا تمدن اعلیٰ درجے پر تھا۔ ہندوستان اس کے مقابلے میں ایک غیر متمدن ملک تھا بابر بادشاہ اپنی توزک میں لکھتا ہے کہ ہندوستان اتنا غیر متمدن ملک ہے کہ یہاں موم بتی اور بتی دان ایسی عام چیزیں بھی نہیں ملتیں بابر اور اس کے ساتھی ہندوستانیوں کو اُس وقت ایسا ذلیل سمجھتے تھے جیسا کہ انگریز اس وقت کے ہندوستانیوں کو سمجھتے ہیں۔

بابر کے عہد سے اورنگ زیب کے عہد تک عقلیت کا رواج رہا اور یہی زمانہ مغلوں کی ترقی کا ہے۔ اکبر کے عہد میں عقلیت درجہ کمال پر پہنچ گئی۔ اکبر بڑا محقق تھا اس نے نہ صرف اسلام چھوڑ دیا بلکہ ایک نیا مذہب جو عقل و علم پر مبنی تھا نکالا۔ جہانگیر لا مذہب تھا وہ سب مذہبوں

کو برا بر سمجھتا تھا اس کے عہد میں عیسی بدین خود موسی بدین خود تھا۔ شاہجہاں اگرچہ خود دیندار تھا مگر اس نے آزاد خیالوں کو آزادی دے رکھی تھی۔ دارا شکوہ اکبر کی طرح محقق حق اور جہانگیر کی طرح لامذہب تھا۔ اس کی وجہ سے شاہ جہاں کے عہد میں عقلیت کا چرچا رہا۔ اورنگ زیب جیسا کہ مشہور ہے بڑا پکا مسلمان تھا اور آزاد خیالی کا بڑا مخالف تھا اس کے عہد میں عقلیت کا خاتمہ ہوگیا۔ اورنگ زیب کے بعد جو بادشاہ تھے سب راسخ الاعتقاد اور ناقابل تھے عقلیت کے خاتمے کے ساتھ سلطنت کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ ذیل میں ان بادشاہوں کے عقیدے اور اس وقت کی عقلیت کے عروج زوال کا قصہ بقید عہود لکھا جاتا ہے۔

بابر

بابر برائے نام مسلمان تھا بڑا شرابی تھا اس کی توزک اس کی شراب نوشی کے قصوں سے بھری ہوئی ہے۔ آخرت کا قائل نہ تھا جیسا کہ اسکے مصرعے سے معلوم ہوتا ہے۔ بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست۔

لیکن وہ صرف عیاش نہ تھا۔ بڑا محنتی اور جفاکش بادشاہ تھا۔ بارہ برس کی عمر میں تخت پر بیٹھا اور ساری عمر اس کی جنگ و جدل میں کٹی وہ محنت کے وقت محنت عیش کے وقت عیش کرتا تھا۔ کام کے وقت کام آرام کے وقت آرام کرتا تھا۔ یہی اصول اہل فرنگ کا ہے۔ اور عقل کا تقاضا بھی یہی ہے

ہمایوں

ہمایوں ہر وقت باوضو رہتا تھا۔ خدا اور رسول کا نام کبھی بے طہارت نہیں لیتا تھا۔ علماء و مشائخ کی بہت عزت کرتا تھا۔ چنانچہ ملا عبداللہ سلطانپوری کو صدر الاسلام اور مخدوم الملک کا دوہرا خطاب دیا اور پرگنہ ٹانگوالہ ایک لاکھ روپئے کی مالیت کا اسے جاگیرداری میں دیا۔ یہ سب کچھ تھا مگر اس میں دو باتیں تھیں جو اسلامی نہ تھیں۔ ایک تو باپ کی طرح شراب پیتا تھا جس کی وجہ سے اس کی طبیعت آرام طلب ہو گئی تھی اور اسے بہت سی شکستیں کھانی پڑیں۔ دوسرے وہ نجوم کا معتقد تھا۔ اس نے اپنے

درباریوں کو تین طبقوں میں تقسیم کیا۔ اہل الدولت یعنی امرا و وزرا۔ اہل السعادت یعنی علما و مشائخ۔ اہل المراد یعنی مغنی اور رقاص۔ اتوار اور منگل کے روز وہ صرف اہل الدولت سے ملتا تھا اس لیے کہ از روئے نجوم اتوار آفتاب سے منسوب ہی اور منگل مریخ سے اور یہ دو ستارے بادشاہوں اور سپاہ گروں کے معین و محافظ سمجھے جاتے ہیں۔ جمعرات اور سنیچر کو وہ صرف اہل السعادت سے ملتا تھا اس لیے کہ جمعرات منسوب بہ مشتری اور سنیچر منسوب بہ زحل ہی اور یہ دو ستارے علما و مشائخ کے دوست و مہربان سمجھے جاتے ہیں۔ پیر اور بدھ کو وہ صرف مغنیوں اور رقاصوں سے ملتا تھا اس لیے کہ پیر منسوب بہ مہتاب اور بدھ منسوب بہ زہرہ ہی اور یہ دو ستارے حسن و رقص سے تعلق رکھتے ہیں۔ جمعے کے روز وہ دربار عام کرتا تھا اور سب سے ملتا تھا

یہ خیال کہ ستاروں کا انسان کی قسمت پر اثر پڑتا ہی اسلامی نہیں۔ مسلمانوں نے ایرانیوں سے لیا ہی۔ مسلمانوں کو اس سے بہت نقصان پہنچا۔ مسلمان بادشاہ کوئی اہم کام نہیں کرتے تھے۔ جب تک کہ از روئے نجوم یعنی

ہموں کی رائے ہیں جو نہایت چالاک ہوتے تھے اور ان کو اُلّو بنایا کرتے
تھے وقت مبارک نہیں ہوتا تھا۔ نتیجہ اس کا یہ ہوتا تھا کہ وہ کام اکثر ٹھیک وقت پر
نہیں ہوتا تھا اور ان کو نا کام ہونا پڑتا تھا ایک اور نقصان جو ان کو ہوا وہ یہ ہے
کہ چونکہ وہ خود نہیں سوچتے تھے کہ کوئی کام کس وقت کرنا چاہیئے مشکلات
میں فیصلہ کرنے کی قوت ان کی سلب ہو جاتی تھی اور جب اُن پر کوئی
مصیبت آتی تھی تو مبہوت ہو جاتے تھے۔ تقریباً سب مغل بادشاہ نجوم
کے معتقد تھے۔

اکبر

اکبر شروع میں بہت مذہبی تھا آہستہ آہستہ اسے علماء سے نفرت ہو گئی
پھر اسلام سے نفرت ہو گئی اور بے دین ہو گیا آخر میں اس نے نیا
مذہب نکالا۔ یہ مختلف تبدیلیاں جو اس کے عقائد میں واقع ہوئیں ذیل
میں بقید سنوات کچھ تفصیل کے ساتھ بیان کی جاتی ہیں۔

ایام جاہلیت

شروع میں اکبر اس قدر خوش اعتقاد تہا کہ خود اذان دیا کرتا تہا خود امامت
کیا کرتا تہا بغرض ثواب مسجد میں جہاڑو دیا کرتا تہا۔ سرکاری خرچ سے مسلمانوں
کو مکے بہیجا کرتا تہا۔ اجمیر کی زیارت کو پیدل جایا کرتا تہا اور وہاں جاکر بہت سا
روپیہ اڑایا کرتا تہا بڑا پیر پرست اور ملا نواز تہا۔ شیخ سلیم چشتی فتحپوری کا اتنا
معتقد تہا کہ جب جہانگیر کی والدہ کا وضع حمل کا وقت قریب آیا تو اسے شیخ کی
خانقاہ میں بہیج دیا۔ جہانگیر وہیں پیدا ہوا اور اس کا نام سلیم رکہا گیا۔ فتحپور
جو ایک چہوٹا سا گانوں تہا۔ دار السلطنت بنایا گیا۔ دلی اور آگرہ اس کے
سامنے بے رونق ہو گئے۔ دربار میں مخدوم الملک ملا عبد اللہ سلطانپوری
میر سید میر عدل۔ قاضی یعقوب اور شیخ عبد النبی صدر الصدور حاکم
موخر الذکر کا بہت زور رہا۔ شیخ عبد النبی ولد شیخ احمد ولد شیخ عبد القدوس
گنگوہی امام ابو حنیفہ کی اولاد سے تہا۔ پہلے صوفی تہا۔ ایک پہر تک
حبس نفس کر سکتا تہا۔ کئی برس مکے اور مدینے میں رہا اور وہاں علم حدیث
پڑہتا رہا۔ وہاں سے واپس آنے کے بعد ترک تصوف کرکے محدثوں

اور فقیہوں کی طرح رہنے۔ اکبر اس کی عزت کرتا تھا۔ علم حدیث سننے کبھی کبھی اس کے گھر جایا کرتا تھا اور اس کی جوتیاں سیدھی کیا کرتا تھا۔ اُسے جہانگیر کا استاد بھی مقرر کیا۔ بادشاہ کے اس قدر مہربان ہونے کی وجہ سے شیخ بہت مغرور تھا۔ جب دیوان خانے میں بیٹھتا تھا تو اس کا دماغ عرش معلےٰ پر ہوتا تھا بڑے بڑے علما اور مشائخ اس کے سامنے کھڑے رہتے تھے مگر وہ کسی کے لئے کھڑا نہیں ہوتا تھا۔ ظہر کی نماز کا وضو کرسی صدارت پر بیٹھکر کرتا تھا مستعمل پانی کے قطرے ان کے سر منہ اور کپڑوں پر گرتے تھے مگر وہ کچھ خیال نہیں کرتا تھا مذہبی تعصب میں وہ مخدوم الملک سے کچھ کم نہ تھا مخدوم الملک نے اپنی صدارت کے زمانے میں مہدویت کے جرم میں شیخ عبداللہ نیازی کو پٹوایا تھا اور شیخ علائی کو مروایا تھا۔ شیخ عبدالنبی نے اکبر کے اوائل عہد میں خضر خاں شروانی کو سب نبی اور میر حبش کو رفض کے جرم میں قتل کرایا۔ اسی طرح نہ معلوم کتنے اور لوگ قتل ہوتے۔ اگر فیضی اور ابوالفضل کی دربار میں رسائی ہو گئی اور مخدوم الملک اور

عبدالنبی کا زور ٹوٹ گیا۔ ہر فرعونے راموسیٰ۔ مخدوم الملک اور عبدالنبی فرعون صفتوں کے لیے فیضی اور ابوالفضل کے سے موسیٰ اور ہارون پیدا ہو گئے۔ موسیٰ اور ہارون نے خدا کی مدد سے فرعون کو شکست دی فیضی اور ابوالفضل نے اپنے باپ کی مدد سے علما کو شکست دی اور نہ صرف علما کو شکست دی اور ذلیل کیا بلکہ بادشاہ کو ملحد بنا دیا۔ ان دو بھائیوں کی رسائی دربار میں عجیب طریقے سے ہوئی ۹۷۵ھ میں مخدوم الملک عبدالنبی اور دیگر علما نے ان کے والد شیخ مبارک کو قتل کرانے کی کوشش کی۔ شیخ مبارک عالم متبحر تھا۔ اس نے امام رازی کی تفسیر کبیر کے مقابلے میں منبع نفائس العیون نام چار جلدوں میں ایک ضخیم تفسیر لکھی۔ جوامع الکلم نام ایک کتاب اخلاق پر بھی لکھی۔ سلیم شاہ کے عہد میں جو مباحثہ علمائے وقت نے شیخ علائی سے کیا تھا اس میں شیخ مبارک بھی شریک تھا اور چونکہ شیخ علائی سے ہمدردی ظاہر کی تھی مہدوی مشہور ہو گیا تھا۔ اکبر کے عہد میں وہ آگرہ میں فقیرانہ زندگی

بسر کرتا تھا اور درس و تدریس میں مشغول رہتا تھا۔ علما نے اکبر سے کہا کہ
شیخ مبارک مہدوی اور مبتدع ہے ضال اور مضل ہے اس کا قتل ضروری ہے
اور بادشاہ سے اسے گرفتار کرنے کی اجازت لیلی۔ شیخ مبارک کو
پہلے سے اس کی خبر ہوگئی اور اپنے لڑکوں کو لیکر آگرے سے بھاگ گیا
جب سپاہی اس کے گھر پہنچے تو اسے خالی پایا اس کی مسجد کے منبر کو توڑ
کر خالی واپس چلے آئے۔ شیخ مبارک پہلے۔ شیخ سلیم چشتی سے متوسل
ہوا۔ شیخ سلیم نے اس کی سفارش تو نہ کی لیکن اسے کچھ خرچ بھیج دیا اور کہلا
بھیجا کہ بہتر ہوگا کہ آپ گجرات چلے جائیں۔ شیخ مبارک بجائے گجرات
جانے کے مرزا عزیز کوکہ کے پاس گیا مرزا عزیز نے بادشاہ سے
اسکے علم و فقر اور اس کے لڑکوں کی قابلیت کا ذکر کیا اور کہا کہ شیخ
مرد متوکل ہے اسے کچھ وظیفہ سرکار سے نہیں ملتا ایسے شخص کو تو رنجیدہ
ہی نہیں کرنا چاہیئے چہ جائے کہ اس پر ظلم کیا جائے۔ بادشاہ نے شیخ
مبارک کو معاف کر دیا اور اسکے بڑے لڑکے فیضی کو بلوایا اور

درباری بنایا۔ ابوالفضل اسوقت چھوٹا تھا دربار جانے کے قابل نتھ
پانچ چھ برس کے بعد اسکی بھی وہاں رسائی ہوگی۔

دربار پہنچتے ہی وہ علما کا خوب مقابلہ کرنے لگے اور انکی رائوں اور
فتووں پر اعتراض کرنے لگے ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ بادشاہ نے نوروز
کے روز زعفرانی کرتہ پہنا۔ شیخ عبدالنبی بہت خفا ہوا اور غصہ میں چھڑی
ہلانے لگا۔ اتفاق سے وہ بادشاہ کے کرتے میں اٹک گئی اور وہ ذ
سا پھٹ گیا بادشاہ بہت رنجیدہ ہوا اور اپنی والدہ سے جاکر شکایت کی
والدہ نے اسے سمجھایا اور کہا پسرم گراں خاطر نشوی باعث نجات آخروی
است در قیامت خواہند گفت کہ ملائے مفلوک با بادشاہ عصر ایں چنیں
حرکت کرد۔ دربار میں اس پر بحث ہوئی تھی حاجی ابراہیم سرہندی نے کہا ک
سرخ اور زعفرانی لباس جائز ہے اور اپنے دعوے کی تائید میں ایک حدیث
پیش کی سید محمد میر عدل کو بہت غصہ آیا۔ بادشاہ کے سامنے اسے
بدبخت اور ملعون کہا اور مارنے کو عصا اٹھایا۔ مگر حاجی جلدی اٹھ

سامنے سے ہٹ گیا۔ کچھ روز بعد بادشاہ نے اپنے مقربوں کی دعوت کی۔ دستر خوان پر منجملہ اور کھانوں کے ایک مزعفر کھانا آیا اور اسے سب کھانے لگے ابوالفضل نے شیخ عبدالنبی سے کہا ایہا الشیخ اس روز تو آپ نے بادشاہ کے زعفرانی کرتے پر اعتراض کیا تھا اور آج آپ مزعفر کھانا کھا رہے ہیں شیخ عبدالنبی نے جواب دیا کہ زعفرانی کرتہ پہننے اور مزعفر کھانا کھانے میں بہت فرق ہے۔

عبادت خانہ اور مباحثے

سنہ ۹۸۲ میں اکبر جنگ و جدل سے فارغ ہو چکا اور مستقل طور سے فتح پور سیکری میں رہنے لگا اس زمانے میں اس کا طرز زندگی یہ تھا رات کو وہ عبادت کیا کرتا تھا اکیلا پتھر پر بیٹھ کر گھنٹوں یا ہو یا ہادی پکارا کرتا تھا دن کو سلطنت کے کاروبار سے فراغت پانے کے بعد مذہبی اور علمی مباحثے سنا کرتا تھا اور خود ان میں شریک ہوتا تھا

چونکہ علما کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی دربار ان کے لیے کافی نہ تھا ایک نئے مکان کی ضرورت محسوس ہوئی شیخ سلیم چشتی کی خانقاہ کے قریب ایک حجرہ تھا جس میں شیخ عبداللہ نیازی جن دنوں وہ شیخ سلیم کا مرید تھا رہتا تھا وہ از سر نو تعمیر ہوا اور اس کا نام عبادت خانہ رکھا گیا۔ عبادت خانے کے چاروں طرف ایک وسیع ایوان بنایا گیا۔ ایوان کے پاس انوپ تلاؤ نام ایک خوبصورت تالاب کھدوایا گیا۔ اکبر اکثر شام کے وقت مقربوں کے ساتھ اسکے گرد ٹہلا کرتا تھا۔ جمعرات کو عبادت خانے میں بڑا جلسہ ہوا کرتا تھا اور علمی فقہی اور حکمی مسائل پر گفتگو ہوا کرتی تھی امرا ایوان کے مشرقی حصے میں۔ سادات مغربی حصے میں علما جنوبی حصے میں اور مشائخ شمالی حصے میں بیٹھتے تھے۔ بادشاہ باری باری ایوان کے ہر حصے میں جاتا تھا جن کو زر کی ضرورت ہوتی تھی ان کو زر دیتا تھا جن کی کتابوں کی ضرورت ہوتی تھی ان کو کتابیں دیتا تھا جن کو عقل کی ضرورت ہوتی تھی ان کو ڈانٹ دیتا تھا۔ ایک مرتبہ علما اثنائے بحث میں آپس میں لڑنے لگے اور

اور چلّا کر بولنے لگے بادشاہ کو برا معلوم ہوا عبدالقادر بدایونی سے کہا جو شخص نامعقول بات کہے مجھ سے کہو میں اسے یہاں سے نکال دونگا بدایونی نے چپکے سے آصف خاں سے کہا بریں تقدیر اکثرے را باید برخیزانند۔ بادشاہ نے پوچھا کیا کہا اور جب اسے معلوم ہوا کہ بدایونی نے کیا کہا تھا تو بہت محظوظ ہوا۔

اکبر بہت بڑا متلاشی حق تھا جب کبھی سن پاتا کہ کسی شخص کے عجیب اور غیر معمولی خیالات ہیں تو اسے بلواتا اور اس سے باتیں کرتا تھا۔ چنانچہ شیخ عبداللہ نیازی کو سرہند سے فتحپور بلوایا اور اس سے میر سید محمد جونپوری مہدی کے حالات اور مہدویت کے مسئلے دریافت کئے ایک روز جلال خاں قورچی نے اکبر سے کہا کہ شیخ ضیاء اللہ ولد شیخ محمد غوث بڑا متقی فقیہ ہے ایک روز میں اس سے ملنے گیا دیکھا کہ وہ اپنے مریدوں کے ساتھ بیٹھا گیہوں کھا رہا ہے کچھ مجھے دینے چونکہ حجرے میں بھیج دئیے بادشاہ نے شیخ ضیاء اللہ کو آگرے سے بلوایا اور عبادت خانے

میں ایک کمرہ اسے رہنے کو دیا۔

جب مباحثے باقاعدہ طور سے ہونے لگے تو علما کے دو فریق ہو گئے ایک فریق تنگ خیال علما کا تھا دوسرا آزاد خیال علما کا۔ تنگ خیال علما زیادہ تر علوم نقلیہ کے عالم تھے اور آزاد خیال علما علوم نقلیہ کے علاوہ علوم عقلیہ بھی جانتے تھے۔ تنگ خیال علما آزاد خیالوں کو ملاحدہ اور آزاد خیال علما تنگ خیالوں کو فقیہہ کہا کرتے تھے۔ ان دو فریقوں میں بڑی گرم بحثیں ہونے لگیں۔ اکبر چونکہ طالب حق اور بڑا نقاد تھا ملاحدہ کا طرفدار ہو گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر درباری ملحد ہو گئے اور تنگ خیال علما کا قافیہ تنگ کرنے لگے۔ تنگ خیال علما میں سب سے پہلے مخدوم الملک کی شامت آئی۔ ابوالفضل او حاجی ابراہیم سرہندی اس کی ہر بات پر اعتراض کرتے تھے اور اسے ذلیل کرانے کی کوشش کرتے تھے۔ بادشاہ خوش ہوتا تھا اس سے اوروں کو بھی جرات ہوتی تھی۔ ایک رات خان جہاں نے بیان کیا کہ مخدوم الملک نے فتویٰ دیا ہے کہ آج کل

حج کو جانا نہ صرف فرض نہیں بلکہ برا ہے وہ کہتا ہے کہ مکے جانے کے دو راستہ ہیں ایک راستہ خشکی کا ہے دوسرا تری کا۔ خشکی کے راستے میں ایرانیوں سے تبرا سننا پڑتا ہے۔ تری کے راستے میں جہاز کے ٹکٹوں پر مریم اور عیسیٰ کی تصویریں دیکھنی پڑتی ہیں ایک اور شخص نے بیان کیا کہ مخدوم الملک زکوٰۃ سے بچنے کے لیے سال کے آخر میں اپنی ساری جائداد بیوی کے نام لکھ دیتا ہے اور سال کے ختم ہونے سے پہلے پھر واپس لے لیتا ہے۔ اس قسم کے بہت سے قصے بادشاہ سے کہے گئے۔ بادشاہ نے اس سے پوچھا کہ آپ پر حج فرض ہے یا نہیں جواب دیا نہیں میں غریب آدمی ہوں مجھ پر حج فرض نہیں

سب سے بڑا مسئلہ جس پر شروع میں عبادت خانے میں بحث ہوئی وہ مسئلہ متعہ ہے ایک رات بادشاہ نے علما سے پوچھا کہ زیادہ سے زیادہ کتنی عورتوں سے نکاح جائز ہے انہوں نے جواب دیا چار سے بادشاہ نے کہا کہ عنفوان شباب میں میں شریعت کے اس حکم کا

پابند یہ تھا بہت سی عورتوں سے نکاح کر لیا اب سکا کیا علاج ہو سکتا ہے۔ علما نے مختلف جواب دیئے بادشاہ نے کہا کہ شیخ عبدالنبی سے میں نے ایک دفعہ یہ مسئلہ پوچھا تھا اس نے کہا کہ قرآن میں آیا ہے فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلاث ورباع اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نو عورتوں سے نکاح جائز ہے علما نے کہا کہ مجتہد ابن ابی لیلیٰ کی ہی یہی رائے ہے۔ ایک اور مجتہد بھی ہے جس نے اس آیت سے اٹھارہ عورتوں کا جواز ثابت کیا ہے۔ مگر یہ دونوں روایتیں مرجوح ہیں قابل عمل نہیں۔ شیخ عبدالنبی اس وقت عبادت خانے میں موجود نہ تھا۔ بادشاہ نے اس کی رائے پچھوا منگائی۔ شیخ نے کہلا بھیجا کہ میں نے کہا تھا کہ ایک مجتہد کی رائے میں نو عورتوں سے نکاح مباح ہے میں نے خود اباحت کا فتوے نہیں دیا تھا۔ بادشاہ بہت خفا ہوا۔ کہنے لگا شیخ جھوٹا ہے پہلے اس نے کچھ کہا تھا اب کچھ کہتا ہے۔ آخر کار علما نے فیصلہ کیا کہ نکاح صرف چار عورتوں سے جائز ہے لیکن متعہ کے لیے تعداد مقرر نہیں جتنی عورتوں سے کوئی چاہے متعہ کر سکتا ہے

متعہ شیعوں اور مالکیوں دونوں کے یہاں جائز ہے۔ نقیب خاں
نے اس فیصلہ پر اعتراض کیا اور موطائے امام مالک میں سے ایک
حدیث پڑھی جس سے متعہ کی ممانعت صاف ثابت ہوتی تھی لیکن علمائے
کہا کہ یہ حدیث کمزور ہے۔ بحث دو تین ہفتے ہوتی رہی۔ ایک رات قاضی یعقوب
حاجی ابراہیم سرہندی۔ شیخ ابوالفضل۔ عبدالقادر بدایونی وغیرہ بادشاہ کے پاس
عبادت خانے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ شیخ ابوالفضل نے متعہ کے متعلق امام
باپ کی جمع کی ہوئی چند روایتیں پیش کی تھیں اور ان پر بحث ہو رہی تھی بادشاہ
نے بدایونی سے پوچھا کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ بدایونی نے جواب دیا کہ روایات
مختلفہ کا لب لباب یہ ہے کہ متعہ مالکیوں اور شیعوں کے ہاں جائز اور حنفیوں کے
ہاں حرام ہے لیکن اگر مالکی قاضی اسکے امضا کا حکم دیدے تو اسوقت وہ
حنفیوں کے ہاں بھی جائز ہو جاتا ہے۔ یہ بات بادشاہ کو معقول معلوم ہوئی
لیکن قاضی یعقوب نے اسپر اعتراض کیا اور کہا کہ ایک امام کا پیرو دوسرے
امام کا حکم کیسے مان سکتا ہے۔ بدایونی نے جواب دیا کہ یہ کوئی ناممکن بات

نہیں۔ قرات فاتحہ کے مسئلے کو لیجئے۔ شیخ بہاء الدین ذکریا ملتانی با وجود حنفی ہونے کے جب بغداد گئے اور شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی سے جو شافعی تھے ملے تو ان کے کہنے سے امام کے پیچھے قرات پڑھنے لگے۔ جب وہ ہندوستان واپس آئے تو چند تنگ خیال علما نے اس پر اعتراض کیا لیکن دلی کے قاضیوں نے عموماً ان کے اس فعل کو نہ صرف جائز بلکہ مستحسن کہا۔ قاضی یعقوب سے کچھ جواب نہ بن پڑا۔ ہار مان کر بادشاہ سے کہا بہت اچھا متعہ مباح ہی مبارک ہو۔ بادشاہ نے اسی وقت قاضی یعقوب کو معزول کیا اور قاضی حسین عرب کو جو مالکی تھا قاضی مقرر کیا۔ حسین عرب نے اسی وقت اپنے مذہب کے مطابق متعہ کے جواز کا فتویٰ دیا۔ کچھ روز بعد قاضی یعقوب کو نہ بھیج دیا گیا اور بحث ختم ہو گئی۔ انہی دنوں بادشاہ نے قاضی جلال الدین ملتانی اور دیگر علما کو قرآن کی تفسیر کے لکھنے کا حکم دیا۔ لیکن علما میں آپس میں اسقدر اختلاف ہوا کہ کچھ نہ لکھ سکے۔ بادشاہ کی رائے اسکے بارے میں بہت خراب ہو گئی۔ اسی سال حکیم ابوالفتح گیلانی اور اس کے دو بھائی حکیم نورالدین

اور حکیم ہمام اور ملا محمد یزدی ایران سے فتح پور سیکری آئے حکیم ابوالفتح ملحد متعصب تھا اور ملا یزدی سخت شیعہ تھا۔ ان کی وجہ سے اور نیز بیر بر وغیرہ ہندوں کی وجہ سے وہ عبادت خانے کے مباحثوں میں شریک ہونے لگے تھے آزاد خیالوں کا فریق بہت زبردست ہو گیا۔

۹۸۴ھ میں بادشاہ نے راجپوتانے اور گجرات کی طرف فوج کشی کی اس لیے مباحثے موقوف رہے۔ ۹۸۵ھ میں جب بادشاہ دیبالپور میں تھا تو محمد شریف آملی نقطوی سے ملا اور اسکے خیالات سے بہت متاثر ہوا۔ مذہب نقطویہ کو امنا اور محمودیہ بھی کہتے ہیں۔ اس مذہب کا بانی محمود بساخوانی امیر تیمور کا ہمعصر تھا بساخوان گیلان کے علاقہ میں ایک گاؤں ہے۔ محمود کا خیال تھا کہ عالم خاک کے نقطوں یعنی ذروں سے بنا ہے قدیم ہے۔ برے کاموں کی سزا اور اچھے کاموں کی جزا بذریعہ تناسخ اسی دنیا میں مل جاتی ہے۔ جنت دنیاوی عافیت اور دوزخ دنیاوی مذلت کا نام ہے۔ محمود اپنے تئیں شخص واحد کہتا تھا مہدی موعود ہونے کا دعوے کرتا تھا اور کہتا تھا کہ "عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً" میں میرے

ظہور کا اشارہ ہے میرے آنے سے محمد کا دین منسوخ ہو گیا ہے ۔ بیرہ رسالے اپنے مذہب کے متعلق لکھے ۔ بحر و کوزہ نام ایک کتاب بھی لکھی جو اسکے خیالات کا خلاصہ ہے ۔ نقطوی مجرد کو واحد اور متاہل کو امین کہتے تھے ۔ اللہ اللہ انکا سلام تھا شاہ عباس صفوی نے ان پر بہت ظلم کیا ۔ میر سید کاشی کو جو ان کا سر گروہ تھا اپنے ہاتھ سے قتل کیا ۔ محمد شریف بھی اس کے خوف سے مارا مارا پھرتا رہا ۔ بیچارا جہاں جاتا تھا ستایا جاتا تھا ۔ کچھ روز وہ بلخ میں مولانا محمد زاہد نبیرہ شیخ حسین خوارزمی کی خانقاہ میں صوفیوں کے ساتھ رہا ۔ مگر آزاد خیالی اور راست گوئی کی وجہ سے وہاں سے نکالا گیا ۔ مولانا محمد زاہد نے اس کی شان میں کچھ اشعار کہے ان میں سے ایک یہ ہے ۔

ہست یک ملحدے شریف بنام ناتمامے بطور خویش تمام

بلخ سے وہ بیجاپور آیا ۔ وہاں کے بادشاہ نے پہلے اسے قتل کرنا چاہا مگر بعد میں اسے رحم آ گیا صرف گدھے پر سوار کر کے شہر میں پھرایا اور پھر نکال دیا ۔ ان دنوں اکبر دیپالپور میں تھا شریف نے ادھر کا رخ کیا ۔ لشکر سے پانچ

یس کے فاصلے پر ٹھیرا۔ لوگ اس کا شہرہ سن ہی چکے تھے امیر ٹوٹ پڑے
ایرانی ملاحدہ نے مشہور کیا کہ مجدد عشر مایتہ وہی ہے بادشاہ کو اس سے ملنے
بہت شوق ہوا۔ اور اسے بلوایا۔ جب دربار میں آیا تو بڑی دیر تک گردن جھکائے
کھڑا رہا۔ جب بادشاہ نے اسے بیٹھنے کو کہا تو سجدہ کر کے دوزانو بیٹھ گیا بخشیش
کیا گیا اور بادشاہ بڑی دیر تک اس سے باتیں کرتا رہا۔ اسی دن سے وہ بادشاہ
کا مقرب ہو گیا۔

۹۸۹ھ میں ایک واقعہ پیش آیا جس کی وجہ سے شیخ عبدالنبی معتوب
ہو گیا۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ بادشاہ گو گجرات سے واپس آئے ہوئے چند روز ہوئے
تھے کہ قاضی عبدالرحیم قاضی متھرا نے شیخ عبدالنبی سے شکایت کی کہ میں متھرا
میں مسجد بنانا چاہتا تھا اور اینٹیں خرید کر رکھوا دی تھیں مگر وہاں کا ایک متمول
برہمن ایک روز موقع پاکر انہیں اٹھوا لے گیا۔ اور انہی اینٹوں سے مندر
بنوانا شروع کیا۔ جب اسے روکا تو اسلام کی اہانت کرنے لگا اور رسول
خدا کو گالیاں دینے لگا۔ شیخ عبدالنبی نے برہمن کو متھرا سے بلوایا مگر وہ

نہ آیا اس کے بعد بیر برا ور ابو الفضل کو تحقیقات کے لیے متھرا بھیجا. انہوں نے
وہاں جا کر تحقیقات کی اور گواہوں کے اظہار لیے اور جب برہمن کا جرم ثابت
ہو گیا تو اسے گرفتار کر کے فتح پور لے آئے. شیخ عبد النبی نے اسکے قتل کا فتویٰ
دیا لیکن بیگمات چاہتی تھیں کہ چھوٹ جائے. شیخ نے کئی بار بادشاہ سے
برہمن کے قتل کی اجازت مانگی مگر بادشاہ بیگمات کی خاطر یا خوف سے یہ کہہ کر
کہ سیاسات شرعی آپ سے متعلق ہیں اسے ٹال دیتا تھا. اور صاف طور
سے اسے اجازت نہیں دیتا تھا. ایک روز شیخ کے تقاضوں سے دق
آ کر کہا کہ میں اپنی رائے دے چکا ہوں. مجھ سے بار بار پوچھنے سے کیا فائدہ
شیخ نے فوراً برہمن کو قتل کرا دیا. جب بادشاہ کو خبر ہوئی تو بہت غصے ہوا
بیگمات نے اس سے کہا کہ آپ ملاؤں پر اتنے مہربان ہیں اور یہ اتنے
مغرور اور خود پسند ہیں کہ آپ کی خوشنودی کا کچھ خیال نہیں کرتے
اظہار جاہ کے لیئے بے گناہوں کو قتل کرتے ہیں. اور اس کا غصہ اور
بھڑکایا. حکم ہوا کہ اس مسئلے کی تحقیق ہو. ایک رات انوپ تلاؤ کے کنارے

مجلس بحث منعقد تھی اور علما اپنی اپنی رائے دے رہے تھے ایک نے کہا کہ گواہوں سے کسی نے جرح کی تھی۔ دوسرے نے کہا کہ اگر کوئی ذمی سبّ نبی کا مرتکب ہو تو امام اعظم کے نزدیک وہ نقض عہد اور ابرائے ذمہ کا مجاز نہیں ہوتا حنفیوں کی تمام کتابوں میں ایسا لکھا ہے تعجب کی بات ہے کہ شیخ عبد النبی نے اپنے دادا سے اختلاف کیا۔ تیسرے نے کہا کہ اگر ننانوے روایتیں مقتضی قتل ہوں اور صرف ایک روایت موجب رہائی تو مفتیوں کو چاہیے کہ اس ایک روایت کو ترجیح دیں۔ بادشاہ نے بدایونی کو اپنے نزدیک بلایا اور پوچھا کہ تمہارا کیا خیال ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میرا بھی یہی خیال ہے بموجب اس روایت کے "ان الحدود والعقوبات تندری بالشبہات" اور اسکے معنی فارسی میں بادشاہ کو سمجھائے بادشاہ نے افسوس کر کے پوچھا کہ کیا شیخ عبد النبی اس روایت کو نہیں جانتا تھا کہ بیچارے برہمن کو قتل کرا دیا بدایونی نے جواب دیا کہ شیخ بڑا عالم ہے یہ روایت ضرور جانتا ہو گا لیکن کسی مصلحت سے برہمن کو قتل کرایا ہو گا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ وہ مصلحت

کیا ہو سکتی ہے بدایونی نے جواب دیا سد باب فتنہ و قلع مادہ دلیری عوام الناس اور شفائی قاضی عیاض کی ایک روایت بطور سند کے پیش کی۔ حاضرین نے اس پر اعتراض کیا اور کہا کہ قاضی عیاض مالکی ہے اس کی روایت حنفی مذہب میں سند نہیں ہو سکتی بدایونی نے جواب دیا کہ قاضی عیاض اگرچہ مالکی ہے مگر ایک محقق مفتی ہے اگر سیاسی مصلحت سے اس کی روایت پر عمل کیا جائے تو شرعاً جائز ہے۔ بادشاہ بہت خفا ہوا۔ بقول بدایونی کے اس کی مونچھیں شیر کی مونچھوں کی طرح کھڑی ہو گئیں۔ غضب ناک آواز میں بدایونی سے کہا این نامعقول ہست کہ میگوئی۔ بدایونی کچھ نہ بولا سلام کر کے پیچھے ہٹ گیا۔

اس واقعے کے بعد شیخ عبد النبی نے دربار میں جانا چھوڑ دیا مخدوم الملک جو شیخ کے جاہ و اقبال پر حسد کرتا تھا بہت خوش ہوا۔ اس نے ایک رسالہ لکھا اس میں یہ دکھایا کہ شیخ عبد النبی نے خضر خاں کو سب نبی اور میر حبش رفض کے جرم میں ناحق قتل کرایا تھا اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں کیونکہ

اس کے والد نے اسے عاق کیا تھا نیز اسے بواسیر کی بیماری ہے۔ شیخ عبدالنبی نے اس کا جواب لکھا اس میں اس نے مخدوم الملک کی تجہیل و تضلیل میں کچھ کسر باقی نہ رکھی فقہا کے دو فریق ہو گئے ایک فریق مخدوم الملک کا طرفدار تھا دوسرا فریق عبدالنبی کا۔ ان دو فریقوں میں اب خوب تھکا فضیحتی ہوتی تھی اور ملاحدہ تالیاں بجاتے تھے۔ فقہا کے بارے میں بادشاہ کی رائے اور خراب ہو گئی اب تک عبادت خانے میں فقہی مسائل پر بحث ہوا کرتی تھی اب وحی نبوت اعجاز حشر و نشر وغیرہ مسئلوں پر جو دین کے اصول ہیں بحث ہونے لگی ان مباحثوں کا شروع ہونا تھا کہ بادشاہ ان سب باتوں کا منکر ہو گیا۔ نماز روزہ اور تمام معجزات کو تقلیدیات خیال کرنے لگا۔ اور بجائے نقل کے عقل کو دین کا مدار سمجھنے لگا

تحقیق حق

کافر ہو جانے کے بعد اکبر بڑی سرگرمی سے تحقیق حق میں مشغول ہوا کچھ روز اس نے دیوی نام ایک برہمن کی شاگردی کی۔ محل کی دیوار کے ساتھ

باہر کی طرف ایک چارپائی لگی رہتی تھی رات کو دیوی رسی سے اوپر کھینچ لیا جاتا تھا اور چارپائی پر بٹھا دیا جاتا تھا بادشاہ اپنی خوابگاہ میں بیٹھا ہوا گھنٹوں اس سے برہما۔ مہادیو۔ بشن۔ کشن۔ رام۔ مہامائی وغیرہ کے قصے سنا کرتا تھا اور بت پرستی کے طریقے سیکھا کرتا تھا۔ کچھ روز اس نے شیخ تاج الدین کی جو تاج العارفین کہلاتا تھا اور تصوف میں شیخ ابن عربی کا ثانی سمجھا جاتا ہے شاگردی کی۔ شیخ بھی دیوی برہمن کی طرح رات کو چارپائی پر بٹھا دیا جاتا تھا۔ اس نے بادشاہ کو تصوف کے اسرار بتائے اور مسائل وحدت وجود۔ ایمان فرعون۔ ترجیح رجا بر خوف وغیرہ سمجھائے۔ کچھ روز بادشاہ نے شیخ یعقوب کشمیری کی جو مرشد و مقتدائے عصر سمجھا جاتا تھا شاگردی کی۔ اور عین القضات ہمدانی کا فلسفہ سیکھا۔ عین القضات کا خیال تھا کہ محمد اسم الہادی کا مظہر ہے اور ابلیس اسم المضل کا مظہر ہے دنیا ان دو اسموں کا ظہور ہے دونوں مظہر لازم ملزوم ہیں کچھ روز بادشاہ نے ملا محمد یزدی کی جسے لوگ ملا قائل یزیدی کہتے تھے شاگردی کی اور اس سے تشیع اور امامت کے مسئلے

دریافت کرتا رہا۔ ملا محمد یزدی نے صحابہ وغیرہ کی برائیاں بادشاہ سے
جی کھول کے کیں بادشاہ شیعہ تو نہوا مگر سلف کی بزرگی اور تقدس
کا منکر ہوگیا کچھ روز اس نے بیربر کی شاگردی کی۔ بیربر نے اس سے
کہا کہ آفتاب مظہر تامہ ہی غلہ اس کی تاثیر سے پیدا ہوتا ہی پھل اسکی
تاثیر سے پکتا ہی۔ سبزہ اس کی تاثیر سے اُگتا ہی ساری مخلوقات کی
زندگی اس سے وابستہ ہی اس لیے لایق پرستش ہی۔ اسی طرح آگ پانی
پہاڑ درخت گائے وغیرہ بھی خدا کے مظہر ہیں اور قابل عبادت ہیں اور
جب گائے قابل عبادت ہی تو گائے کا گوبر بھی قابل عبادت ہے
انہیں دنوں کچھ پرتگالی پادری بمبئی کی طرف سے فتح پور آئے۔ بادشاہ
نے ان کی بہت خاطر کی اور شاگرد ہوگیا۔ شاہزادہ مراد نے
اس کے حکم سے انجیل پڑھنا شروع کی۔ ابوالفضل نے انجیل کا ترجمہ
کرنا شروع کیا۔ ترجمے کے شروع میں اس نے بجائے بسم اللہ کے
لکھا اے نام تو ژیزو کرستو۔ فیضی نے اس پر اضافہ کیا سبحانک

لاھوا کہ یا ہُوپا دریوں کے بعد پارسی آئے۔ انہوں نے کہا کہ آگ خدا کی آیتوں میں سے ایک آیت اور اس کے نوروں میں سے ایک نور ہے اس لیے لائق پرستش ہے اور بادشاہ کو آتش پرستی کے آداب سکھائے بادشاہ نے محل میں آتش خانہ بنوایا اور ابو الفضل کو اس کا مہتمم مقرر کیا۔ ہوم جو ہندوؤں میں آتش پرستی کی ایک رسم ہے وہ بادشاہ بہت پہلے سے ہندو بیگمات کو خوش کرنے کے لیے ادا کیا کرتا تھا۔

دعوائے اجتہاد

مختلف مذاہب کی تحقیق کرنے کے بعد اکبر کو معلوم ہوا کہ تمام مذاہب معمہ دہر کے مختلف حل ہیں ہر ایک میں کچھ خوبیاں بھی ہیں کچھ معائب بھی ہیں اس کے دل میں آیا کہ خذ ما صفا دع ما کدر کے اصول پر ایک نیا مذہب نکالوں۔ ان دنوں وہ شیخ مبارک سے صرف ہوائی پڑھا کرتا تھا ایک روز اس سے اس بات کا ذکر کیا اور کہا آپ

میرے اُستاد ہیں مجھے صلاح دیجئے۔ شیخ مبارک نے جواب دیا کہ آپ پہلے اجتہاد کا دعوی کیجئے۔ پھر جو کچھ چاہیں آپ کر سکتے ہیں۔ بادشاہ نے پوچھا کہ اس کی کیا ترکیب ہو سکتی ہے۔ شیخ نے جواب دیا کہ آپ علما سے محضر طلب کیجئے۔ جس میں وہ تسلیم کریں کہ آپ مجتہد العصر ہیں بادشاہ نے شیخ کی نصیحت پر عمل کیا۔ ایک رات عبادت خانے میں علما کے سامنے یہ تجویز پیش کی۔ بہت بحثا بحثی کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ اکبر کا مرتبہ مصالح ملکی کے جاننے کی وجہ سے علما سے بڑا ہے۔ اسلئے مسائل مختلف فیہا میں اس کی رائے ان کی رائے پر فضیلت رکھتی ہے اسے مجتہد العصر تسلیم کرنا چاہیئے۔ شیخ مبارک نے ایک محضر لکھا اور تمام بڑے علما نے اس پر دستخط کیے۔ مخدوم الملک اور شیخ عبد النبی دستخط کرنا نہیں چاہتے تھے۔ اپنے گھروں سے پکڑ بلائے گئے جب دربار میں آئے تو کسی نے ان کی تعظیم نہ کی۔ جوتیوں کی صف میں بیٹھ گئے اور جبراً و قہراً اس محضر پر دستخط کیے۔ وہ محضر یہ ہے۔

مقصود از تشیید این مبانی و تمهید این معانی آنکه چون هندوستان صینت عن
الحدثان بیامن معدلت سلطانی و تربیت جهانبانی مرکز امن و امان و
دائرهٔ عدل و احسان شده طوائف انام از خاص و عوام خصوصاً علمای
عرفان شعار و فضلای دقایق آثار که هادیان بادیهٔ نجات و سالکان
مسالک اوتوا العلم درجات اند از عرب و عجم رو بدین دیار نهاده توطن اختیار نمودند
جمهور علمای فحول که جامع فروع و اصول و حاوی معقول و منقول اند و بدین
و دیانت و صیانت اتصاف دارند بعد از تدبیر وافی و تامل کافی در غوامض
معانی آیهٔ کریمه اطیعوا الله واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم و احادیث صحیح
ان احب الناس الی الله یوم القیامة امام عادل من یطع الامیر فقد اطا
عنی و من یعصی الامیر فقد عصانی و غیر ذلک من الشواهد العقلیه و الدلایل
النقلیه قرار داده حکم نمودند که مرتبهٔ سلطان عادل عند الله زیاده از مرتبهٔ
مجتهد است و حضرت سلطان الاسلام کهف الانام امیر المومنین ظل الله
علی العالمین ابوالفتح جلال الدین محمد اکبر بادشاه غازی خلد الله ملکه۔

ابداً اعدل و اعقل و اعلم باللہ انہ و بنا براں اگر در مسائل دین کہ بین المجتہدین مختلف فیہا است بذہن ثاقب و فکر صائب خود یک جانب را از اختلاف بجہتہ تسہیل معیشت بنی آدم و مصلحت انتظام عالم اختیار نمودہ باں جانب حکم فرمایند متفق علیہ میشود و اتباع آں بر عموم برایا و کافہ رعایا لازم و متحتم است و ایضاً اگر بموجب رائے صواب نمائے خود حکمے را از احکام قرار دہند کہ مخالف نصے نباشد و سبب ترفیہ عالمیان بودہ باشد عمل برآں نمودن بر ہمہ کس لازم و متحتم است و مخالفت آں موجب سخط اخروی و خسران دینی و دنیوی است و ایں مسطور صدق و فور حسبۃً للّٰہ و اظہاراً لاجراء حقوق الاسلام بمحضر علمائے دین و فقہائے مجتہدین تحریر یافت و کان ذٰلک فی شہر رجب سنہ سبع و ثمانین و تسعمایۃ (۹۸۷)

شیخ مبارک نے اس کے نیچے لکھا "ایں امریست کہ من بجان و دل خواہاں و از سالہا باز منتظر آں بودم"

دین اکبری اور اسکی مخالفت

مجتہد بننے کے بعد پہلا کام جو اکبر نے کیا وہ یہ تھا کہ مخدوم الملک اور شیخ عبدالنبی کو مکے بھیجا اسلام کو منسوخ کیا اور نیا دین ایجاد کیا فنائے امت اس کے اجرا کی تاریخ ہے۔ اس دین کے بڑے اصول یہ تھے

۱. وحدانیت

۲. قدم عالم

۳. تناسخ

۴. آفتاب پرستی اور آتش پرستی۔

لا الہ اللہ اکبر خلیفۃ اللہ اس دین کا کلمہ تھا۔ امرا میں سے بعضوں نے اس دین کو قبول کیا اکثر لاپروا بعضوں نے مخالفت کی۔ اکبر نے ان پر سختی کی ایک روز اس نے قطب الدین محمد خان اور شہباز خان

اپنے دین کی دعوت کی۔ قطب الدین محمد خان نے کہا جب سلطان
روم اور دیگر مسلمان بادشاہ سنیں گے کہ آپ نے نیا دین نکالا ہے تو کیا
کہیں گے۔ اکبر نے جواب دیا کہ تمہیں سلطان روم کے خوش کرنیکی
بڑی فکر ہی معلوم ہوتا ہے اس کے پاس جانا چاہتے ہو ابھی چلے جاویں
تمکو اجازت دیتا ہوں۔ شہباز خاں بڑا متعصب مسلمان تھا۔ بیربر نے
اس سے کہا کہ آپکو تو اس دین کے قبول کرنے میں کچھ عذر ہیں شہباز
خاں آگ بگولہ ہو گیا۔ بیربر سے کہا اے سگ جہنمی اے کافر ملعون تو
مجھے کافر ہو جانے کو کہتا ہے کیا مجھ سے اتنا بھی نہیں ہو سکتا کہ تجھے ٹھیک
کر سکوں۔ بادشاہ شہباز خاں پر بہت خفا ہوا اور اس سے کہا جی
چاہتا ہے کہ حکم دوں کہ پر نجاست جوتے تمہارے منہ پر لگائے جائیں
حکیم شمس الدین حکیم الملک بھی دین اکبری کا مخالف تھا ابوالفضل کو
فضلہ کہا کرتا تھا۔ اکبر نے اسے میر حج مقرر کیا اور پانچ لاکھ روپیہ دیکر
مکے بھیج دیا۔ اس نے وہیں سکونت اختیار کی۔ ہر چند بادشاہ

نے اسے بلایا مگر وہ واپس نہ آیا اسی سال بادشاہ نے بعد تحقیقات کے
بہت سے نالایق اور جاہل علما سے مدد معاش چھین لی صوفیوں کے
بارے میں بھی تحقیقات ہوئی بہت سے صوفی فتح پور بلائے گئے بادشاہ
نے خود ہر ایک سے باتیں کیں جس کی نسبت اسے معلوم ہوا کہ پیری
کا پیشہ کرتا ہے یا سماع کا شوق رکھتا ہے ان سے مدد معاش چھین لی
صرف قانع اور حق دار صوفیوں کے ہاتھ میں رہنے دی۔ جاگیر دار
پر بھی سختی کی گئی نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ امرا علما مشایخ اور جاگیر دار بادشاہ
کے مخالف ہو گئے۔ ملا محمد یزدی ان دنوں جونپور کا قاضی تھا اس
فتوی دیا کہ بادشاہ کافر اور ظالم ہے اس سے بغاوت کرنا جایز ہے
بنگالے میں محمد معصوم کابلی۔ محمد معصوم خاں فرنخودی۔ میر معز الملک
نیابت خاں اور عرب بہادر نے سر اٹھایا اور کچھ عرصے تک سلطنت
خطرے میں رہی علما اور مشائخ کہتے تھے کہ بادشاہ نے ہم سے
مدد معاش چھینی ہے۔ خدا بادشاہ سے ملک چھینے لیتا ہے۔ بادشاہ

ت بگڑا اور سمجھا کہ یہی لوگ باعث فساد ہیں اور انہیں سزا دینی شروع کی ملا محمد یزدی جونپور سے بلایا گیا جب فیروزآباد کے قریب پہنچا تو دریا جمنا میں ڈبو دیا گیا۔ قاضی یعقوب قاضی گور کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا گیا لاہور میں علما کا بڑا جتھا تھا۔ اکبر نے اسے توڑا۔ قاضی صدرالدین کو جو مخدوم الملک سے اعلم سمجھا جاتا تھا بھروچ جلا وطن کیا۔ ملا عبد الشکور کو جونپور ملا محمد معصوم کو بہار اور الشیخ منور کو مالوے بھیجا۔ حاجی ابراہیم سرہندی کو جو اب دین اکبری کی مخالفت کرنے لگا تھا گجرات روانہ کیا۔

اس کشمکش میں بھی اکبر کو تحقیق حق کا خیال رہا۔ اس نے اس روایت کی تصدیق کے لیے کہ کل مولود یولد علی الفطرۃ ابواہ یھودانہ او ینصرانہ اور یمجسانہ۔ بیس شیر خوار بچے خرید کر شہر سے دور ایک مکان میں رکھوائے۔ دائیاں جو ان کے پالنے کے لیے مقرر کی گئیں ان سے کہہ دیا گیا کہ ان بچوں کے سامنے نہ بولیں۔ اس مکان کا نام

گنگ محل رکھا گیا۔ تین چار سال کے بعد وہ بچے وہاں سے نکالے گئے تو سب
گونگے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حیوان ہونا انسان کی فطرت میں ہے نہ
مسلمان ہونا۔ نیز وہ باتیں جن سے انسان کو حیوان پر فوقیت حاصل ہے زیادہ
تعلیم و تربیت کا نتیجہ ہیں یہ مشہور مسئلہ ارتقا ہے اکبر مستحق تعریف کا ہے کہ ڈارون
سے تین سو برس قبل ایک ایسا تجربہ کیا جس سے مسئلہ ارتقا کا ثبوت ملتا
۹۸۸ھ میں جاگیرداروں کی بغاوت فرو ہوگئی انہی دنوں اکبر نے اخلاص
کے چار درجے مقرر کئے ترک مال و جان و ناموس و دین۔ جو مرید چاروں
باتوں کا عہد کرتا تھا وہ مخلص کہلاتا تھا۔ سب مریدوں نے مخلص ہونا
پسند کیا۔

۹۸۹ھ میں مرزا محمد حکیم اکبر کا سوتیلا بھائی جاگیرداروں کی بغاوت کی
خبر سن کر ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ اکبر اس سے لڑنے میں مصروف
رہا۔ اس سال کا مشہور واقعہ۔ شیخ قطب الدین صوفی جلیسری کی اور
پرتگالی پادریوں سے مباحثے کا ہونا ہے۔ اکبر نے اس مباحثے کے

لیے بڑا دربار کیا۔ جب سب لوگ جمع ہوے تو شیخ قطب الدین
نے بادشاہ سے کہا کہ زبانی بحث سے کچھ حاصل نہیں ہے میں تجویز کرتا ہوں
کہ بہت سی آگ جلائی جائے میں بھی اس پر چلونگا اور جو پادری مجھ سے
بحث کرنا چاہے وہ بھی چلے جس کو آگ نہ جلائے وہی سچا ہی اور اسی
کا مذہب سچا ہی۔ بادشاہ نے یہ تجویز پسند کی اور بہت سی آگ جلوائی
شیخ قطب الدین نے باری باری ہر پادری کو ہاتھ سے پکڑ کر اپنے ساتھ
آگ میں لے جانا چاہا مگر کوئی پادری راضی نہوا۔ شاید وہ اسے پاگل سمجھے
نہ معلوم بادشاہ کیا سمجھا کہ اسے بھکر جلاوطن کر دیا۔ اس سال صوفیوں پر
عام طور پر ظلم کیا گیا۔ اکثر قندہار بھیجے گئے اور گھوڑوں کے عوض بیچے
گئے۔ اس زمانے میں صوفیوں کا الہی نام ایک فرقہ تھا۔ ان کی مذہبی
اصطلاح الگ تھی شریعت و اسلام و نماز روزہ وغیرہ کے نام انکے
یاں کچھ اور تھے۔ جب ان سے کہا گیا کہ خرافات سے توبہ کرو تو جواب
دیا کہ توبہ ہماری لونڈی ہی۔ یہ لوگ بھی قندہار کی طرف بھیجے گئے اور

ترکی پچھیروں سے انکا تبادلہ کیا گیا۔ شیخ ادھن جونپوری کے پوتے مع اہل و عیال کے اجمیر جلاوطن کیئے گئے خواجہ معین الدین چشتی جن کا شروع میں اکبر بہت معتقد تھا ان کا پوتا شیخ حسن ادب دربار کی پابندی نہ کرنے کی وجہ سے پہلے مکے بھیجا گیا۔ مکے سے واپس آنے کے بعد جب آداب دربار پھر ٹھیک بجا نہ لایا تو بھکر بھیجا گیا سنہ میں نظام الدین کی سفارش سے اس کا قصور معاف ہوا۔ اسی سال مخدوم الملک اور شیخ عبد النبی جاگیرداروں کی بغاوت اور محمد حکیم کے حملے کی خبر سنکر مکے سے واپس ہندوستان آئے اور گجرات میں ٹھیرے۔ مخدوم الملک نے وہیں وفات پائی۔ لوگوں کا خیال تھا کہ بادشاہ کے حکم سے مسموم کر دیا گیا۔ بہت سا روپیہ چھوڑ ا قاضی علی اس کا حساب لکھنے لاہور بھیجا گیا۔ اسنے مخدوم الملک کے گھر میں سونے کی اینٹوں سے بھرے ہوئے کئی صندوق مدفون ملے۔ یہ سب اینٹیں ضبط کی گئیں۔ مخدوم الملک کے کتب خانہ

میں بہت سی نایاب کتابیں تھیں وہ بھی اینٹوں کی طرح ضبط کی گئیں۔ شیخ عبدالنبی گجرات سے فتح پور آیا۔ جب اکبر سے ملا تو سخت کلامی کی۔ بادشاہ نے زور سے کئی تھپڑ اس کے منہ پر مارے۔ شیخ نے کہا مہربانی کر کے تھپڑ نہ ماریئے چھری سے مار ڈالیے۔ بادشاہ نے ٹوڈرمل سے کہا کہ جب شیخ مکے جاتا تھا تو اسے سترہ ہزار روپیہ دیا گیا تھا اس کا اس سے حساب لو اور جب تک حساب نہ دے چکے اسے کروڑیوں کی طرح دفتر خانہ میں قید رکھو۔ ایک رات بادشاہ کے اشارے سے کچھ سپاہی اس کی کوٹھری میں گھس گئے اور اسے مار ڈالا۔ دوسرے روز اس کی لاش شہر کے باہر میدان میں شام تک پڑی سڑتی رہی کوئی اسے دفن نہیں کرتا تھا۔ شیخ کبنی اس واقعے کی تاریخ ہے۔

گرچہ الشیخ کانبی گفتند   کانبی نیست شیخ ماکبنی است

دین اکبری کے احکام اور اشاعت

سنہ ۹۹۰ میں ملک میں پھر امن قائم ہو گیا اور اکبر نے نئے احکام کا جاری کرنا شروع کیا۔ سنہ ۹۹۰ ان کے اجرا کے لیے ایک اور وجہ سے بھی موزون تھا۔ اس سال آنحضرت کی بعثت کو ہزار سال ہو گئے تھے لوگوں کا خیال تھا کہ اسلام اب پرانا ہو گیا ہے اور مجدد الف ثانی کے ظہور کا وقت ہے۔ اکبر نے مجدد ہونے کا دعویٰ کیا۔ چونکہ علما کو کافی سزا مل چکی تھی انہوں نے اب بجائے مخالفت کے اس کی تائید کی۔ چنانچہ سب نے ملکر اعلان کیا کہ صاحب زماں جس کی نسبت آیا ہے کہ وہ بہتر ملتوں کو مٹا دیگا وہ اکبر ہی ہے اور بہت سی روایتیں اس باب میں جمع کر لیں۔ شریف آملی نے محمود بسا خوانی کا ایک رسالہ پیش کیا جس میں لکھا تھا کہ سنہ ۹۹۰ میں ایک شخص پیدا ہوگا جو باطل کو دنیا سے اٹھا دیگا۔ خواجہ مولانا شیرازی ملحد جفر داں نے مکے کے کسی شریف کا لکھا ہوا ایک رسالہ پیش کیا جس میں لکھا ہوا تھا کہ دنیا کے قیام کی مدت سات ہزار سال ہے اور اب وہ گزر گئے ہیں۔ اب مہدی موعود کے ظہور کا وقت ہے۔ کسی نے حکیم

ناصر خسرو کی یہ رباعی پیش کی ۔۔

در نہ صد و تسعین دو قران می بینم ۔ واز مہدی و دجال نشان می بینم
یا ملک بدل گردد یا گردد دین ۔ سرے کہ نہان است عیان می بینم

اور اکبر سے کہا کہ سر نہاں اب عیاں ہو گیا۔ آپ مہدی ہیں شیعوں نے حکیم ناصر خسرو کی یہ دوسری رباعی پیش کی:

در نہ صد و ہشتاد و نہ از حکم قضا ۔ آیند کواکب از جوانب یکجا
در سال اسد ماہ اسد روز اسد ۔ از پردہ بروں خرامد آں شیر خدا

اور اکبر سے کہا کہ شیر خدا آپ ہی ہیں غرض اس سال اکبر نے مجدد الف ماتہ ۔ صاحب زماں اور مہدی موعود ہونے کا دعوی کرکے نئے احکام جاری کیے احداث بدعت ان کے اجرا کی تاریخ ہے۔ حکم ہوا کہ تاریخ ہجری منسوخ سمجھی جائے اور بجائے اس کے تاریخ جلوس جس کا نام بعد میں تاریخ الہی رکھا گیا ہے عمل ہو۔ عربی مہینوں کے بجائے فارسی مہینوں کا رواج ہوا اور زردشتیوں کی طرح سال میں چودہ عیدیں منائی جائیں

سجدہ جس کا نام زمین بوس کہا گیا بادشاہ کے سامنے کرنا فرض ہے شراب اگر کوئی بطور دوائی کے پیے اور تھوڑی سی پیئے تو جائز ہے لیکن اگر کوئی اتنی شراب پیئے کہ باعث فساد ہو تو اسے سزا دی جائے۔ محل کے قریب شراب کی ایک دکان کھولی گئی۔ اس کا نرخ مقرر ہوا۔ جو کوئی شراب خریدنا چاہتا تھا اسے اپنا اور اپنے باپ کا نام ایک کتاب میں لکھنا ہوتا تھا۔ حکم ہوا کہ بازاری عورتوں کے لیے شہر سے دور ایک بستی بنے اس بستی کا نام شیطان پورہ رکھا گیا۔ ایک محافظ ایک داروغہ اور ایک مشرف اس کے انتظام کے لیے مقرر ہوئے۔ جو کوئی وہاں جاتا تا اسے ایک کتاب میں اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھنا ہوتا تھا۔ اگر کوئی امیر شیطان پورہ میں جانا چاہتا تو اسے بادشاہ سے اجازت لینی پڑتی تھی حکم ہوا کہ داڑھی منڈوائی جائے۔ اس کی تائید میں کہا گیا کہ ایران میں قضات ڈاڑھی منڈوایا کرتے ہیں۔ حکم ہوا کہ بکرے کا گوشت حرام اور سور کا گوشت حلال سمجھا جائے اور سور اور کتے نجس نہ سمجھے جائیں

سوروں اور کتوں کے گلے محل کے اندر اور باہر رہتے تھے! ان کو
دیکھنا عبادت سمجھا جاتا تھا۔ ہندوں نے بادشاہ سے کہا کہ سور خدا
کے دس مظہروں میں سے ایک مظہر ہی خدا نے اس میں حلول کیا ہی
مسلمانوں نے کہا کہ کتے میں دس ایسی صفات حمیدہ ہیں کہ اگر کسی انسان
میں ان میں سے ایک ہو تو ولی بن جائے۔ بعضے مرید کتوں کو اپنے
ساتھ کہانا کھلاتے تھے اور چومتے تھے۔ حکم ہوا کہ میت کے لیے کہانا
نہ پکے۔ میت جمادی چیز ہی اُسے کہانے سے کیا حظ ملسکتا ہی۔ چاہیئے
کہ لوگ اپنی ولادت کے روز جشن کریں اور دوستوں کو کہانا کھلائیں
اس کھانے کا نام آش حیات رکہا گیا۔ حکم ہوا کہ چیتے اور شیر کا گوشت
حلال ہی کیونکہ وہ شجاع جانور ہیں اور انکے گوشت کے کھانے سے
انسان میں شجاعت پیدا ہوتی ہے۔ حکم ہوا کہ چچیری اور خلیری بہن سے
شادی کرنا منع ہی۔ حکم ہوا کہ طلائی اور ابریشمی کپڑوں کا پہننا جائز ہے۔
حکم ہوا کہ نماز و روزہ و حج کی کچھ ضرورت نہیں۔ شیخ ابو الفضل نے

ایک رسالہ لکھا جس میں اس نے اُن فرایض کی تضحیک کی ۔
بادشاہ بہت خوش ہوا ۔ حکم ہوا کہ بجائے اذان ہونے کے ناقوس
بجا کرے کہ غرشائع شد اس کی تاریخ ہی ۔ فتحپوری مسجد میں اذان
کا ہونا اور نماز کا با جماعت پڑھا جانا موقوف ہوگیا ۔ بادشاہ کو اسلام سے
اسقدر نفرت ہوگئی کہ محمدؐ احمد مصطفےٰ وغیرہ نام سن نہیں سکتا تھا جن
مقربوں کے ناموں میں یہ الفاظ تھے انہوں نے اپنے نام بدل ڈالے
عربی کا پڑھنا اور جاننا معیوب سمجھا جانے لگا اور علوم فقہ تفسیر اور
حدیث مطعون خیال کیے جانے لگے ۔ نجوم ۔ حکمت ۔ طب ۔ حساب
شعر ۔ تاریخ وغیرہ نے رواج پایا ۔ عربی کے خاص حروف یعنی ث
ح ۔ ع ص ض ط ظ تلفظ سے نکال دئیے گئے ۔ عبداللہ ۔ ابداللہ
اور احدی ۔ اہدی لکھا اور پڑھا جانے لگا ۔ فردوسی کے یہ دو شعر ہر مو
کی زبان پر تھے ۔

زشیر شتر خوردن و سوسمار عرب را بجائے رسیدہ است کار

ملک کیاں را کنند آرزو تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

عبادت خانوں کے جلسے میں نبوت کلام رویت تکلیف تکوین حشر ونشر وغیرہ سب مسئلوں کی ہنسی اڑائی جاتی تھی اگر کوئی شخص فقہی مسئلہ پوچھتا تو اس سے کہا جاتا کہ اسے ملاؤں سے جاکر پوچھو یہاں صرف عقل وحکمت کے مسئلوں پر گفتگو ہوا کرتی ہے۔ عربوں کی تاریخ پڑھی جاتی تھی جب فدک اور صفین کے حالات پڑھے جاتے تھے تو صحابہ پر بڑی گالیاں پڑتی تھیں ایک روز شیخ مبارک نے بیربر سے کہا کہ جیسے تمہاری کتابوں کی تحریف کی گئی ہے ویسے ہی ہماری کتابوں میں بھی تصرف کیا گیا ہے اور وہ قابل اعتبار نہیں ہیں۔ اس سال بادشاہ نے نوروز بڑی دھوم دھام سے منایا۔ شراب پی۔ میر میراں صدر اور مفتی عبدالحی نے بھی پی فیضی نے شراب کا پیالہ منہ کو لگاتے وقت کہا "ایں پیالہ را بکوری فقہا مے خوریم" فیضی کے دیکھا دیکھی ہر شخص جب شراب پیتا تھا تو یہی کہتا تھا جو کوئی دین اکبری قبول کرتا تھا اسے یہ اقرار نامہ لکھنا ہوتا تھا۔

منکہ فلاں بن فلاں باشم بطوع رغبت و شوق قلبی از دین اسلام مجازی و تقلیدی کہ از پدراں دیدہ و شنیدہ بودم ابرا و تبرا نمودم و در دین اکبر شاہی در آمدم و مراتب چارگانہ اخلاص کہ ترک مال و جان و ناموس و دین باشد قبول کردم۔ امرا میں سے اس سال اعظم خاں میرزا عزیز کوکہ نے دین اکبری قبول کیا۔ راجہ بھگوان داس کو بھی اس کی دعوت کی گئی اسنے کہا کہ مانا کہ ہندوں اور مسلمانوں دونوں کا مذہب بر ہے۔ لیکن میں یہ نیا دین قبول نہیں کر سکتا۔ بادشاہ زیادہ مصر ہوا۔ قاضی جلال الدین ملتانی نے بھی انکار کیا۔ بادشاہ نے اسے خواجگی فتح اللہ بخشی کے ہمراہ جو ایک متعصب شیعہ تھا دکن بھیج دیا بادشاہ کا خیال تھا کہ دکن کے بادشاہ جو متعصب شیعہ ہیں اسے مار ڈالیں گے لیکن جب انکو معلوم ہوا کہ قاضی نیا دین قبول نکرنے کے جرم میں دکن آرہا ہے تو اس کی بہت توقیر کی۔ قاضی بہت عرصے تک وہاں رہا آخر حج کی اجازت لیکر مکے چلا گیا۔ وہیں وفات پائی۔ اس سال بادشاہ نے میر فتح اللہ شیرازی کو

جو الہیات ریاضیات طبعیات طلسمات نیر نجات جر اثقال وغیرہ سب علوم جانتا تھا دکن سے فتح پور بلوایا۔ جب وہ آیا تو بادشاہ نے اس کی بہت عزت کی۔ اور صدر الصدور کا عہدہ دیا۔ میر فتح اللہ کا اُستاد میر غیاث الدین منصور شیرازی آزاد خیال عالم تھا اور نماز روزے کا پابند نہ تھا۔ بادشاہ کا خیال تھا کہ میر فتح اللہ بھی آزاد خیال ہو گا اور نیا دین قبول کر لیگا۔ جس سے اس کی بہت تقویت ہو گی۔ لیکن میر فتح اللہ نے نیا دین قبول نہ کیا۔ اس زمانے میں کسی درباری کو اس بات کی جرأت نہیں ہوتی تھی کہ بادشاہ کے سامنے نماز پڑھے لیکن میر فتح اللہ دیوان خاص میں اطمینان سے مذہب امامیہ کے مطابق نماز پڑھا کرتا تھا ایک وزیر بادشاہ نے اس کے سامنے بیر بر سے کہا کہ یہ بات کیسے عقل مان سکتی ہی کہ کوئی شخص اپنے بستر سے اٹھ کر آسمان پر جائے اور خدا سے نوے ہزار باتیں کرے اور جب واپس آئے تو اس کا بستر گرم ہو۔ یہ کہکر اس نے ایک پاؤں اٹھایا اور کہا کیا یہ ممکن ہی کہ دوسرا

پاؤں اُٹھاوں اور نہ گر پڑوں ثبوت قمر کے معجزے پر بھی اعتراض کیا اور کہا تعجب کی بات ہی کہ لوگ ایسی ناممکن باتوں کو مانتے ہیں۔ مقربین ہاں میں ہاں ملاتے جاتے تھے اور آمنا وصدقنا کہتے جاتے تھے مگر میر فتح اللہ شیرازی سر جھکائے بیٹھا رہا اور کچھ نہ بولا۔

اس سال حاجی ابراہیم سرہندی گجرات کی صدرات سے معزول ہوکر فتحپور واپس آیا۔ بادشاہ کو خوش کرنے کے لیے اب وہ بھی آزاد خیال اور نئے دین کا حامی ہوگیا۔ پھٹے پرانے کاغذ پر خط مجہول میں ایک رسالہ لکھکر بادشاہ کو پیش کیا۔ اور کہا کہ یہ رسالہ شیخ ابن عربی کی تصنیف ہی اور اس میں لکھا ہی کہ صاحب زماں کی بہت سی بیویاں ہوں گی اور وہ ڈاڑھی منڈوائے گا۔ اسی قسم کی چند اور باتیں جو اکبر میں پائی جاتی تھیں اس نے کہا کہ اس رسالے میں درج ہیں۔ مقربوں نے حاجی ابراہیم کی تائید میں ملا ابوسعید برادرزادہ میاں پانی پتی کی ایک کتاب پیش کی جس میں لکھا تھا کہ ایک روز کسی صحابی کا بیٹا آں حضرت کے سامنے گیا۔ اس کی

داڑھی منڈی ہوئی تھی آں حضرت نے فرمایا کہ ہشتیوں کی بھی قطع ہوگی بادشاہ خوش ہوا اور حاجی ابراہیم پر مہربان ہو گیا۔ انہی دنوں ملا شیری نے ایک قطعہ لکھا جس کے چند اشعار یہ ہیں۔

تا بر ایں ہر زماں کشور بر اندازد آفتے ۔ فتنہ در کوے خودش کد خدا خواہد شدن

یا عقاب قرض خواہ تیغ زر بانتمرگ ۔ بار سر از ذمہ گردن ادا خواہد شدن

فیلسوف کذب را خواہد گریباں پارہ شد ۔ خرقہ پوش زہد التقوی ردا خواہد شدن

شورش مغز است گر در خاطر آرد حالیے ۔ کز خلایق مہر پیغمبر جدا خواہد شدن

خندہ مے آید مرا زیں بیت بس از طرفگی ۔ نقل بزم منعم و دور گدا خواہد شدن

بادشاہ امسال دعوای نبوت کردہ است ۔ گر خدا خواہد پس از سالے خدا خواہد شدن

عبد اللہ خاں اوزبک بادشاہ توران نے اکبر کو خط لکھا کہ سنا ہے آپ نے پیغمبری کا دعوی کیا ہے اکبر نے انکار کیا اور جواب میں لکھا

قیل ان الالہ ذو ولد ۔ قیل ان الرسول قد کہنا

ما نجی اللہ والرسول معا ۔ من لسان الورے فکیف انا

سنہ ۹۹۱ھ - اس سال حکم ہوا کہ اتوار کے روز اور ماہ ابان کے پہلے
روز جانور ذبح نہ کئے جائیں۔ اتوار کے روز اسلیے نہیں کہ وہ سورج
سے مخصوص ہے اور آبان کے مہینے میں اسلیے نہیں کہ اس مہینے میں اکبر
پیدا ہوا تھا جو شخص اس جرم کا مرتکب ہوتا تھا اس کا گھر لوٹ لیا جاتا
تھا۔ بادشاہ سورج کی عبادت دن رات میں چار بار۔ یعنی صبح وشام
دوپہر اور آدھی رات کو کرتا تھا۔ عبادت کرتے وقت کبھی اپنے کانوں کو
کھینچتا تھا کبھی ان پر آہستہ آہستہ مکے لگاتا تھا سورج کے ایک ہزار
ہندی نام جپتا تھا۔ سورج کی شان میں ایک مرتبہ صبح کو اور پھر آدھی رات
کو نوبت بجتی تھی۔ ملا شیری نے جو پہلے اکبر کو بنایا کرتا تھا اب حسب حال سورج
کی تعریف میں ہزار قطعوں کی ایک نظم لکھی اور "ہزار شعاع" اس کا نام
رکھا بادشاہ نے بہت پسند کی۔ صبح کو عبادت کرنے کے بعد بادشاہ
جھروکے میں بیٹھتا تھا۔ ایک جم غفیر ہر روز جھروکے کے سامنے جمع ہوتا
تھا اور جب تک بادشاہ کا درشن نہ کر لیتا تھا کھانا پینا اس پر حرام تھا

ت کو بھی ایک مجمع جھروکے کے سامنے جمع ہوتا تھا اور جب بادشاہ
درج کے ایک ہزار نام جپ کر اپنی صورت دکھاتا تو وہ اسے سجدہ کرتا
برہمنوں نے بادشاہ کے بھی ایک ہزار ایک نام تجویز کئے اور کہتے تھے کہ وہ
رام اور کشن کی طرح خدا کا ایک اوتار ہے۔ بعضی پرانی کتابیں پیش کیں اور کہا
ان میں لکھا ہے کہ ایک بادشاہ پیدا ہو گا جو برہمنوں کی عزت کریگا گائے
کی حمایت کریگا اور عادل ہو گا وہی بادشاہ اکبر ہے۔
اسی سال شہر کے باہر دو مکان بنے۔ ایک میں مسلمانوں کا کھانا مفت
ملتا تھا دوسرے میں ہندوں کو پہلے کا نام خیر پورہ اور دوسرے کا نام
دھرم پورہ رکھا گیا۔ جوگیوں کے لیے ایک تیسرا مکان بنا اس کا نام جوگی
پورہ رکھا گیا۔ رات کو اکثر بادشاہ جوگیوں کے ہاں جایا کرتا تھا اور مراقبہ
سلوک۔ خلع بدن۔ کیمیا سیمیا۔ ریمیا وغیرہ ان سے سیکھا کرتا تھا سال
میں ایک بار سیوراتری نام انکا بڑا میلا ہوتا تھا اس تقریب میں
بادشاہ ان سے ہم نوالہ و ہم پیالہ ہوتا تھا۔ ایک جوگی نے بادشاہ کو

بشارت دی کہ آپ کی عمر عمر طبیعی سے تگنی چوگنی ہوگی۔ نجومیوں نے جو
کی تائید کی اور کہا کہ قمری دور جو عمروں کو گھٹاتا تھا گزر گیا ہے اب زحلی
کی باری ہے یہ عمروں کا بڑھاتا ہے۔ کتب سماوی میں آیا ہے کہ بعض لوگوں
عمر ایک ہزار سال تھی کتب ہندی میں آیا ہے کہ بعض لوگوں کی عمر دس
سال تھی۔ اب بھی تبت کے لامے جن کی عمر عبادت و ریاضت میں
کٹتی ہے۔ دو ڈھائی سو سال زندہ رہتے ہیں اگر آپ عبادت و ریاضت کر
تو آپ کی عمر بھی زیادہ ہوگی۔ بادشاہ نے انکے کہنے پر عمل کیا۔ کھانا پینا
کم کر دیا۔ عبادت و ریاضت زیادہ کرنے لگا۔ ایک روز ہندوؤں نے باد
سے کہا کہ کھوپری کے بال منڈوانے چاہئیں۔ کیونکہ کاملان کی
روح وہیں سے نکلتی ہے۔ نکلتے وقت بجلی کی طرح کڑکتی ہے اور یہ میت کی
اور نجات کی دلیل ہے۔ بادشاہ اس روز سے کھوپری کے بال منڈوانے
لگا۔ اسی سال بادشاہ نے نئے دین کا نام توحید الہی اور مریدوں کا نام
چیلے رکھا۔ مسجدیں اور حوضے فراش خانے اور چوکی خانے بنائے

بادشاہ اور اس کے چیلے نمازیوں کو ہنساتے تھے۔ حیّ علی کو یلا تلا کہتے تھے۔

۹۹۲ھ۔ اس سال بفحوائے جاء نصر اللہ والفتح ورایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا۔ بہت لوگ دین اکبری میں داخل ہوئے اور داڑھیاں منڈوائیں۔ بادشاہ نے چیلوں کو اپنی تصویریں دیں چیلوں نے انہیں مرصع غلافوں میں لپیٹ کر اپنے عماموں میں رکھا۔ حکم ہوا کہ مہروں اور سکوں پر اللہ اکبر لکھا جائے۔ حاجی ابراہیم نے بادشاہ سے کہا کہ لوگ سمجھیں گے کہ آپ نے خدائی کا دعویٰ کیا ہے اگر اللہ اکبر کے بجائے لذکر اللہ اکبر ہو تو زیادہ مناسب ہوگا بادشاہ نے جواب دیا جو شخص ایسا سمجھے اس کی غلطی ہے۔ میں اللہ اکبر کو لذکر اللہ اکبر پر باعتبار حسن لفظی ترجیح دیتا ہوں۔ حکم ہوا کہ جوا اور سود جائز ہیں۔ دربار میں ایک قمارخانہ بنایا گیا۔ بادشاہ خزانے کا روپیہ جواریوں کو سود پر دیتا تھا سود اور مستأصل کا روپیہ خزانے میں داخل ہوتا تھا حکم ہوا کہ لڑکے کی عمر

جب تک سولہ سال نہ ہو اور لڑکی کی عمر جب تک چودہ سال نہ ہو ان کی شادی نہ ہو۔ اس سال سلطان خواجہ ایک خاص الخاص چیلے نے انتقال کیا۔ اس کی قبر میں سورج کے رخ ایک روزن بنایا گیا تاکہ سورج کی روشنی ہر صبح اس کے منہ پر پڑے۔ اور اس کے گناہوں کو پاک کرے

۹۹۵ھ۔ اس سال حکم ہوا کہ صرف ایک عورت سے نکاح جائز ہے اگر وہ بانجھ ہو تو دو سے جائز ہے۔ جب عورت کی عمر اتنی ہو جائے کہ اس کا حیض منقطع ہو جائے تو پھر شادی نہ کرے۔ بیوہ عورتیں اگر چاہیں تو شادی کر سکتی ہیں۔ دو چیلوں میں جب ملاقات ہو تو بجائے السلام علیکم اور وعلیکم سلام کے ایک کہے اللہ اکبر اور دوسرا کہے جل جلالہ۔ اور اول تعلیم حاصل نہ کریں دو ہندوؤں میں جب جھگڑا ہو تو اس کا تصفیہ برہمن کرے نہ کہ قاضی۔ مردہ قبر میں اس طرح رکھا جائے کہ سر اس کا مشرق کی طرف ہو اور پاؤں مغرب کی طرف۔ چیلوں کو چاہیے کہ وہ سوئیں بھی اسی طرح۔ حصول علوم عربیہ ترک کرنا چاہیئے اور حصول علوم غریبہ

فرض سمجھا جائے۔ "کساد فضل" ابکے حکم کے اجراء کی تاریخ ہے۔

۹۹۰ھ۔ اس سال ہی ایسے بہت احکام جاری ہوئے "شیوع معصیت" ان کی اشاعت کی تاریخ ہے۔ بادشاہ نے مان سنگھ سے مرید ہونے کو کہا۔ مان سنگھ نے جواب دیا کہ اگر مریدی سے مطلب جان سپاری ہے تو جان ہتھیلی پر رکھے ہوئے ہوں۔ مجھ سے عہد لینے کی کیا ضرورت۔ اور اگر اس سے یہ مطلب ہے کہ نیا دین قبول کروں تو میں عرض کرتا ہوں کہ میں ہندو ہوں اگر آپ چاہیں گے تو مسلمان ہو جاؤنگا لیکن نیا دین قبول نہیں کر سکتا۔ بادشاہ نے اصرار نہ کیا۔

۹۹۱ھ۔ اس سال کے احکام یہ ہیں۔ گائے بھینس۔ بھیڑ گھوڑے اور اونٹ کا گوشت حرام ہے۔ لڑکا جب تک بارہ سال کا نہ ہو لے اس کا ختنہ نہ کیا جائے۔ اس کے بعد اسے اختیار ہے خواہ کرے خواہ نہ کرے۔ قصابوں کے ساتھ کوئی شخص

کھانا نہ کھائے جو کھائے اس کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں۔

سنہ اس سال جانی بیگ ارغون بادشاہ سندھ نے خان خاناں عبدالرحیم سے شکست کھائی معافی کا خواستگار ہوا اور دین اکبری میں داخل ہوا۔ اس کے دیکھا دیکھی کچھ اور بڑے لوگ بھی اس دین میں داخل ہوئے اور ڈاڑھیاں منڈوائیں۔ بگفتہ ریشہا بر باد دادہ مفسدے چندے اس واقعہ کی تاریخ ہے۔

سنہ اس سال شیخ مبارک نے وفات پائی۔ شیخ فیضی اور شیخ ابوالفضل نے ماتم میں ہندوؤں کی طرح چار ابرو کا صفایا کرایا۔ حکم ہوا کہ قبرستان سورج کی تعظیم کے لیے شہر کے مشرق کی طرف بنے۔ اگر کوئی چیلہ مرجائے تو کچھ دانے اناج کے اور ایک اینٹ اس کی گردن میں باندھی جائے۔ اور وہ پانی میں ڈبو دیا جائے اگر پانی نہ ہو تو جلایا جائے یا درخت سے لٹکایا جائے اگر کوئی عورت اپنے شوہر سے لڑا کرتی ہو تو شیطان پورہ بھیج دی جائے۔ اگر کوئی ہندو بچپن میں مسلمان ہوگیا ہو اور بالغ ہونے کے بعد چاہے کہ پھر اپنا دین

آبائی اختیار کرے تو کر سکتا ہے کوئی اسکو منع نہ کرے۔ ہر شخص جو دین چاہے چھوڑ سکتا ہے جو دین چاہے قبول کر سکتا ہے۔ کوئی اس کو جبراً ہم ہنو ہندو عورت اگر کسی مسلمان پر فریفتہ ہو جائے اور اسلام قبول کر لے تو جبراً و قہراً اپنے لوگوں کے سپرد کی جائے۔ ہندوؤں کو بت خانوں کے بنانے سے کوئی منع نہ کرے

سنہ ۱۰۰۱۔ اعظم خاں مرید ہونے کے بعد گجرات بھیجا گیا تھا وہاں جاکر وہ مرتد ہو گیا تھا۔ ہر چند بادشاہ نے اسے واپس بلایا مگر وہ نہ آیا۔ اس کی ڈاڑھی بہت لمبی تھی۔ بادشاہ نے اسے لکھا کہ کیا تمہاری داڑھی اتنی بوجھل ہو گئی ہے کہ تمہیں یہاں تک آنے نہیں دیتی۔ اعظم خاں مارے خوف کے صوبہ داری چھوڑ چھاڑ کر مکے چلا گیا۔ وہاں کے لوگوں نے اس کی خوب حجامت بنائی۔ اسی سال وہ واپس آیا پھر مرید ہوا۔ ڈاڑھی منڈوائی اور سجدہ کیا۔ ایک روز بادشاہ دیوان خاص میں مقربوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ شیخ عبد القادر کی طرف اشارہ کر کے ابو الفضل نے کہا کہ

لے سے صوفی مشرب آزاد خیال خیال کرتا تھا لیکن وہ اتنا متعصب فقیہہ ہے کہ کوئی تلوار اسکے تعصب کی گردن کو نہیں کاٹ سکتی۔ ابوالفضل نے پوچھا کہ آپ نے یہ رائے کس بنا پر قائم کی بادشاہ نے کہا کہ رزم نامہ (*) میں اس نے لکھا ہی کہ ایک پنڈت نے مرتے وقت اپنے چیلوں سے کہا کہ انسان کو لازم ہی کہ سب سے پہلے صانع نیچون کو پہچانے برُے کاموں سے بچے اور جانے کہ ہر کام کی بازپرس ہوگی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ منکر نکیر حشر و نشر حساب میزان وغیرہ کا قائل ہی۔ بدایونی نے تقیہ کرکے کہا کہ میں صرف مترجم ہوں جو کچھ ہندوؤں نے اس کتاب میں لکھا ہے میں نے بلا کم و کاست اور بلا تحریف اس کا ترجمہ کیا ہے۔ اگر میں نے اپنی طرف سے کچھ لکھا ہو تو بیشک میں نے تقصیر کی ابوالفضل نے اس کی تائید میں کچھ کہا بادشاہ نے پھر کچھ نہ کہا۔

۱۰۰۰ھ۔ اس سال صدر جہاں مفتی مع اپنے دو بیٹوں کے دین اکبری میں داخل ہوا۔ پوچھا کہ داڑھی کے بارے میں کیا حکم ہے بادشاہ

(*) مہابھارت کا فارسی ترجمہ

نے جواب دیا ابھی رہنے دو۔ یہی روز ملا تقی شستری نے جو اپنے ئیں اعلم العلما سمجھتا تھا اور صوفی احمد دہلوی نے جو اپنے آپ کو غوث الثقلین کی اولاد سے بتاتا تھا دین اکبری قبول کیا۔ اور داڑھیاں منڈوا ئیں موتر اشئے چنڈ اس واقع کی تاریخ ہے۔

سنہ ۱۰۱۴ میں اکبر نے وفات پائی۔

خلاصہ

جتنا چرچا عقلیت کا اکبر کے عہد میں تھا کسی مسلمان بادشاہ کے عہد میں نہیں ہوا۔ اکبر ہندوستان کا ماموں رشید تھا بلکہ اس سے بھی گوے سبقت لے گیا۔ ماموں اگرچہ عقلیت کا بڑا حامی تھا مگر تقلیدی مذہب نہ چھوڑ سکا۔ اکبر نے نہ صرف اسے چھوڑا بلکہ ایک نیا مذہب جو عقل پر مبنی تھا ایجاد کیا۔ اکبر صرف ہندوستان کا بادشاہ نہ تھا عقلیت کا بھی بادشاہ تھا۔ فرنگستان میں اس زمانے میں آزاد خیال لوگ جلائے

جا رہے تھے اور ذبح کئے جا رہے تھے۔ ایران میں عقل پرست وحشی جانوروں
کی طرح شکار ہو رہے تھے اور بھاگے بھاگے پھر رہے تھے۔ مگر اکبر کا دربار ملحدوں کا
ملجا و ماوا ہو رہا تھا اور فتح پور سیکری دار السلام بن رہا تھا۔ علما اور نکمے
اصفیا پر کچھ ظلم ہوا مگر یہ خود انکا قصور تھا جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہی۔
اکبر شروع میں بڑا خوش اعتقاد تھا لیکن اکثر ایسا ہوتا ہی کہ شروع
میں جو شخص ضرورت سے زیادہ خوش اعتقاد ہوتا ہے بعد میں وہی
لامذہب ہو جاتا ہی۔ یہی حال اکبر کا ہوا۔ لامذہب ہونے کے بعد اس نے
معمۂ دہر پر غور کیا اور نتیجہ نکالا کہ اچھا مذہب وہی ہی جو عقل و علم پر قائم ہو
نہ کہ وحی و الہام پر۔ اس کے بعد اس نے تمام مذہبوں کو جانچا ہر مذہب
میں جو بات اسے عقل و علم کے مطابق ملی وہ لی اور ایک نیا مذہب
مرتب کیا۔ توحید کا اصول مسلمانوں سے لے لیا۔ قدم عالم اور تناسخ
کا اصول ہندوؤں اور نقطویوں سے لیا۔ آفتاب پرستی اور آتش
پرستی زردشتیوں سے سیکھی جو احکام اس نے جاری کیے وہ زیادہ

تر معقول اور عمدہ تھے کچھ ان میں سے نامعقول مضحک اور ہندوانہ مذاق کے بھی تھے مگر جب ہم دیکھتے ہیں کہ اول وہ امی تھا دوسرے وہ بادشاہ تھا اسے مصالح ملکی کا خیال رکھنا پڑتا تھا تو اسے قابل معافی سمجھتے ہیں۔ اکبر کا بڑا کارنامہ جس کے لیے وہ داد کا مستحق ہے یہ ہے کہ اُس نے وحی والہام سے تعرض کیا اور عقل و علم کی طرف توجہ کی۔

جہانگیر

اکبر کے مرنے کے بعد اس کا دین بھی مر گیا۔ اسکے چیلے امرا تھے۔
عوام الناس میں اس کا دین نہیں پھیلا تھا۔ چیلوں کی تعداد بہت کم تھی
کچھ اکبر سے پہلے مر گئے تھے جو باقی رہے وہ اسکے بعد ہی مر گئے یا مرتد ہو گئے
جہانگیر اس دین کا قائل ہی نہ تہا جو اس کی اشاعت کرتا۔ تخت پر بیٹھتے
ہی اسنے نئے احکام جاری کئے اور اکبری احکام خود بخود منسوخ ہو گئے۔
جہانگیری احکام میں ایک حکم ایسا ہے جس میں اکبری دین کی بو پائی جاتی ہے
وہ یہ ہے پنجشنبہ کو جو میرے جلوس کا دن ہے اور یک شنبہ کو جو میرے
باپ اور دنیا کی ولادت کا دن ہے کوئی جانور ذبح نہ کیا جائے ربیع الاول
کی اٹھارویں میری ولادت کی تاریخ ہے اسلیے اس مہینے کے آخری نصف
میں بھی کوئی جانور ذبح نہ کیا جائے

جہانگیر موحد تھا اور بت پرستی کو برا سمجھتا تھا جیسا کہ ابن مکالمے

سے جو مابین اسکے اور برہمنوں کے ہوا ظاہر کیا جہانگیر نے ان سے کہا ۔ اگر منتہائے دین شما بر فرود آمدن ذات مقدس حق تعالیٰ است در وجود مخلوقات بطریق حلول آن خود نزد ارباب عقل مردود است و این مفسده لازم وارد که واجب تعالیٰ که مجرد از جمیع تعینات است قابل حلول و عروض و تفرق بوده باشد و اگر مراد ظہور نور الٰہی است درین اجسام آن خود در ہمہ اجسام مساوی است و باین ده پیکر مختص نیست ۔ و اگر مراد اثبات صفت از صفات الٰہی است درین صورت ہم تخصیص درست نه زیرا که در ہر دین و آئین صاحبان معجزات و کرامات ہستند که از دیگر مردمان زمان خود بدانش و فراست ممتاز بوده اند ۔ پنڈتوں نے جواب دیا کہ خدائے تعالیٰ شکل چون و چگون سے منزہ ہے لیکن چونکہ ہماری عقل اس کی ذات مجرد کے سمجھنے میں ناقص ہے ۔ ہم نے ان دس صورتوں کو اسکے سمجھنے کا وسیلہ بنایا ہے جہانگیر نے کہا ۔ این پیکرہا کے شما را وسیله مقصود بمعبود توانند شد

جہانگیر کو اہل الباطن سے بہت عقیدت تھی عام اس سے کہ وہ ہندو ہو یا مسلمان یا عیسائی وغیرہ تھے۔ چندروپ سنیاسی۔ شیخ محمد میر صوفی۔ عبدالحق محدث۔ شریف آملی نقطوی ان سب کی وہ بہت عزت کرتا تھا چندروپ سنیاسی اجین کے قریب ایک غار میں رہتا تھا۔ غار اتنا تنگ تھا کہ وہ چھپکلی کی طرح پیٹ کے بل اس میں داخل ہوتا تھا۔ دن رات میں صرف ایک بار شہر کو بھیک مانگنے اور دریائے چمبل میں غسل کرنے جاتا تھا عربی فارسی جانتا تھا اور جوگ اور تصوف کی تطبیق کرتا تھا۔ اکبر نے اس سے ایک بار ملاقات کی۔ جہانگیر جب کبھی اجین کی طرف جاتا تھا تو اس سے ملتا تھا اور گھنٹوں اس سے باتیں کرتا تھا لکھتا ہے "تا شش گھڑی با وصحبت داشتم سخنان خوب مذکور ساخت چنانچہ خیلے در من اثر کرد او را ہم صحبت من در افتاد و جود وشش بغایت مغتنم است در مجلس او محظوظ و مستفید مے تواں شد" چندروپ اس کے کہنے سے متھرا چلا آیا اور لب جمنا ایک مندر میں رہنے لگا۔ وہاں جہانگیر اکثر اس کی ملاقات کو جاتا تھا۔ انہی دنوں میں خسرو قید تھا۔ اعظم خاں مرزا

عزیز کوکہ نے جو خسرو کا خسر تھا چندر روپ سے درخواست کی۔ کہ جہانگیر آپ کو بہت مانتا ہے اس سے خسرو کی سفارش کیجیے۔ چندر روپ نے جو سفارش کی تو متھرا میں جہانگیر نے خسرو کو رہا کر دیا۔ متھرا میں چندر روپ کے بہت سے معتقد پیدا ہو گئے اور اسکے مندر میں لوگوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی۔ حاکم بیگ حاکم آگرہ کو جو نورجہاں کی بہن خدیجہ بیگم کا شوہر تھا برا معلوم ہوا اس نے چندر روپ کے کوڑے لگوائے۔ جہانگیر اس پر بہت خفا ہوا اور اسے قتل کرنا چاہتا تھا مگر نورجہاں کی سفارش سے چھوڑ دیا۔

شیخ محمد میر لاہور کا ایک صوفی تھا۔ سندھی الاصل تھا۔ جہانگیر اس کے بارے میں لکھتا ہے "بغایت فاضل مرتاض مبارک نفس و صاحب حال بود در گوشۂ توکل و عزلت منزوی شدہ از فقر غنی و از دنیا مستغنی بود بنا بر ین خاطر حق طلب بے ملاقات ایشاں قرار نگیرد و بدیدن ایشاں رغبت افزود چوں بلاہور رفتن متعذر بود بخدمت ایشاں نوشتم شوق باطن را ظاہر ساختم۔ آن عزیز باوجود کبر سن و ضعف بنیہ تصدیعہ کشیدہ تشریف

اورو . مدت ممتد تنہا با ایشان نشستہ صحبت مستوفی داشتہ شد . الحق ذات شریف است و دریں عہد بغایت غنیمت و عزیز الوجود ایں نیاز مند از خود برآمدہ با ایشان صحبت داشت و بسا سخنان بلند از حقایق و معارف استماع شد ہر چند خواستم نیاز گذرانم چوں پایہ ایشان را ازاں عالی تر یافتم خاطر باظہار ایں مطلب رخصت نداد . پوست آہوے سفید بجہت جائے نماز با ایشاں گذرانیدم فی الفور وداع شدہ بہ لاہور تشریف بردند .

شیخ عبد الحق دہلوی بڑا عالم تھا ۔ اخبار الاخیار ۔ مدارج النبوۃ جذب القلوب وغیرہ بہت سی کتابیں لکھیں ۔ جہانگیر اس کے بارے میں لکھتا ہے مرد گرامی است صحبتش بے ذوق نیست . بانواع مراحم دلنوازی کردہ رخصت فرمودم . در گوشہ دہلی بوضع توکل و تجرید بسر مے برد ۔

شریف آملی نقطوی جس کا ذکر پہلے آچکا ہے اور جسے بدایونی اعجوبا شریف کہتا ہے اس کی نسبت جہانگیر لکھتا ہے

شریف بسیار پاکیزہ نہاد و خوش نفس است : با آنکہ از علوم رسمی بہرہ ندارد
اکثر اوقات ازو سخنان بلند و معارف ارجمند سر بر میزند . در لباس فقر و
تجرید مسافرت بسیار نمودہ . با بسیارے از بزرگان صحبت ہا داشتہ مقدمات
ارباب تصوف را در ذکر دارد . این معنی قالی است نہ حالی در زمان والد
بزرگوارم از لباس فقر و درویشی بر آمدہ امارت و سرداری یافتہ -
نطقش نہایت قوی است . روزمرہ و تکلمش با آنکہ از مقدمات عربیت عاری
محض است در غایت فصاحت و پاکیزگی است انشاے عبارتش نیز
خالی از نمکے نیست

اہل الباطن سے تو جہانگیر کو اتنی عقیدت تھی اہل الظاہر خاصکر علما
سے اسے بہت عداوت تھی اور انہیں بہت ستایا کرتا تھا . رمضان کے
مہینے میں دن بھر دربار کرتا تھا علما کو اپنے سامنے کھڑا رکھتا اور ان کے
سامنے کھانا کھاتا تھا اور شراب پیتا تھا . فرنگیوں کے ساتھ سؤر* کا

* بقول مانوکی باشندہ اٹلی جو اس زمانے میں بغرض سیاحت ہندوستان آیا تھا

گوشت کہاتا تھا ایک مرتبہ علماء سے کہا کہ میں عیسائی ہونا چاہتا ہوں کیونکہ ان کے مذہب میں شراب و رسور کا گوشت حلال ہیں اور فرنگیوں سے کہا کہ میرے لیے عیسائی لباس بنوا لاؤ۔ علماء ڈرے کہ کہیں واقعی عیسائی نہو جائے اس سے کہا کہ آپ شوق سے شراب پیجئے اور سور کا گوشت کھائیے۔ مگر عیسائی نہو جیئے۔ جہانگیر اور دلیر ہو گیا شراب تو پیتا ہی تہا اب وہ کھلم کھلا سب کے سامنے سور کا گوشت کہانے لگا۔ سونے کے کچھ سور بنوائے اور دربار کے صحن میں رکھوائے صبح اٹھکر ان کے درشن کیا کرتا تھا اور کہا کرتا تہا کہ میں علی الصباح بہ نسبت مسلمان کی صورت کے سور کی صورت کا دیکھنا اچھا سمجھتا ہوں۔ جہانگیر جب تک زندہ رہا سور کی مورتیں وہیں پڑی رہیں اس کے مرنے کے بعد شاہ جہاں نے اسے گروایا۔ تعجب کی بات ہی کہ جہانگیر باوجود ہمقدر لامذہب ہونے کے خواجہ معین الدین اجمیری کا معتقد تھا ایک دفعہ جب وہ سخت بیمار ہوا تو منت مانی کہ اگر میں اچھا ہو گیا تو معین الدین اجمیری کا حلقہ بگوش ہوں گا۔

چنانچہ اچھے ہونے پر کانوں میں بالیاں ڈالیں۔ اچھا تو طبیبوں کے علاج سے ہوا اور حلقہ بگوش معین الدین اجمیری کا بنا

شاہجہاں

شاہجہاں مذہبی اور دیندار تھا جیسا کہ اورنگ زیب کے ذیل کے خط سے جو اس نے اپنے بیٹے سلطان محمد اعظم کو لکھا معلوم ہوتا ہے۔ اعلیحضرت میفرمودند کہ شکار کار بیکاران ست۔ انسان اگر با مور عقبے نتواند پرداخت ساختگی کارہائے دنیا چہ بدست کہ الدنیا مزرعتہ الاخرۃ واقع شدہ۔ خود بدولت نفس نفیس چہار گھڑی آخر شب از خواب گاہ بر آمدہ با بشارتوفیق وضو کردہ باوراد و وظائف مے پرداختند و پیش از صبح صادق بعد بانگ صلوٰۃ با جماعت فضلا نماز صبح ادا کردہ بجھروکہ درشن تشریف مے آوردند و دوشینان را بسعادت دیدار فیض آثار نواختہ بعد بر آمدن چہار گھڑی روز دیوان عام میفرمودند وراں مجلس جمیع منصب

داراں جزو کل بار مجرا یافتہ دیوان اعلی و میر بخشی تجویز اہل خدمات و حقائق حسن
تردداتو جانفشانی ناظمان و فوجداران و امینان و کروریان صوبجات
بعرض رسانیدہ دامن امید ہر یکدام بانجاح مرام پر ساختہ دلگرمی دیگراں
می نمودند و بعد ملاحظہ معتاد اسپان و فیلان خاصہ یک پاس و دو گھری
روز برآمدہ از دیوان عام بدیوان خاص رونق می بخشیدند. دراں مقام بخشیان
خدام احوال نو سرفرازان منصب معروض نمودہ حکم عرض مکرر و نظر ثانی حاصل
می کردند. و انتخاب وقائع و سوانح ہر صوبہ عرض کردہ فراخور ہر مقدمہ
صدور احکام و فرامین را حکم متعلق می گرفتند. تا قریب دوپہر ایں معاملات
درپیش می بود. من بعد برغبت طعام خاصہ کہ تاکیداً از وجہ حلال مرتب
می شد متوجہ شدہ برائے تقویت تن و قوت عبادت و دادگستری بقدر
سد رمق نوش جان فرمودہ و خبر اکل و شرب وظیفہ خواران و راتبہ
داراں کہ اکثرے ازاں علما و فضلا و طلبہ علم و مساکین و غربا و یتیمان و
بیکسان و بیماراں بودند و بسیارے را از انما و نظر کیمیا اثر دو تنہا

می دانستند استفسار نموده در خوابگاه خاص تشریف برده ساعتی با دل
بیدار قیلوله کرده بعد انقضای دو پاس و چهار گهڑی روز از خوابگاه برآمده
وضو کرده در نمازخانه تلاوت قرآن مجید مشغول می شدند. پس از ادای نماز
ظهر اوراد مرتب و تسبیح در دست در سمن برج آمده نشستند. دیوان اعلی
در آنجا حاضر شده بعرض معروض مطالب مالی و ملکی پرداخته اکثر
کاغذها را بدستخط انور میرسانیدند. و چهار گهڑی روز مانده باز دیوان عام
میفرمودند. درین وقت بخشی و دیوان تن نو سرافرازان منصب و طلب
داران جاگیر را از نظر انور میگذرانیدند و آن حضرت بغور تمام تفتیش احوال حسب و
نسب و جوهر ذاتی و کاردانی هرکدام فرموده برای تشخیص منصب و تنخواه
جاگیر حکم میفرمودند بعد شام از دیوان عام برخاسته نماز مغرب خوانده در
غسلخانه خاص تشریف می بردند و آنجا مورخان شیرین زبان و قصه
خوانان فصیح بیان و قوالان خوش الحان و سیاحان عرصه جهان
حاضر می شدند اندرون پرده نسوان و بیرون ذکور هریک موافق

رغبت طبع اشرف و اعلی احوال اسلاف از بزرگان بادشاہان و عجائب و
غرائب دیار و امصار بعرض میرسانیدند. خلاصہ آن حضرت تا نصف اللیل
اوقات شبانروزی خود را باین قسم تقسیم فرموده داد زندگانی و فرماں دہی
مے دادند

شاہجہاں خود تو مذہبی اور دیندار تھا لیکن اپنے بیٹوں کو مذہب کے بارے
میں آزادی دے رکھی تھی۔ داراشکوہ لامذہب تھا۔ شجاع اور مراد شیعہ
تھے اور اورنگ زیب جیسا کہ مشہور ہے کٹا سنی تھا۔

داراشکوہ اکبر کی طرح محقق حق تھا۔ برہمن سنیاسی فقیر پادری اسکے
درباری تھے۔ سرمد مشہور ملحد اس کا بڑا مقرب تھا۔ دارا نے سفینۃ الاولیا
حسنات العارفین۔ مجمع البحرین اور سر الاسرار وغیرہ کتابیں لکھیں
سفینۃ الاولیا میں ان حضرت کے سوانح لکھے ہیں۔ حسنات العارفین
میں اصفیا کے حالات لکھے۔ مجمع البحرین میں اسلام اور مذہب ہنود کی
تطبیق کی۔ سر الاسرار میں فلسفہ ہنود کی تشریح کی۔ اس کتاب کا

ایک نسخہ لندن کے عجائب خانہ میں موجود ہے۔ معلوم ہوتا ہے دارا اکبر کی طرح شروع میں مذہبی تھا اور بعد میں کافر ہو گیا تھا۔ سفینۃ الاولیا اور سکینۃ العارفین اس وقت لکھیں جب وہ مذہبی تھا اور مجمع البحرین اور سر الاسرار جو قت تب وہ کافر ہو گیا تھا۔ کاترونام ایک عیسائی کی رائے ہے کہ وہ عیسائی تھا در اصل وہ لامذہب تھا ہندو اسے ہندو عیسائی اسے عیسائی اور مسلمان اسے ملحد بے سمجھتے تھے۔ اورنگ زیب جیسا کہ معلوم ہے بڑا متشرع اور متدین بادشاہ تھا کوئی نماز قضا نہیں کرتا تھا کوئی روزہ نہیں کھاتا تھا۔ جمعہ کی نماز ہمیشہ باجماعت پڑھتا تھا۔ تخت نشینی کے بعد قرآن حفظ کیا اس موقع پر میرزا روشن ضمیر نے بغرض تہنیت یہ رباعی پیش کی۔

صاحب سیفی و مرتضےٰ حافظ تو ۔۔۔ محی الدین و مصطفےٰ حافظ تو

تو حافظ قراں و خدا حافظ تو ۔۔۔ تو حامی شرع و حامی تو شارع

اورنگ زیب کو باوجودیکہ شاعری اور شاعروں سے نفرت تھی انہیں سات ہزار روپیہ انعام دیئے۔ نہایت سادگی سے رہتا تھا بموجب

ایک روایت ہے کہ ٹوپیاں بنایا کرتا تھا اور جو دام انکے بیچنے سے وصول
ہوتے تھے وہی اپنے کھانے میں خرچ کرتا تھا اکثر جو کی روٹی کھایا کرتا تھا
رنگین لباس اور زیوروں سے سخت نفرت رکھتا تھا ایک رقعے میں لکھتا
ہے کہ مرحمت خاں امروز لباس فاخرہ پوشیدہ بحضور آمدہ بود و دامن
جامہ آنقدر دراز داشت کہ پا بنظر نمے آمد بہ محرم خاں فرمودیم کہ دو گرہ
از دامن آں کوتہ عقل دور کنند۔ آنفدوی باو بگوید کہ دامن بدستوریکہ در
حضور متعارف است ہماں قدر داشتہ باشد والا قدم در غسل خانہ نگذارد، مرد
را باید کہ الفت با لباس سادہ پر کار داشتہ باشد زینت و تکلف خاصہ
زناں است و بہماں مے زیبد۔ و ترفہات دیگر ہم مناسب این مقام
بطریق موعظت بگوش او باید خواند۔ ایک رقعے میں اپنے بڑے بیٹے
محمد معظم شاہ عالم کو لکھتا ہے از نوشتہ عزیزے معلوم شد کہ چیرہ زعفرانی
بر سر و جامہ طلائی در بر در دیوان مے نشینند۔ سن شریف از چہل گذشت و
نازم بایں ریش و فش ۔ ایک اور رقعے میں لکھتا ہے از عرض

بےغرضے ظاہر شد کہ امسال جشن نوروزی بطور اہل ایران بہ تکلف کردہ اند
بہ فضل الٰہی عقائد خود درست دارند این بدعت تازہ از کہ آموختہ اند ظاہرا
از عرب کہ خود را سید میگویانند ہونام کنندہ ٹکوٹاے چند تعلیم کردہ
باشد۔ بہر حال چوں این روز از اعیاد مجوسی است و باعتقاد کفار ہند
روز جلوس بکرماجیت لعین و مبداء تاریخ ہند من بعد بعمل نیاید و چنین جہالت
بفعل نگراید۔ گفتہ گفتہ من شدم بسیار گو۔ از شما یک تن نہ شد اسرار جو
استغفر اللہ ربی من کل ذنب و اتوب الیہ۔

ایسے متمدین اور متشرع بادشاہ کے عہد میں بھلا آزاد خیالوں کا گذارہ
کیسے ہو سکتا تھا۔ دارا کے شہید ہونے کے بعد سرمد گرفتار ہوا اور
قاضی عبد القوی اعتماد خانی۔ جو اپنے زمانے کا مخدوم الملک تھا سپرد
ہوا۔ اس نے سرمد کو انکار معراج کے جرم میں قتل کرا دیا اگرچہ کہا جاتا ہے
کہ سرمد کا اصلی جرم دارا کی رفاقت تھی۔ عزرائیل صفت عبد القوی
ایک اور آزاد خیال شخص موسوم بہ شیخ محب اللہ الہ آبادی کو بھی

قتل کراتا مگر اتفاق سے شیخ مر گیا حضرت عزرائیل خود پہنچ گئے تھے۔
شیخ محب اللہ نے رسالہ تسویہ نام ایک رسالہ لکھا جس کے شروع کے
الفاظ یہ تھے۔ الحمد لمن وجد بکل ما وجد وسجد بکل ما سجد۔ اس رسالے
میں اس نے وحی اور معراج وغیرہ بہت سے مسائل پر بحث کی۔ وحی
کے بارے میں لکھا کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ جبرئیل ایک فرشتہ ہے جو پیغمبروں
کے پاس وحی لاتا ہے غلط ہے۔ جبرئیل غیر معمولی قوت باطنی کا نام ہے
جو پیغمبروں میں ہوتی ہے۔ اس قوت کی وجہ سے جو باتیں پیغمبروں کو سوجھتی
ہیں وہ معمولی آدمیوں کو نہیں سوجھتیں۔ انہیں باتوں کا نام وحی ہے۔ جب
یہ رسالہ اورنگ زیب کی نظر سے گذرا شیخ محب اللہ مر چکا تھا
مگر میر سید محمد قنوجی اور شیخ محمدی اس کے دو مرید زندہ تھے
دونو بلوائے گئے۔ میر سید محمد قنوجی سرکاری ملازم تھا بہت ڈرا اور
بادشاہ کے پاس جاکر شیخ محب اللہ کی مریدی سے توبہ کر لی۔
مگر شیخ محمدی ایک آزاد منش اور درویش صفت

شخص تھا بادشاہ کے پاس نہ گیا۔ بادشاہ نے اُسے
کہلا بھیجا کہ رسالہ تسویہ کی قرآن و حدیث سے تطبیق کرو۔ اگر نہیں کر سکتے
تو اسے جلا دو۔ اور شیخ محب اللہ کی مریدی سے توبہ کر لو۔ شیخ محمدی نے
جواب دیا کہ جس مقام سے شیخ محب اللہ نے گفتگو کی ہے ابھی میں اس مقام
پر نہیں پہنچا۔ جب پہنچ جاؤنگا تو بموجب آپ کے حکم کے رسالہ تسویہ کی قرآن
و حدیث سے تطبیق کرونگا۔ اگر آپ اس رسالہ کو اتنا بُرا سمجھتے ہیں تو آپ
تو جلا دیجئے آپ بادشاہ ہیں۔ آپ کے مطبخ میں بہت آگ رہتی ہے
میں تو فقیر ہوں میرے چولھے میں کبھی آگ نہیں رہتی۔ ہرچہ بادا باد میں
شیخ محب اللہ کی مریدی سے توبہ نہیں کرونگا۔ اورنگ کو شاید یہ دلیرانہ
جواب پسند آیا اور اس سے کچھ نہ کہا۔

اورنگ زیب باوجودیکہ اس قدر راسخ الاعتقاد تھا جب اسکے مرنے
کا وقت قریب آیا ہی تو ڈھلمل یقین ہو گیا۔ نزع کی حالت میں اپنے بڑے
بیٹے سلطان محمد معظم کو لکھتا ہے "از خود خبرم نیست کہ کیستم و کجا میروم"

اور اپنے دوسرے بیٹے کو لکھتا ہے "خبر از خود ندارم کہ کیستم وچہ کارہ امم" یہ کلمات لاادریہ ہیں۔ راسخ الاعتقاد مسلمان کی زبان سے نہیں نکل سکتے۔ راسخ الاعتقاد مسلمان مرتے وقت کہیگا انا للہ وانا الیہ راجعون وغیرہ لاادریہ کلمات پڑہنے کے بعد ہی اورنگ زیب پہلے خط میں عام مسلمانوں کی طرح کہتا ہے "وبر سر ایں عاصی پر معاصی چہ خواہد گذشت" اور دوسرے خط میں کہتا ہے "نفسے کہ بے ریاضت رفت افسوس آں باقی ماند" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عالم شک وحالت تذبذب میں تھا نہیں جانتا تھا کہ میرا عقیدہ کیا ہے عمر بھر تو اس کی تشرع وتورع میں کٹی آخری وقت میں کیا خاک کافر ہوا

دماغی اور تمدنی ترقی

عقلیت اور آزاد خیالی کی بدولت مغلوں نے بہت کچھ دماغی اور تمدنی ترقی کی جس شان وشوکت سے انہوں نے اکبر کے عہد سے اورنگ زیب کے عہد تک حکومت کی۔ دنیا میں کم قوموں نے کی ہوگی۔

چونکہ عقلیت کے یہ معنی ہیں کہ انسان کے خیالات اور اعمال عقل وعلم پر قائم ہوں عقلیت باعث تحصیل علم کا ہوتی ہے تحصیل علم باعث دماغی ترقی کا ہوتی ہے۔ دماغی ترقی باعث تمدنی ترقی کا ہوتی ہے۔ لہٰذا عقلیت اور دماغی وتمدنی ترقی لازم وملزوم ہیں۔

اکبر کے عہد میں بہ نسبت اور مغل بادشاہوں کے عقلیت کا رواج زیادہ تھا۔ اس لیے اسی کے عہد میں دماغی اور تمدنی ترقی زیادہ ہوئی اکبر نے خود اس ترقی میں بڑا حصہ لیا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جوں جوں عقل پرستی اس میں زیادہ آتی گئی تحصیل علم کی خواہش اس کی زیادہ ہوتی گئی یہانتک کہ اگرچہ وہ امی تھا بڑا عالم ہوگیا تھا۔ کتاب خواں ہر روز اس کے سامنے کتابیں پڑھتے تھے۔ جو کتاب اسے پسند آتی تھی وہ بار بار اس کے سامنے پڑھی جاتی تھی اسطرح جو کتابیں پڑھنے کے قابل تھیں مثلاً کیمیائے سعادت۔ اخلاق ناصری۔ قابوس نامہ گلستان بوستاں۔ حدیقۂ ثنائے۔ مثنوی معنوی۔ جام جم۔ شاہنامہ

مثنویات نظامی۔ کلیات خسرو وخاقانی وانوری وغیرہ سب پڑھ لی تھیں۔ ہزارہا کتابیں جمع کیں اور لکھوائیں۔ اور ایک بڑا کتب خانہ بنوایا مامون الرشید کی طرح اس نے بھی غیر زبانوں سے کتابوں کا ترجمہ کرایا۔ ذیل میں ان کی فہرست درج کی جاتی ہی۔

سنگھاسن بتیسی۔ اس کتاب میں تیس کہانیاں راجہ بکرماجیت کے متعلق ہیں۔ طوطی نامہ سے ملتی جلتی ہی۔ بدایونی نے ایک برہمن کی مدد سے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ خرد افزا اس کا نام رکھا گیا۔ کتاب الحیوان یہ کتاب نقیب خاں اکثر اکبر کو سنایا کرتا تھا۔ شیخ مبارک نے عربی سے فارسی میں اس کا ترجمہ کیا۔ اتھربن وید۔ اس وید میں چند باتیں اسلام کے موافق ہیں۔ مثلاً یہ کہ جو شخص ایک کلمہ جس میں بہت سے لام ہیں نہیں پڑھے گا وہ نہیں بخشا جائے گا۔ گائے کا گوشت چند صورتوں میں مباح ہی۔ مردے کو جلانا نہیں چاہیے دفن کرنا چاہیے پہلے شیخ بہاون نام ایک نومسلم برہمن اور بدایونی اس کے ترجمہ کرنے

پر مقرر ہوے لیکن چونکہ یہ کتاب مشکل ہے اور اتنی سمجھ سے باہر تھی شیخ فیضی اور حاجی ابراہیم سرہندی اس کام پر مامور ہوے۔

مہابھارت۔ اس کا ترجمہ بدایونی۔ نقیب خاں۔ ملا شیری سلطان حاجی تہانیسری نے ملکے کیا۔ فیضی نے اس کا کچھ حصہ نظم کیا۔ ابوالفضل نے دیباچہ لکھا۔ ترجمہ کا نام رزم نامہ رکھا گیا۔

راماین۔ اس کا ترجمہ بدایونی نے کیا۔

نل دمن۔ یہ ایک دلچسپ افسانہ ہے۔ فیضی نے اسے مثنوی کی صورت میں فارسی کا لباس پہنایا۔

معجم البلدان۔ اس مشہور عربی کتاب کا ترجمہ ملا احمد۔ قاسم بیگ۔ شیخ منور اور بدایونی وغیرہ بارہ علما نے ملکے کیا۔

بحر الاسمار۔ یہ ایک ہندی افسانہ ہے۔ اس کے ایک حصے کا ترجمہ زین العابدین بادشاہ کشمیر نے کیا۔ دوسرے حصہ کا ترجمہ بدایونی نے کیا۔ پہلا حصہ قدیم اور غیر متعارف زبان میں تھا۔ بدایونی نے اسے از سر نو

اسے سلیس اور سادہ فارسی میں لکھا۔ یہ کتاب بدایونی اکثر بادشاہ کو اسکی خواب گاہ میں رات کو سنایا کرتا تھا۔

تاریخ کشمیر۔ یہ کتاب کشمیری زبان میں تھی اس کا ترجمہ ملا شاہ محمد شاہ آبادی اور بدایونی نے کیا۔

جامع رشیدی۔ اس کا ترجمہ ابوالفضل اور بدایونی نے کیا۔

توزک بابری۔ اس کا ترجمہ عبدالرحیم خان نے ترکی سے فارسی میں کیا۔

تاجک۔ یہ کتاب سنسکرت میں علم ہیئت کے متعلق ہے اس کا ترجمہ مکمل خان گجراتی نے کیا۔

لیلاوتی۔ یہ کتاب سنسکرت میں علم حساب کے متعلق ہے اس کا ترجمہ فیضی نے کیا۔

کلیلہ دمنہ۔ یہ کتاب ادق فارسی میں تھی۔ ابوالفضل نے اسے سلیس فارسی میں لکھا سلیس فارسی میں لکھکر اسے اور ادق کر دیا۔ عیار دانش

اس کا نام رکھا گیا۔

بیجا گنیتا۔ یہ کتاب جبر و مقابلہ کے بارے میں ہے اس کا ترجمہ فیضی نے کیا

ہری بنس۔ اس میں کرشن کے حالات درج ہیں اس کا ترجمہ ملا شیری نے کیا

انجیل۔ اس کا ترجمہ ابوالفضل نے پادری فرمیوں کی مدد سے کیا۔

یہ ترجمے اکبر کو اسقدر پسند آئے کہ اس زمانے لوگوں کا خیال تھا کہ علوم دینیہ

کے بجائے علوم غریبہ یعنی نجوم۔ حساب فلسفہ افسانہ وغیرہ پڑھے جاتے ہیں۔

اکبر کے عہد میں بہت سی کتابوں کا صرف ترجمہ نہیں ہوا تصنیف بھی ہوئیں

سب سے بڑی کتاب جو تصنیف ہوئی وہ آئین اکبری ہے اس طرز کی کتاب

پہلے ساری دنیا میں کبھی نہیں لکھی گئی تھی۔ دوسری بڑی کتاب تاریخ الفی ہے

اس زمانے کے لوگوں کا خیال تھا جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے کہ جب آنحضرت

کی بعثت کو ایک ہزار سال ہو جائیں گے تو اسلام منسوخ ہو جائے گا اور

نئے مذہب کی ضرورت ہو گی۔

سنہ ہجری بعثت کو ایک ہزار سال ہو گئے تھے اکبر نے نیا مذہب

ایجاد کیا اور حکم دیا کہ ہزار سال کی تاریخ لکھی جاوے اور تاریخ الفی اس کا نام رکھا جائے پہلے سات فضلا جن کے نام یہ ہیں نقیب خاں. میر فتح اللہ شیرازی. حکیم ہمام. حکیم علی. حاجی ابراہیم سرہندی. میرزا نظام الدین احمد اور بدایونی اس کام پر مامور ہوے. ہر شخص کے سپرد ایک سال ہوا. جب پینتیس سالوں کے حالات لکھے جاچکے تو ابوالفتح گیلانی نے بادشاہ سے کہا کہ سات ملاؤں میں مرغی حرام ہو رہی ہے. بہتر ہوگا اگر یہ کام ایک شخص کے سپرد ہو چنانچہ یہ کام ملا احمد ٹھٹھوی جو ایک متعصب شیعہ تھا اس کے سپرد ہوا. اس نے چنگیز خاں کے حالات لکھے تھے کہ فولاد بیگ* ایک متعصب سنی نے اسے مار ڈالا پھر یہ کام جعفر بیگ آصف خاں کے سپرد ہوا. اس نے ۹۹۷ھ تک کے حالات لکھے. ۱۰۰۰ھ میں بدایونی نے اس کی تصحیح اور تکمیل کی اکبر کے بعد چونکہ عقلیت کو زوال آگیا دماغی اور علمی ترقی میں بھی فرق

* زہے خنجر فولاد اس واقعہ کی تاریخ ہے

آگیا۔ جہانگیر کے عہد میں کوئی مشہور کتاب نہ لکھی گئی نہ ترجمہ ہوئی۔ شاہجہاں کے عہد میں دارا شکوہ۔ سعد اللہ خاں۔ آصف خاں۔ افضل خاں اور دانشمند خاں کی وجہ سے علوم غریبہ کا کچھ چرچا رہا۔ دارا شکوہ کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ سعد اللہ خاں بڑا عالم تھا علامی فہامی کہلاتا تھا۔ آصف خاں شاہجہاں کا خسر خطوں میں شعلہ افروز فطرت اشراقیاں و دانش آموز طبیعت مشائیاں لکھا جاتا تھا۔ افضل خاں ہیئت۔ حساب اور ہندسہ جانتا تھا علامی کہلاتا تھا "شہر افلاطوں وزیر اسکندر" اس کے وزیر ہونے کی تاریخ ہے طالشنیعانی۔ دانشمند خاں پنڈتوں سے فلسفہ ہنود اور برنیر مشہور فرانسیسی سیاح سے ڈی کارٹ۔ گیسنڈی۔ ہاروی۔ اور پیقے نام حکما اور طبیعین کی کتابیں پڑھتا تھا۔ اگرچہ اتنے بڑے بڑے لوگوں کو علوم غریبہ سے مذاق تھا۔ لیکن اس بحث سے جو مابین دانشمند خاں اور ملا عبد الحکیم سیالکوٹی کے ہوئی معلوم ہوتا ہے کہ شاہجہاں کے عہد میں علوم عربیہ نے علوم غریبہ کو کسقدر دبا لیا تھا۔ ملا عبد الحکیم سیالکوٹی مصنف حاشیہ بر

تفسیر بیضاوی" و"حاشیہ برحاشیہ عبد الغفار" تھا۔ بحث بادشاہ کے سامنے ہوئی۔ مبحث ایاک نعبد وایاک نستعین میں کا واو عطف تھا علامی فہامی سعد اللہ خاں میر تھا۔ بحث گھنٹوں ہوتی رہی آخر کار دونوں برابر رہے۔ افسوس کہاں وہ عہد اکبری کے جہاں آشوب علمی مباحثے اور کہاں یہ عہد شاہجہانی کی ردی اور فضول بحث۔ ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا اورنگ زیب کے زمانے میں غریب علوم غریب غائب ہوگئے اور اکبر کی ساری محنت برباد گئی۔

تمدنی ترقی بھی اکبر کے عہد میں بہ نسبت اور بادشاہوں کے زیادہ ہوئی ملکی انتظام درست ہوا۔ ہندوستان صوبوں میں تقسیم ہوا۔ صوبے ضلعوں میں تقسیم ہوئے صوبوں کا انتظام صوبہ داروں کے سپرد ہوا ضلعوں کا انتظام فوجداروں کے سپرد ہوا تمام ممالک محروسہ کی پیمائش ہوئی۔ محصول انصاف اور ضابطے سے وصول ہونے لگا۔ صنعت وحرفت کی ترقی ہوئی۔ نوروز کے روز بڑا میلا لگتا تھا اور نمائش ہوتی تھی

امرا کے ہاں جو نفیس اور عمدہ چیزیں ہوتی تھیں دکھائی جاتی تھیں امرا خود دکانداری کرتے تھے۔ عورتوں کو بھی نمایش میں جانے کی اجازت تھی ایک دو روز انکے لیے مخصوص تھے۔ بہت سی چیزیں ایجاد ہوئیں اکبر نے خود ایک ہاتھی گاڑی ایجاد کی جس میں کئی کمرے اور ایک غسل خانہ تھا۔ حکیم علی نے ایک عجیب مکان بنایا اوپر حوض تھا نیچے ایک سجا ہوا کمرہ تھا۔ کمرے میں جانے کا راستہ صرف حوض کے اندر سے تھا۔ میر فتح اللہ شیرازیؒ اکبر کے عہد کا سب سے بڑا

---

* اسکے مرنے پر اکبر کو بہت قلق ہوا فیضی نے ایک بڑا مرثیہ لکھا جس کے چند شعر یہ ہیں

گرامی اصالت فضل را عز و ند رحمانی ۔۔۔ ابو الآبای معنی شاہ فتح اللہ شیرازی

بو نصر بو نصر رفت و بو علی تا او پدید آمد ۔۔۔ بسے جاہ و قضا در تہ دکان نیست گو نہ بازی

گہے با محمل مشائیان گرد زمین گردی ۔۔۔ گہے با موکب اشراقیاں گرد فلک تازی

صبا بات از وجود کامل او بود و ماہی ما ۔۔۔ بدو مانی جلال الدین محمد اکبر غازی

شہنشاہ جہاں را از نقش پیر فرشتہ ۔۔۔ سکندر اشک حسرت ریخت کا فلاطون عالم شد

موجد تھا کئی قسم کی گاڑیاں ایجاد کیں ایک آئینہ ایجاد کیا جس میں دور و نزدیک سے عجیب چیزیں دکھائی دیتی تھیں۔ ہوا چکی ایجاد کی۔ بندوقوں کے صاف کرنیکی ایک کل ایجاد کی۔ اس میں ایک چکر تھا جس کے ایک بار گھومنے سے بارہ بندوقیں ایک ساتھ صاف ہو جاتی تھیں قلعے۔ محل۔ مسجدیں اور مقبرے بنوائے گئے۔ باغ لگائے گئے نہریں نکالی گئیں۔ نہر فیروزی سوکھ گئی تھی اکبر کے اوائل عہد میں شہاب الدین احمد خاں صوبہ دار دہلی نے اسے از سر نو کھدوایا اور نہر شہاب اس کا نام رکھا ملا نور الدین محمد ترخان سفیدونی نے جو ہندسہ ریاضی۔ نجوم اور حکمت کا عالم تھا۔ جمنا سے کرنال کی طرف پچاس کوس لمبی ایک اور نہر نکالی اسے جہانگیر کے نام جو اسوقت شیخو کہلاتا تھا (مخفف شیخ سلیم) معنون کیا۔ اور شیخونی اس کا نام رکھا۔ ایک اور فن جس کی اکبر کے عہد میں ترقی ہوئی اور جس کا آج کل بہت چرچا ہو رہا ہے وہ فن مصوری ہے۔ اکبر اسکا

بڑا دلدادہ تھا کہا کرتا تھا کہ جب میں کسی اچھی تصویر کو دیکھتا ہوں تو میرے دل میں خدا کی عظمت کا خیال آجاتا ہے کیونکہ میں سوچتا ہوں کہ مصور صورت تو ٹھیک بنا سکتا ہے لیکن اس میں جان نہیں ڈال سکتا یہ کام خدا ہی کر سکتا ہے اپنی اور اپنے درباریوں کی تصویریں کھنچوائیں کتابوں میں تصویروں کے شامل کرنے کا دستور اسی کی ایجاد ہے جب بادشاہ کو اس فن پر اتنی توجہ تھی تو بہت سے مصور پیدا ہو گئے تھے ان میں سے مشہور یہ تھے۔ میر سید علی تبریزی خواجہ عبدالصمد شیریں قلم۔ دسونت بساون۔ کیسو لال۔ مکند۔ مسکین فرخ قلماق۔ مادھو۔ جگن مہیش کھیم کارن۔ تارا۔ ساونلہ۔ ہری بنس۔

جہانگیر بھی مصوری کا دلدادہ تھا اور اس کا اتنا بڑا نقاد تھا کہ تصویر دیکھکر مصور کو پہچان لیتا تھا۔ اگر کسی تصویر کو تین چار مصوروں نے کھینچا ہوتا تو وہ بتا سکتا تھا کہ کون حصہ کس مصور نے

کھینچا ہی۔ آغا رضا اور اس کا بیٹا ابوالحسن نادر الزماں اور منصور نادر الاصلی اس کے عہد کے بڑے بڑے مصور تھے۔ ابوالحسن اس کا خانہ زاد تھا۔ جہانگیر نے بڑے بڑے استادوں سے اُسے تعلیم دلوائی۔ جب وہ سیکھ گیا تو اپنے اُستادوں سے بھی سبقت لے گیا۔ جہانگیر نے اپنی توزک میں اس کی بہت تعریف کی ہی۔ فن مصوری اورنگ زیب کے عہد تک ترقی کرتا رہا۔ تقریباً تمام مغل بادشاہوں شاہزادوں اور بڑے بڑے امیروں کی تصویریں اس وقت کی بنی ہوئی کلکتے کے جادوگھر میں موجود ہیں۔ ماہران فن انکو دیکھکر حیران رہ جاتے ہیں

نورجہاں جہانگیر کے گھر کا زیب اور اُسکے عہد کی زینت تھی۔ بڑی ایجاد پسند عورت تھی کئی زیور اور لباس ایجاد کیے اور اسوقت کے تمدن پر بہت اثر ڈالا۔ اس کی ماں نے گلاب کا عطر ایجاد کیا۔

شاہجہاں کے عہد میں مغلوں کا تمدن انتہائی درجے پر پہنچ گیا تھا۔ ملک میں امن تھا عوام الناس خوش اور خوشحال تھے امرا بڑی شان و شوکت

سے رہتے تھے۔ یورپ کے سیاح اسے دیکھ کر دنگ رہ جاتے تھے دلی اور آگرہ دنیا میں سب سے بڑے شہر تھے۔ لبِ جمنا میلوں تک محل تھے گلی کوچوں میں بڑی رونق اور چہل پہل رہتی تھی امرا اور بیگمات کی سواریاں بڑی تزک و احتشام سے نکلا کرتی تھیں غرض شاہ جہان کا عہد بڑا شاندار اور دیکھنے اور رہنے کے قابل تھا

اس عہد میں اور فنون کی عموماً اور فن معماری کو خصوصاً ترقی ہوئی۔ تاج بی بی کا روضہ دلی کا قلعہ اور جامع مسجد اس بات کی دلیل ہیں۔ دو بڑی نہریں بھی نکالی گئیں۔ ایک نہر سغیدوں سے دلی کے قلعہ تک لائی گئی نہر بہشت اس کا نام رکھا گیا۔ دوسری نہر علی مردان خاں کے زیر اہتمام علامی علاء الملک تونی فاضل خان نے جو ہیئت و ہندسہ میں بڑی دستگاہ رکھتا تھا دریائے راوی سے نکالی اس نہر کا نام شاہی رکھا گیا۔ لاہور کا مشہور باغ شالامار بھی شاہجہاں نے بنوایا۔ اسے پھولوں درختوں اور سبزوں سے خاص عشق تھا اورنگ زیب کو بھی

ان چیزوں سے عشق تھا۔ لیکن جب اسے جنت تجری من تحتہ الانہار کا خیال آجاتا تھا تو یہاں کے باغ اسے بے لطف معلوم ہوتے تھے چنانچہ وہ کہتا ہے۔ اعلیٰحضرت (شاہجہاں) را در طراوت باغ حیات بخش و دیگر اماکن واقعہ دولت خانہ دار الخلافہ از آراستگی اشجار و پرورش ثمار و صفائے آبگینہا و حیاض و تربیت نہالاں و انہار توجہ مفرط بود و تا ایام اقامت دار الخلافہ ایں مسافر نیز بریں ہا نظرے میکرد۔ اگر یار محمد خاں ہمیشہ خود رفتہ در نزہت و شادابی ان موکد بودہ است چہ بہتر والا حالا مے باید ہر روز یکبار خود رفتہ۔ دکما ینبغی مقید بر ترمیم و تصفیہ عمارات قلعہ و ریاض بودہ کیفیات جمیع باغات و عمارات قلعہ مبارک و صاحب آباد و اعز آباد و نور باڑی و سہرند باڑی کہ تعلق ہمشیرہ عزیز القدر دارد و غیرہا بقید انہار و اشجار از وقت بیروں آمدن ایں رفیقی تا حال باتفاق بیوتات کہ بمعائنہ شدہ برنگارد بل نقشہ بفرستند۔ و کیفیت باغ انگوری۔ دیگر باغات پائیں قلعہ و باغ محسن خاں کہ تعریفش بسیار

مے کنند و نیز از ثقات مسموع نمودہ عرض داشت کنند کہ تا حقائق با حسن وجوہ معلوم شود و زرہا در صورت شکست و ریخت ہمائے مرمیم وادہ آید افسوس کہ تعمیر خرابہ دل نکردیم و ہمچو اطفال عمر بلہو و لعب باختیم ؎

صرفت العمر فی لہو و لعب فآہا ثم آہا ثم آہا

افسوس کہ عمر رفت و ہشیاری نیست دردا کہ امید خویشتن داری نیست

گفتم کہ چو بیدار شوم روز شود ہیہات کہ روز رفت و بیداری نیست

ایک عجیب مشابہت

عربوں اور ہندوستان کے مسلمانوں کی تواریخ میں عجیب مشابہت پائی جاتی ہے۔ عرب میں بنو عباس بنو امیہ سے زیادہ آزاد خیال تھے یہاں مغل ترکوں اور پٹھانوں سے آزاد خیال تھے۔ وہاں پہلے تین چار عباسی خلفا وسیع مذہب تھے مگر معتزلے نہ تھے۔ یہاں پہلے دو مغل بادشاہ وسیع مذہب تھے مگر ملحد نہ تھے۔ وہاں ماموں رشید کے

عہد میں اعتزال انتہائی درجہ پر پہنچ گیا۔ یہاں اکبر کے عہد میں الحاد انتہا پر پہنچ گیا۔ وہاں زیادہ تر یونانی کتابوں کا ترجمہ ہوا۔ یہاں زیادہ تر ہندی کتابوں کا ترجمہ ہوا وہاں مباحثہ منگل کے روز ہوتا تھا یہاں جمعرات کے روز ہوتا تھا۔ وہاں ماموں کا وزیر قاضی احمد معتزلہ تھا یہاں اکبر کا وزیر ابوالفضل ملحد تھا۔ وہاں ماموں رشید معتزلہ تھا یہاں اکبر ملحد تھا۔ وہاں ماموں رشید خلیفتہ الکافرین کہلاتا تھا یہاں اکبر اکفر کہلاتا تھا وہاں اعتزال ماموں کے بعد دو خلیفوں یعنی معتصم اور واثق کے عہد تک رہا یہاں الحاد اکبر کے بعد کے دو بادشاہوں یعنی جہانگیر اور شاہ جہاں کے عہد تک رہا۔ وہاں تیسرا خلیفہ یعنی متوکل متعصب سنی تھا اور اعتزال کا دشمن تھا یہاں تیسرا بادشاہ یعنی اورنگ زیب متعصب سنی تھا اور الحاد کا دشمن تھا۔ وہاں متوکل کے عہد سے خلافت کا زوال شروع ہوا۔ یہاں اورنگ زیب کے عہد سے بادشاہت کا زوال شروع ہوا۔

عہدِ مغلیہ کے مشہور ملحد

شیخ مبارک

شیخ مبارک کو ابوالالحاد کہنا چاہیے۔ دو ملحد بیٹوں کا باپ تھا۔ اکبر کو اسی نے مجتہد۔ اور ملحد بنا دیا۔ اس کے آباو اجداد یمن سے سندھ آئے تھے۔ اس کا باپ سندھ سے ناگور آیا۔ یہ خود ناگور چھوڑ کر آگرے چلا آیا۔ پہلے مہدوی تھا۔ منصب مہدی میر سید محمد جونپوری مہدی کی تاریخ وفات کہی بعد ازاں مہدیت جدید کا دعویٰ کرتا تھا۔ ۱۰۰۱ھ میں لاہور میں وفات پائی۔ بدایونی اس کی نسبت لکھتا ہے "ملائے بایں جامعیت بنظر نیامدہ حیف کہ بجہت شومی حب دنیا و جاہ در لباس فقر ہیچ جائے آشتی بدیں اسلام نگذاشت۔ وجامع اوراق در عنفوان شباب باگرہ چند سال در ملازمتش سبق خواندہ الحق صاحب حق عظیم است۔ ولیکن بجہت ظہور بعضے امور دنیاوی و بے دینی و غوص در مال و جاہ و زمانہ سازی و مکر و

مکر و فریب و غلو در دادی گیغمر مذہب وملت انچہ سابق داشت اصلا نماند۔ قل انا و ایاکم لعلی ہدی او فی ضلال مبین۔

فیضی

شیخ ابوالفیض فیضی شیخ مبارک کا بڑا بیٹا تہا۔ سنہ ۹۵۴ میں پیدا ہوا بارہویں سنہ جلوس میں اکبر کی ملازمت حاصل کی۔ تیسویں سنہ جلوس میں ملک الشعرای کا کا خطاب پایا۔ خمسہ نظامی کے مقابلے میں پنج نامہ لکہنا چاہا۔ مخزن الاسرار کے مقابلے میں مرکز ادوار خسرو شیرین کے مقابلہ میں سلیمان و بلقیس لیلی مجنوں کے مقابلے میں نل دمن۔ ہفت پیکر کے مقابلہ میں ہفت کشور اور سکندر نامہ کے مقابلے میں اکبر نامہ لکہنا چاہا ان میں سے صرف نل دمن لکہہ سکا باقی نہ لکہہ سکا عمر نے وفا نہ کی سواطع الالہام نام ایک تفسیر اور موارد الکلم نام ایک کتاب اخلاق پر بے نقط لکہی۔ کسی نے

اس سے کہا کہ اب تک کسی عالم نے بے نقط کتاب نہیں لکھی آپ نے کیوں لکھی فیضی نے جواب دیا کلمہ طیبہ کی مثال کافی ہے. فیضی دین اکبری کا بڑا جوشیلا رکن اور مداح تھا اکبر کی آفتاب پرستی کے متعلق کہتا ہے

قسمت نگر کہ درخور ہر جوہرے عطاست　　آئینہ با سکندر و با اکبر آفتاب
او مے کند معاینہ خود در آئینہ　　ایں مے کند مشاہدہ حق در آفتاب

فیضی کتوں کو بہت چاہتا تھا۔ ایک روز عرفی اس سے ملنے گیا دیکھا کہ وہ ایک کتے سے کھیل رہا ہے پوچھا ایں مخدوم زادہ راچہ نام است. فیضی نے جواب دیا عرفی: عرفی نے کہا مبارک باشد. ظاہر ہے کہ فیضی بہت شرمندہ ہوا ہوگا.

فیضی کو ضیق النفس و استسقا کی بیماری تھی چنانچہ کہتا ہے

دیدی کہ فلک چہ باچہ نیرنگی کرد　　مرغ دلم از قفس شب آہنگی کرد
آں سینہ کہ عالمے درو مے گنجید　　تا نیم دمے بر آورد تنگی کرد

جب وہ حالت نزع میں تھا تو اکبر اُسے دیکھنے گیا۔ دیکھا کہ اس کا منہ سوجا ہوا ہے اور ہونٹ سیاہ ہیں۔ ابوالفضل سے پوچھا کہ شیخ جی نے آج مسی ملی ہے ابوالفضل نے جواب دیا نہیں خون تھوکا تھا۔ اب وہ خشک ہو کر سیاہ ہو گیا۔ بادشاہ نے فیضی کا سر اپنے ہاتھوں میں لیا اور کئی بار کہا شیخ جی حکیم علی کو اپنے ساتھ لایا ہوں بولتے کیوں نہیں۔ لیکن فیضی بیہوش تھا کچھ نہ بولا بادشاہ نے اپنا عمامہ زمین پر پھینک دیا اور رونے لگا۔

فیضی کی وفات کی کئی تاریخیں ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔

(۱) فیضی بے دیں چو مرد سال وفاتش فصیح
گفت سگے از جہاں رفتہ بحال قبیح

(۲) سال تاریخ فیضی مردار ۔ شد مقرر بچار مذہب نار

(۳) فیضی نحس ودشمن بنوی ﷺ رفت جا خویش داغ لعنت برو

(۴) سگے بود دوزخی زاں شد ۔ سال فوتش چہ سگ پرستے مرد

(۵) قاعدہ الحاد شکست

بود فیضی ملحدے
وے فلسفی و شیعی و طبیعی و دہری۔

چوں بناچار رفت شد ناچار — سال تاریخ خالد فی النار

ان تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ فیضی کتنا بھاری ملحد اور کتنا بڑا آدمی تھا بدایونی اس کے بارے میں یوں زہر اگلتا ہے مخترع بہ جد و حیل و عجب و کبر و حقد و مجموعہ نفاق و خباثت و ریا و حب جاہ و خیلا و رعونت بود و در عداوت و عناد با اہل اسلام و طعن در اصول دین و اہانت و مذمت صحابہ کرام و تابعین و سلف و خلف متقدمین و متاخرین و مشائخ و اموات و احیا بے ادبی و بے تحاشی نسبت بہمہ علما و صلحا و فضلا سرا و جہرا لیلا و نہارا ہمہ یہود و نصاریٰ و ہنود و مجوس بمراتب شرف داشتند چہ جائے نزاریہ و صباحیہ و اباحیہ زیب نمے گذرد کہ جمیع محرمات را برغم دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم مباح و فرائض را محرم میدانست، و تفسیر بے نقطہ برائے شستن بدنامی کہ تا روز جزا بصد آب دریا شستہ نگردد در عین حالت

مستی و جنابت مے نوشت و سگان آن را از ہر طرف پائمال مے ساختند تا برہمان انکار و اصرار و استکبار و ادبار بہ مستقر اصلی شتافت و بجائے رفت کہ کس مبیناد و مشنواد۔ وقتیکہ حضرت بادشاہ بعیادت او در دم آخر رفتند بانگ سگ بروی ایشان کرد این معنی را خود بر سر دیوان نقل مے فرمودند" فیضی کے کتب خانے میں ۔۔ ۔۔۔ نفیس اور مجلد کتابیں تھیں اسکے مرنے کے بعد سب کی سب بادشاہ کے کتب خانے میں منتقل ہو گئیں۔ بادشاہ کے حکم سے ان کی فہرست بنائی گئی اور ان کے تین حصے کئے گئے۔ اعلیٰ۔ اوسط اور ادنیٰ۔ اعلیٰ حصے میں نظم۔ طب نجوم اور موسیقی کی کتابیں تھیں۔ اوسط حصے میں حکمت تصوف ہیئت اور ہندسہ کی کتابیں تھیں اور ادنیٰ حصہ میں تفسیر حدیث اور تمام شرعیات کی کتابیں تھیں۔

فیضی کا حلیہ ایک تصویر سے جو راقم کے دیکھنے میں آئی معلوم ہوتا ہے کہ یہ تھا قد میانہ بدن ذرا فربہ چہرہ گول رخسارے کی ہڈی اٹھی ہوئی آنکھیں

ں چھوٹی۔ تصویر بڑھاپے کی تھی۔ پیچ پگڑی اور ہاتھ میں عصا تھا۔

ابوالفضل

شیخ ابوالفضل فیضی کا چھوٹا بھائی تھا ۹۵۸ھ میں پیدا ہوا۔ نہایت
ع اور ذہین تھا پندرہ برس کی عمر میں پڑھنے سے فراغت حاصل
کے پڑھانے لگا۔ اسی زمانے میں ایک روز حاشیہ صفاہانی کا
ب پھٹا پرانا نسخہ پایا جس میں سطروں کی سطریں غائب تھیں۔ اس کی
ت کرائی اور جو الفاظ اور جملے غائب تھے سوچ سمجھ کر اپنی طرف سے
دئیے۔ کچھ روز بعد اس کا درست نسخہ ملا۔ دونو کا مقابلہ کرنے سے
لوم ہوا کہ تغیر بالمرادف اور ایراد بالمتقارب کے علاوہ اور کچھ فرق
ں میں نہ تھا انیسویں سنہ جلوس میں آیۃ الکرسی کی تفسیر بادشاہ کو
ں کی۔ عبادت خانے میں مخدوم الملک اور شیخ عبدالنبی کو بہت
ستایا کرتا تھا ایک روز انہوں نے اسے کہلا بھیجا خبر با مادر افتی

ابوالفضل نے جواب دیا ما نوکر مردے ایم بہماں حکایت کہ نوکر بادنجان نیستیم
یعنی بادشاہ کے خوش کرنے کو بحث میں اگر کوئی کسی مجتہد کے قول کو
بطور سند کے پیش کرتا تو ابوالفضل اسے کہتا تھا کہ وہ تو حلوائی ہے
یا چمار ہے یا موچی ہے میں اسکے قول کو سند نہیں مان سکتا۔ تھوڑے
ہی عرصے میں اس نے اپنی قابلیت باپ کی مدد اور بادشاہ کی تائید
سے فقہا کو شکست دی۔ اپنے بارے میں کہا کرتا تھا

یارب بجہانیاں دو پیلے بفرست — نمرود ہاں را چو پشہ پیلے بفرست
فرعون وشہان بہت پر آوردستند — موسیٰ و عصا و رود نیلے بفرست

اور جب فقہا پر ظلم ہو رہا تھا تو کہتا تھا۔

آتش بدو دست خویش برخرمن خویش — من خود زدہ ام چہ نالم از دشمن خویش
کس دشمن من نیست منم دشمن خویش — اے وائے من و دست من و دامن خویش

ایک روز دیوان خاص میں اس سے اور بدایونی سے دو دو چونچیں
ہوئیں ابوالفضل نے کہا کہ مجھے مسلمان مصنفوں سے دو شکایتیں

۔ ایک یہ کہ انہوں نے جس قدر تفصیل کے ساتھ اپنے پیغمبروں کا حال
ہے۔ دیگر پیغمبروں کا نہیں لکھا۔ بدایونی نے جواب دیا کہ قصص الانبیا کے
سے بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔ ابوالفضل نے کہا کہ وہ بہت مجمل ہیں چاہیے
مفصل ہوتیں۔ بدایونی نے جواب دیا کہ تقادم عہد کی وجہ سے دیگر انبیا
مفصل حالات معلوم نہیں ہو سکے۔ ارباب تاریخ وسیر نے جتنا محقق
رہ لکھا باقی چھوڑ دیا۔ ابوالفضل نے کہا یہ جواب تسلی بخش نہیں۔ اور
ں دوسری شکایت یہ ہے کہ کوئی اہل حرفہ ایسا نہیں گزرا جس کا ذکر
رۃ الاولیا اور نفحات الانس وغیرہ کی کتابوں میں نہ ہو اہل بیت نے کیا قصور
یا کہ انکا ذکر ان کتابوں میں نہیں ہے۔ اور یہ بڑے تعجب اور افسوس کی بات
۔ بدایونی نے اس بات کا بھی جواب دیا۔ مگر ابوالفضل کی تشفی نہ ہوئی
س کے بعد بدایونی نے اس سے پوچھا کہ مذاہب مشہورہ میں سے آپ
نسا مذہب پسند ہے ابوالفضل نے جواب دیا فی الحال تو وادی الحاد
سیر کر رہا ہوں۔ بدایونی نے ہنس کر کہا اگر نکاح کی قید اٹھا دی جائے

برا نہو گا۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے کہ برداشت اغل شیوع بتائید یزدی۔ از گرد
زمانہ علی ذکرہ السلام"۔ ابوالفضل نے اس مہمل بات کا کچھ جواب نہ
اکبر ابوالفضل کو بہت چاہتا تھا۔ جب اس کی والدہ نے انتقال کیا
تو بادشاہ تعزیت کو اسکے گھر گیا۔ اور اسے یہ کہکر تسلی دی اگر جہانیان
را پایندگی داشتے و جز یکے را نیستی نہ سپردے۔ دوستان شناسا دل را
از رضا و تسلیم گزیر نبود۔ ہرگاہ درین رواں سرا ہیچ کس دیر نماند۔ نکوہش
ناشکیبائی را کجا اندازہ توان گرفت۔ سینتیسویں سنہ جلوس میں ابوالفضل
دکن بھیجا گیا وہاں اس نے اعلیٰ درجہ کی انتظامی قابلیت دکھائی
بڑی بہادری سے قلعہ اسیر گڑھ فتح کیا۔ چالیسویں سنہ جلوس میں بادشاہ
خود دکن گیا۔ ابوالفضل بیجاگڑھ کے قریب اُس سے ملا۔ بادشاہ نے
اس سے کہا۔

فرخندہ شبے باید و خوش مہتابے ۔ تا با تو حکایت کنم از ہر بابے

اور چار ہزاری کا منصب دیا۔ سنہ ۴۸ میں جب جہانگیر نے بغاوت کی

والفضل دکن سے بلا یا گیا۔ ابوالفضل تھوڑے سے آدمیوں کو
روانہ ہوا جب جہانگیر کو معلوم ہوا کہ ابوالفضل آرہا ہے تو ڈرا کہ کہیں اسکے
نے سے بادشاہ کسی اور شاہزادے کو ولی عہد نہ بنالے۔ نرسنگھ دیو
یلہ کو کہلا بھیجا کہ جب ابوالفضل تمہارے علاقہ سے گزرے تو اسے قتل کروا ڈالو
ب ابوالفضل اجین کے قریب پہنچا تو گدائی افغان اسکے ایک وفادار
رنے اس سے کہا نرسنگھ دیو کے علاقہ سے گزرنا خطرناک ہے
کسی دوسرے راستہ سے جائیے یا جے سنگھ کی فوج جو یہاں سے
ے سے فاصلہ پر پڑی ہے اپنے ساتھ لیکر جائیے ابوالفضل نے کہا کہ
ڈاکو کی کیا مجال کہ میرا راستہ روکے اور چل پڑا۔ نرسنگھ دیو نے
ریبا تین سو آدمیوں کو لیکر اس پر حملہ کیا اور قتل کرکے اس کا سر جہانگیر
کے پاس بھیج دیا۔ جب یہ خبر فتح پور پہنچی تو کسی کو جرات نہیں ہوتی تھی کہ
شاہ سے کہے۔ مغلوں میں ایک رسم تھی کہ جب کوئی شاہزادہ مرتا
تا تو اس کا وکیل نیلا رومال سر پر لپیٹ کر بادشاہ کو سلام کرتا تھا ابوالفضل

کے وکیل نے بھی ایسا ہی کیا۔ بادشاہ کو بے حد قلق ہوا۔ کہتا تھا جہانگیر
مجھے مروانا تھا اس نے ابوالفضل کو کیوں مروا ڈالا اور یہ شعر پڑھتا تھا۔

شیخ ما از شوق بیحد چوں سوئے ما آمدہ ز اشتیاق پائے بوسی بے سر و پا آمدہ

خان اعظم نے بطریق تعمیہ یہ تاریخ کہی۔

تیغ اعجاز نبی اللہ سر باغی برید۔ کہتے ہیں کہ ابوالفضل کسی کے پاس
خواب میں آیا اور اس سے کہا کہ میری تاریخ وفات بندہ ابوالفضل ہے۔ شاہ
ابوالمعالی قادری لاہوری لکھتا ہے کہ ایک رات میں نے خواب دیکھا کہ
آنحضرت کا دربار لگا ہوا ہے ابوالفضل بھی وہاں موجود ہے آنحضرت نے
اپنا جبہ اس پر ڈالکر کہا کہ یہ شخص کچھ عرصے تک دنیا میں مجھ سے باغی
رہا لیکن اس کی وہ مناجات جس کے شروع کے الفاظ یہ ہیں "الہی
نیکاں را بوسیلہ نیکی سرافرازی کنی و بداں را بمقتضائے کرم دلنوازی
کنی" اس کی نجات کا باعث ہوئی ہے۔ شاہ صاحب کی بڑی مہربانی کہ انہوں
نے ایسا اچھا خواب دیکھا۔ مگر خواب کا کیا اعتبار۔

حکیم ابوالفتح گیلانی

م ابوالفتح گیلانی ۹۸۳ھ میں مع اپنے دو بھائیوں حکیم ہمام اور حکیم
الدین کے ہندوستان آیا۔ مسیح الدین کا خطاب پایا۔ بدایونی
سکے متعلق لکھتا ہے۔ در خدمت پادشاہ بمرتبہ تقرب تمام رسیدہ
صرف در مزاجش چنان نمودہ بود کہ جمیع اہل دخل بر وحسد میبردند بجدت
م وجودت طبع ودیگر کمالات انسانی از نظم ونثر امتیاز داشت وہم
نان در بے دینی وسائر اخلاق ذمیمہ ضرب المثل بود فیضی اسکے متعلق
ھتا ہے" تقریرش از حقائق تقدیر ترجمہ تدبیرش از مآثر اقبال ترجمان
۹۹۷ھ میں جب بادشاہ کشمیر سے کابل جا رہا تھا حکیم ابوالفتح نے راستے
ں انتقال کیا حسن ابدال میں دفن ہوا" خدایا سر الیش دہاد" اس کی تاریخ
فات ہے

شریف آملی۔

شریف آملی جیسا کہ بیان ہو چکا ہی۔ پہلے نقطوی تھا۔ "ترشیح ظہور" نام
کتاب نقطویت کے متعلق لکھی۔ پھر اکبری ہو گیا۔ کچھ دنوں کابل کا صد
امین تھا وہاں سے بنگالے بھیجا گیا۔ بنگالے میں علاوہ صدر امینی
خلافت یعنی دین اکبری کی اشاعت کا کام بھی اسکے سپرد تھا۔
ہزاری منصب تک ترقی کی۔ اجمیر اور موہان جاگیر میں پائے۔ موہان
میں انتقال کیا اور وہیں دفن ہوا بدایونی لکھتا ہی کہ وہ گربہ چشم او
گربہ منظر تھا۔

غزالی مشہدی

ملحد احمد شاعر تھا ایران سے بھاگ کر ہندوستان آیا۔ کچھ
دنوں خان زماں کے پاس رہا پھر بادشاہ کے پاس چلا آیا او
ملک الشعرائے کا خطاب پایا۔ ۹۸۰ھ میں احمد آباد میں انتقال کی
مقبرہ سرکھیج میں دفن ہوا۔ قاسم ارسلان ایک شخص نے اس

یہ تاریخ وفات کہی

وشش غزالی آں سگ ملعون ۔ مست وجنب شد سوئے جہنم
کاہی سال وفاتش بنوشت ملحد دونی رفت زعالم

قاسم کاہی

کابل سے ہندوستان آیا۔ تفسیر، ہیئت۔ کلام اور تصوف میں بہرہ تمام رکھتا تھا۔ موسیقی بھی جانتا تھا۔ کتوں اور فقیروں کو بہت چاہتا تھا۔ خوش طبع ور لطیفہ گو تھا۔ ایک روز سلطان سیلکی ایک شاعر نے اس سے پوچھا سن شریف چند باشد۔ قاسم نے بایزید بسطامی کے مشہور قول "انا اقل من ربی بسنتین" کا ترجمہ کر کے کہا از خدا دو سال خردم سلطان نے کہا مخدوم ما شمار ادو سال زیادہ میدانستیم۔ طولیت عمر خود را کم میفرمائیہ۔ قاسم نے ہنس کر کہا تو قابل صحبت مائی۔ بدایونی غزالی مشہدی اور قاسم کاہی کے بارے میں لکھتا ہے تمامی شعرائے عصر کلہم وجلہم صغیرہم وکبیرہم گرسنہ چپانند

نقل از قدمای معمر جوتی حیدری مشہر ہند۔ اما این ہردو مقتدا و پیشوای ہم بودند کہ وراثت خباثت را با بلاغ و اشیاع خویش بقدر مناسبت و تبعا خوانی و فیض صحبت گذشتہ تقسیم کردند

تشبیہی کاشی

نقطوی تہا دو تین بار ایران سے ہندوستان آیا۔ اور پھر واپس چلا گیا۔ ہندوستان میں نقطویت کے پھیلانے کی کوشش کی۔ اکبر سے کہا کہ آپ تقلیدیوں کا بالکل خاتمہ کیوں نہیں کر دیتے تا کہ توحید خالص رہ جائے اور حق قائم ہو جائے۔ ایک روز بدایونی کو نقطویت کی دعوت کی اور محمود بسا خوانی کا ایک رسالہ پڑہنے کو دیا۔ اسکا دیباچہ یہ تھا۔ یا اللہ المحمود فی کل فعالہ استعین بنفسک الذی لا الہ الا ہو الحمد للہ الذی وجد نفسہ بوجود کلیاتہ واظہر وجود الکلیات عن نفسہ سہو ہم کلیا وہو یعلم نفسہ ولا نعلم نفوسنا ولا ہو وہو کون لا کاین الا بہ و مکان

لایکون بغیرہ وہوارحم الراحمین ۔ سوال: خلق کہ گفتہ مے شود کدام است جواب
آنکہ خلق گفتہ مے شود اللہ اور اسکے اخر میں یہ لکھا تہا: کتب ممر الکرلر
بجانب عجمی مجتہدے طبائع ای کرب لت ش پ ی دی انوی اخروی
صاحب مقام ۔

ثانی خاں ہری

علی اکبر اس کا اصلی نام تھا وادی الحاد میں کئی رسائل لکھے اور موافق
علم نقط بادشاہ کو اور اپنے آپ کو شخص معہود کہتا تہا ۔ محمود بسا خوانی
کا نام ہر وقت اس کی زبان پر رہتا تہا تصوف میں ایک منظوم رسالہ
لکھا جس کا ایک مصرعہ یہ ہے " احر بحم بحیر بخم احر نجا ما مصدر ۔

وقوعی نیشاپوری

شہاب الدین احمد خاں کا خویش تہا نام اس کا محمد شریف تہا بدیونی

کہتا ہے خبیث است این نام شریف بران کثیف چه الحادش از ہر کس

کہ دریں جزو زمان بآن اشتہار دار د زیادہ بود و اونه از بسا نخواهیان

تنہا ونه از صاحبیان تنہا ؛ ست بلکہ بیں بیں این ہر دو طائفہ مغضوب

الرب وملعون الخلق بود - وبادو ارقائل وبہ تناسخ مائل بلکہ عازم وجازم

ایک مرتبہ بدایونی کا اور اس کا کشمیر میں ساتھ ہوا . ہزار منی پتھروں کو

دیکھکر حسرت سے کہتا تھا آہ این بیچارہ ہا منتظر اند کہ تا کے بقالب

انسانی برآیند -

سرمد

سعید ای سرمد ارمنی سوداگر تھا - کاشان سے سندہ آیا سندہ

میں ایک ہندو عورت کے عشق میں پاگل ہوگیا اور اپنا سارا مال و

متاع لٹا دیا شاہجہاں کے عہد میں دلی آیا . دلی کی گلیوں میں

ننگا پھرتا تھا . مست اور مست کرنے والی رباعیاں کہا کرتا تھا -

دارا اس کی بہت عزت کرتا تھا اور یہ بھی دارا کی اتنی عزت کرتا تھا

کہ جب اس کے ہاں جاتا تو لنگوٹی باندھ لیتا تھا۔ جب دارا مارا گیا تو اورنگ زیب نے اسے بلوایا اور کہا کہ تم بہت مدت تک ننگے رہے اب نہیں تمہیں سزا ہوگی دارا کہاں ہے آئے اور تمہیں بچائے سرمد نے جواب دیا کہ دارا یہیں موجود ہے میں اسے دیکھ رہا ہوں لیکن آپ نہیں دیکھ سکتے کیونکہ آپ ظالم ہیں اور ظالم اندھے ہوتے ہیں اورنگ زیب نے اپنے قسی القلب قاضی عبدالقوی کے حوالے کیا۔ عبدالقوی نے اس سے پوچھا کہ ننگے کیوں رہتے ہو سرمد نے جواب دیا شیطان قوی است اور یہ رباعی پڑھی

خوش بالائے کردہ چنیں پست مرا ۔ چشمے بدو جام بردہ از دست مرا
او در بغل من است و من در طلبش ۔ دزدے عجبے برہنہ کردہ است مرا

عبدالقوی نے اس پر انکار معراج کا الزام لگایا اور اس کے قتل کا فتویٰ دیا۔ انکار معراج اس کی اس رباعی سے ثابت کیا۔

آن کو کہ سر حقیقتش باور شد ۔ خود پہن تر از سپہر پہناور شد
ملا گوید کہ بر شد احمد بفلک ۔ سرمد گوید فلک باحمد در شد

جب جلاد اس کی آنکھوں پر رومال باندھنے لگا تو سرمد نے منع کیا
اور مسکرا کر کہا تو بہر صورتے کہ مے آئی من ترا مے شناسم اور یہ شعر پڑھا

شورے شد و از خواب عدم چشم کشودیم — دیدیم کہ باقی است شب فتنہ غنودیم

اس کے بعد مردانہ وار تلوار کے نیچے سر رکھ دیا۔ سرمد کا مقبرہ دلی میں
جامع مسجد کی سیڑھیوں کے پاس ہے شاید وہیں شہید ہوا۔

تیسری فصل

زمانہ حال اور عقلیت

سید العقلین

بہادر شاہ اول سے لیکر بہادر شاہ ثانی تک ہندوستان کے مسلمان ذلیل ہوئے ذلیل ہونا اور پست ہوتے پست ہونا اس عرصے میں ان سے حکومت چھن گئی وہ علم کھو بیٹھے۔ ان کی عقل ناقص ہو گئی۔ انکا اخلاق بگڑ گیا اخلاق کے ساتھ ان کی صورت بگڑ گئی صورت کے ساتھ ان کی وضع خراب ہوئی۔ غرض کہ وہ ایسے ذلیل ہوئے جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ملے گی۔

جب ان کی ذلت ونکبت کا پیمانہ لبریز ہو گیا تو حسن اتفاق سے سید احمد خاں مبعوث ہوئے انہوں نے انکو عقلیت کی تعلیم دی اور اس ذلت ونکبت کے قعر سے جس میں وہ پڑے ہوئے تھے نکالا۔

سید صاحب عہد قدیم کے پیغمبروں سے بہت ملتے جلتے تھے۔ انہیں کی طرح وجیہہ اور باوقار تھے۔ انہیں کی طرح ان کی قوت قلبی تھی۔ اگر حضرت موسیٰ کے عصا میں سحر تہا تو سید صاحب کے قلم میں جادو تھا اگر حضرت موسیٰ نے طور پر طور کی تجلی دیکھی تھی اور بنی اسرائیل کو دکھائی تھی تو سید صاحب نے علوم جدیدہ کی تجلی دیکھی اور مسلمانوں کو دکھائی اگر حضرت ہارون کی زبان میں معجزہ تہا تو سید صاحب کے بیان میں وہی اثر تھا۔ حضرت نوح نے کشتی بنا کر اپنے معتقدوں کو طوفان سے بچایا تہا سید صاحب نے کالج بنا کر مسلمانوں کو جہالت کے طوفان سے بچایا۔ حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کو فرعون کے پنجے سے چھڑایا تھا سید صاحب نے مسلمانوں کو ملائیت کے فرعون سے نجات دلوائی

حضرت عیسے اندھوں اور کوڑھیوں کو چنگا کیا کرتے تھے سید صاحب
نے جاہلوں کو عالم اور بروں کو اچھا بنایا۔ حضرت عیسے نے ایک دو
مردوں کو زندہ کیا سید صاحب نے ساری قوم کو زندہ کیا۔

سید صاحب ۱۸۱۷ء میں دلی میں پیدا ہوئے۔ اٹھارہ انیس برس
کی عمر میں تحصیل علوم مروجہ سے فراغت پائی۔ ۱۸۳۷ء میں اپنے خالو
خلیل اللہ خاں صدر امین دلی کی کچہری میں سررشتہ دار مقرر ہوئے
۱۸۳۹ء میں کمشنر آگرہ کے نائب منشی ہوئے اور منصفی کا امتحان پاس کیا
۱۸۴۱ء میں مین پوری اور ۱۸۴۲ء میں فتح پور سیکری کے منصف
مقرر ہوئے۔ حسن اتفاق سے جہاں اکبر کی خوابگاہ تھی وہی عالیشان
مقام رہنے کو ملا۔ اسی سال بہادر شاہ نے سید صاحب کو عارف جنگ
جواد الدولہ کا خطاب دیا۔ ۱۸۴۶ء میں فتح پور سے دلی تبدیل ہو گئے
۱۸۵۵ء میں وہ عہدہ صدر امینی پر ترقی پا کر بجنور گئے۔ ۱۸۵۷ء
میں سپاہیوں کی سرکشی میں خدمات حسنہ بجا لائے۔ جن کے

صلے میں ایک خلعت قیمتی ایک ہزار روپیہ کا اور دو سو روپیہ ماہوار کی پنشن دو نسلوں تک انعام میں ملی ۱۸۵۵ء میں صدر الصدوری کے عہدہ پر ترقی پاکر مراد آباد گئے ۱۸۶۲ء میں ان کی تبدیلی مراد آباد سے غازی پور ہو گئی ۱۸۶۴ء میں علیگڈہ کے صدر امین مقرر ہوئے ۱۸۶۷ء میں عہدہ ججی پاکر علیگڈہ سے بنارس گئے ۱۸۶۹ء میں ولایت کی سیر کو گئے ۱۸۷۰ء میں وہاں سے واپس آئے ۱۸۷۶ء میں پنشن لیکر علیگڈہ میں سکونت اختیار کی ۱۸۹۸ء میں وہیں وفات پائی "انی متوفیک و رافعک الی و مطہرک" ان کے مرنے کی تاریخ ہے

سید صاحب میں کام کرنے کی بڑی قابلیت تھی اور وہ کبھی بیکار نہیں رہتے تھے۔ جن دنوں وہ کمشنر آگرہ کے نائب منشی تھے۔ ایک فہرست مرتب کی جس میں امیر تیمور سے لیکر بہادر شاہ تک کے بادشاہوں کا حال مختصر طور پر سترہ سترہ خانوں میں درج کیا۔ جام جم اس فہرست کا نام رکھا علاوہ اس کتاب کے قوانین دیوانی متعلقہ منصفی کا خلاصہ لکھا اور

اور اپنے بڑے بھائی سید محمد کا نام اس میں شامل کر کے اس کا نام "انتخاب الاخوین" رکھا جس کو اس زمانے کے ظرفا "دم الاخوین" کہتے تھے یہ خلاصہ انتخاب منصفی کے امیدواروں کے لیے ایسا مفید نکلا کہ چند روز میں تمام صوبہ میں شائع ہو گیا۔ جن دنوں وہ فتح پور سیکری کے منصف تھے انہوں نے تین رسالے لکھے (۱) جلاء القلوب بذکر المحبوب اس رسالے میں آنحضرت کی ولادت وفات معجزات کے وہ حالات لکھے جو صحیح روایتوں پر مبنی تھے (۲) تحفہ حسن۔ یہ ترجمہ ہے تحفہ اثنا عشریہ کے باب دہم اور باب دوازدہم کا۔ باب دہم میں وہ مطاعن جو اہل تشیع حضرت ابوبکر پر کرتے ہیں مع ان کے جوابات کے مذکور ہیں اور باب دوازدہم میں تولا اور تبرا کا بیان ہے (۳) تسہیل فی جر الثقیل یہ اردو ترجمہ ہے بو علی نام ایک عالم کے ترجمہ فارسی موسوم بہ معیار العقول کا۔ اس رسالے میں جر ثقیل کے اصول درج ہیں۔ دلی کے قیام کے زمانے میں انہوں نے سید الاخبار جو ان کے بھائی کا جاری

کیا ہو خیبار تھا۔ چلا یا آثار الصنادید نام مشہور کتاب دلی کے کہنہ ریلے
کے حالات میں بڑی محنت سے لکھی سید صاحب کہتے ہیں کہ
قطب صاحب کی لاٹھ کے بعضے کتبے جو زیادہ بلند ہونے کے سبب
پڑھے نہ جا سکتے تھے ان کے پڑھنے کو ایک چھینکا دو بلیوں کے بیچ
میں ہر ایک کتبے کے محاذی بندھوا لیا جاتا تھا اور میں خود اوپر چڑھ
کر اور چھینکے میں بیٹھکر ہر کتبے کا چربہ اتارتا تھا۔ اس کتاب کی یورپ
میں بڑی قدر ہوئی۔ اسی کی وجہ سے لنڈن رایل ایشیاٹک سوسائٹی
کے ممبر منتخب کیئے گئے۔ فرانس کے مشہور مستشرق گارسن دتاسی
نے اس کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا۔ اسی زمانے میں سید صاحب
نے کئی رسالے لکھے جن کی تفصیل یہ ہے۔
(۱) فواید الافکار فی اعمال الفرجار یہ رسالہ ہے ان مسودات فارسی کا
جو سید صاحب کے نانا نواب دبیر الدولہ نے پرکار کے متعلق
اعمال پر فارسی میں قلمبند کیئے تھے (۲) قول متین در ابطال حرکت زمین

ن بنائے ہیں سید صاحب نے قدیم خیال کے مطابق زمین کی حرکت
غلط ثابت کرنے کی کوشش کی اس زمانے میں وہ زمین کو ساکن
سمجھتے تھے (۳) کلمۃ الحق - یہ رسالہ پیری مریدی اور بیعت کے طر
مروجہ کے خلاف لکھا (۴) راہ سنت و بدعت یہ رسالہ وہابیت
کے زور کے زمانہ میں سنت کی تائید میں لکھا (۵) نمیقہ در بیان مسئلہ
تصور - یہ رسالہ فارسی زبان میں بطور ایک فرضی خط کے لکھا ہے -
جس میں تصور شیخ مصطلح مشائخ نقشبندیہ کو وسیلہ محبت خدا و
محبت رسول و اسلوب رحمت الٰہی بتایا ہے (۶) سلسلۃ الملوک - یہ
ایک مختصر اور صحیح فہرست ان راجاؤں اور بادشاہوں کی ہے جو
لی میں پانچ ہزار برس سے نوبت بہ نوبت فرماں روا ہوتے چلے آئے
بجنور میں سید صاحب نے تاریخ ضلع بجنور لکھی اور آئین اکبری کی بڑی
محنت اور جانفشانی سے تصحیح کی مراد آباد میں تاریخ سرکشی بجنور لکھی
رسالہ اسباب بغاوت لکھا - تاریخ فیروز شاہی مصنفہ ضیاء الدین

برنی کی تصحیح کی۔ ایک مدرسہ قائم کیا اور ایک راے شائع کی جسمیں
ہندوستانیوں کو انگریزی زبان میں تعلیم دینے کا سرکار کو مشورہ د
غازی پور میں ایک مدرسہ قائم کیا تبئین الکلام نام ایک کتاب لکھ
جس میں انجیل کی قرآن سے تطبیق کرنے کی کوشش کی۔

سائنٹفک سوسایٹی قائم کی جس کا اہم مقصد ایک یہ تھا کہ انگریزی
کی مفید کتابوں کا اردو میں ترجمہ کرا کے چھاپے۔ ڈیوک آف ارگایل
اس انجمن کا مربی ہونا منظور کیا اور ڈرمنڈ صاحب لفٹنٹ گورنر اضلا
شمال و مغرب اور میکلاوڈ صاحب لفٹنٹ گورنر پنجاب نے نائب
مربی ہونا قبول کیا۔ اور دور دراز صوبوں کے رئیسوں نے اس کی
ممبری قبول کی اس انجمن کے مقاصد اور اغراض مشتہر کرنے
لیے کلکتے گئے وہاں مجلس مذاکر علمیہ میں فارسی میں نہایت عمدہ
کی لیکن کلکتے کے مولویوں پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔ اگر سید صا
پہاڑ کے پتھروں اور جنگل کے درختوں کے سامنے وہ تقریر کر

ن پر بہ نسبت کلکتے کے مولویوں کے زیادہ اثر ہوتا علی گڑھ میں
ں انجمن کے کاروبار کو ترقی دی۔ ایک عالیشان مکان بنوایا۔
س میں انجمن کے جلسے ہوتے تھے۔ علیگڈہ انسٹیٹیوٹ گزٹ جاری
ا۔ مذکورہ ذیل کتابوں کا ترجمہ کرایا۔ الفنسٹن کی تاریخ ہندوستان
لن کی تاریخ۔ مصر قدیم۔ تاریخ یونان قدیم اسکاٹ برن کا رسالہ
لاحت سینیر کا رسالہ مدن۔ سر جان ملکم کی تاریخ ایران ایکسوس
ں تاریخ چین۔ برٹش انڈین ایسوسی ایشن نام ایک اور انجمن قائم کی
جس کا مقصد یہ تھا کہ ہندوستانیوں کو سرکار سے اپنے حقوق
اصل کرنے کے لیے پارلیمنٹ سے تعلق پیدا کرنا چاہئے۔ اضلاع
شمال و مغرب میں تعلیمی کمیٹیاں قائم کرائیں۔ سرکار سے درخواست
ی کہ اضلاع شمال و مغرب میں ایک دار العلوم دیسی زبان کا بنایا
جائے۔ بنارس میں ہومیوپیتھک علاج کی حمایت کی۔ ایک کمیٹی بنائی
جس کا مقصد ہومیوپیتھک طبابت کا ہندوستان میں پھیلانا تھا

اس کمیٹی کے صدر مہاراجہ بنارس اور سکریٹر سید صاحب خود مقرر ہوئے
کمیٹی کی تجویز سے بنارس میں ایک شفاخانہ ہومیوپیتھک ڈسپنسری نام کا
گیا۔ اسی زمانے میں سید صاحب نے ایک رسالہ ہیضہ کے علاج بہ
بموجب اصول ہومیوپیتھک کے لکھا اسی زمانہ میں بنارس کے ہنڈتوں
کی جو سرکاری عدالتوں میں اردو زبان کو موقوف اور بھاشا زبان
کو جاری کرانا چاہتے تھے مخالفت کی۔ نیز رسالہ احکام طعام اہل کتاب
لکھا جس میں ثابت کیا کہ انگریزوں کے ساتھ انہیں کے ہاتھ کا پکا
ہوا کھانا اور انہیں کا ذبیحہ جس طرح کہ انہوں نے کیا ہو کھانا درست ہے
صرف سور اور شراب اور حرام چیزوں سے پرہیز کرنا لازم ہے۔ و
ہیں سید صاحب نے خطبات احمدیہ لکھے جس میں ان اعتراضوں کا
جو عیسائی اسلام پر کیا کرتے ہیں جواب دیا۔ ولایت سے واپس
رسالہ تہذیب الاخلاق جاری کیا مدرستہ العلوم علیگڈھ قائم کیا اور قر
کی تفسیر لکھی۔ یہ تینوں کام جو سید صاحب نے کئے نہایت

ہیں تہذیب الاخلاق کے ذریعے سے انہوں نے مسلمانوں کے تمدن
کی اصلاح کرنی چاہی۔ مدرستہ العلوم میں علوم جدیدہ کی تعلیم کا انتظام
کیا تفسیر القرآن میں قرآن کی علوم جدیدہ سے تطبیق کی یہ تفسیر انکا نام نکے
سب کا موں سے زیادہ ضروری اور اہم ہے اور اسی کام کی وجہ سے
ہم نے انہیں سید العقلین کا لقب دیا۔ تفسیر کے پڑھنے سے معلوم
ہوتا ہے کہ انکے اسلام اور الحاد میں انیس بیس کا فرق ہے اور یہ کہ وہ الحاد
کے لب بام پر پہنچنے کو تھے صرف دو چار ہاتھ باقی رہ گئے تھے کہ ان
کی تاویل کی کمند ٹوٹ گئی۔ غزالی بھی تاویل کے قائل تھے مگر انمیں
اور سید صاحب میں بہت بڑا فرق تھا۔ غزالی کہتے تھے کہ اسلام
حق ہے فلسفے کا جو مسئلہ اسلام کے موافق ہے وہ حق ہے جو مسئلہ اسلام
کے مخالف ہے وہ باطل ہے سید صاحب کہتے تھے کہ فلسفہ حق ہے
اسلام کا جو مسئلہ اس کے موافق ہے وہ حق ہے جو مسئلہ فلسفے
کے مخالف ہے وہ باطل ہے اور بذریعہ تاویل اسے فلسفے کے مطابق بنایا گیا

اسی فرق کے سبب ہم غزالی کو مسلمانوں کا دشمن اور سید صاحب کو مسلمانوں کا درست سمجھتے ہیں۔ ذیل میں سید صاحب کی تاویلات کا خلاصہ لکھا جاتا ہے۔ قرآن فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے معجز نہیں بلکہ اس لحاظ سے کہ وہ بے نظیر ہادی ہے۔ قرآن مجید بلفظہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر نازل ہوا ہے۔ اس میں کوئی بات غلط یا خلاف واقع مندرج نہیں ہے خود قرآن مجید میں ہے "وانہ لکتاب عزیز لایاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید" اور حکایۃً کسی کا نقل کرنا صرف بغرض بیان یا بغرض تردید یا لوگوں کے اعتقادات کو جو منافی مقصد قرآن کے نہیں ہیں بلا بحث ان کی اصلیت اور واقفیت کے تسلیم کر کے ان پر استدلال کرنا یا بطور حجت الزامی کے پیش کرنا یا امور ظاہر الوقوع کو ان کی ظاہری حالت پر بلا ان کی اصلیت پر بحث کے بیان کرنا یا کلام غیر مقصود بالذات کا اثنائے کلام میں آنا قرآن مجید

کی صداقت کی منافی نہیں ہے۔ قرآن مجید میں کوئی امر ایسا نہیں ہے جو قانون
فطرت کے برخلاف ہو۔ موجودات عالم اور مصنوعات کائنات کی نسبت
جو کچھ خدا نے قرآن مجید میں کہا ہے وہ سب ہو بہو یا بحیثیت من الحیثیات
مطابق واقع ہے یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کا قول اس کی مصنوعات کے
مخالف ہو۔ یا مصنوعات اس کے قول کی مخالف ہوں بعض جگہ
سید صاحب نے قول کو "ورڈ آف گاڈ" اور اس کی مصنوعات کو
"ورک آف گاڈ" سے تعبیر کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ "ورڈ آف گارڈ" اور "ورک
آف گاڈ" یعنی خدا کے قول و فعل کا متحد ہونا لازم ہے۔ اگر قول فعل کے
کسی حیثیت سے مطابق نہیں تو ایسا قول قول اللہ نہیں ہو سکتا۔ باوجود
اس بات کے تسلیم کرنے کے کہ قرآن مجید بلفظہ کلام خدا ہے مگر جب کہ وہ
عربی میں اور انسان کی زبان میں نازل ہوا ہے تو اس کے معنی اسی طرح
پر لگائے جائیں گے جیسے کہ ایک نہایت فصیح عربی زبان میں کلام
کرنے والے کے معنی لگائے جاتے ہیں۔ اور جس طرح کہ انسان

استعارہ ومجاز وکنایہ وتشبیہ وتمثیل اور دلایل لمی واقناعی وخطابی و استقرائی والزامی کلام میں لاتا ہی۔ اسیطرح قرآن مجید میں بھی استعارہ ومجاز وکنایہ وتشبیہ وتمثیل اور دلایل لمی واقناعی وخطابی واستقرائی والزامی سب موجود ہیں۔ علاوہ اس کے ہم کو ان اصول اور ان کی اور عملی وعدوں پر غور کرنا ضرور ہوتا ہی جو خود خدا نے کیے ہیں اور اس طرز کلام اور طریق استعمال الفاظ کو دیکھنا لازم ہوتا ہی جو مخصوص قرآن مجید سے ہی۔ اور جس کے لیے ہم کو ایک آیت کی تفسیر بیان کرنے میں دوسری آیت سے مدد لینی پڑتی ہی۔

صفات ثبوتی اور سلبی ذات باری کے جس قدر قرآن مجید میں بیان ہوے ہیں سب سچ اور درست ہیں مگر ان صفات کی ماہیت کا من حیث ہی ہی جاننا فوق عقل انسانی ہی اس لیے وہ صفات جس کیفیت یا جس حیثیت سے ہمارے ذہن میں ہیں اور جن کو ہم نے ممکنات سے اخذ کیا ہی۔ بعینہ وبحیثیتہ ذات باری پر جو واجب الوجود ہے منسوب

نہیں رکھتے اور صرف یہ کہتے ہیں کہ ان صفات کے جو معنی مصدری
ہیں وہ ذات میں موجود ہیں یعنی علم۔ ایجاد۔ قدرت۔ حیات الی غیر ذلک
اور نیز ان صفات کا ذات واجب الوجود یا علۃ العلل میں ہونا ضروری
سمجھتے ہیں صفات باری عین ذات ہیں اور وہ مثل ذات کے ازلی و
ابدی ہیں اور مقتضائے ذات ظہور صفات ہے علمائے متکلمین کا یہ مذہب ہے
کہ صفات باری نہ عین ذات ہیں نہ غیر ذات اور فلاسفۂ الٰہیین عین ذات
سمجھتے ہیں اور اس لیے ان کا ظہور مقتضائے ذات قرار دیتے ہیں
مگر یہ سب نزاع لفظی ہے اور نتیجہ واحد ہے۔ تمام صفات باری محدود
اور مطلق عن القیود ہیں۔ پس وہ ان وعدوں کے کرنے کا مختار تھا
جن کو اس نے کیا ہے اور اس قانون فطرت کے قائم کرنے کا بھی
مختار تھا جس پر اس نے کسی کائنات کو بنایا ہو یا اس موجودہ
کائنات کو بنایا ہے یا آئندہ اور کسی صورت میں بنائے مگر اس وعدہ
اور قانون فطرت میں جب تک کہ وہ قانون فطرت قائم ہے

تخلف محال ہے اور اگر ہو تو ذات باری کی صفات کاملہ میں نقصان لازم آتا ہے اور ان وعدوں کا کرنا اور قانون فطرت پر کائنات کا قائم کرنا اس کی قدرت کاملہ کا ثبوت ہے اور ان کا ایفا جس کا خود اسنے اپنے اختیار سے وعدہ کیا ہے اس کی قدرت کے مطلق عن القیود اور نا محدود ہونے کا معارض نہیں ہو سکتا۔

جبر و اختیار کے مسئلے پر بحث کرنا قرآن مجید کے سیاق کلام کے منافی ہے۔ قرآن مجید کی کسی آیت سے نہ انسان کے اپنے افعال میں مجبور ہونے پر استدلال ہو سکتا ہے نہ مختار ہونے پر نہ بین الجبر و الاختیار ہونے پر قرآن مجید میں اللہ تعالی نے جا بجا بندوں کے افعال کو بلکہ ہر ایک چیز کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ جو کام بندوں سے ہوتے ہیں انکی نسبت فرمایا ہے کہ ہم نے کیا یا چیزیں کہ اور اسباب سے پیدا ہوتی ہیں ان اسباب کو بیچ میں سے نکالکر فرماتا ہے کہ ہم نے کیا ہم نے مینھ برسایا۔ ہم نے درخت اُگائے ہم نے دریا بہائے ہم نے

سمندر میں جہاز تیر لئے۔ پس اس طرز کلام سے واسطوں کا درحقیقت
درمیان میں ہونا یا اس شے کا ان افعال میں مجبور یا مختار ہونے کا
استنباط و استدلال کرنا اپنی عظمت و شان اور اپنے علۃ العلل یعنی تمام
چیزوں کی اخیر علت یا خالق ہونے کا بندوں پر اظہار مقصود ہوتا ہے
اور اس لیے اس قسم کے کلام سے انسان کا اپنے افعال میں مجبور
یا مختار ہونے کا استنباط و استدلال کرنا صحیح نہیں ہوسکتا مسئلہ
جبر و اختیار ایک تمدنی اور طبعی اور عقلی مسئلہ ہی جس پر انسان کی
خلقت کے لحاظ سے بحث ہوسکتی ہی۔ ان حکما نے جنہوں نے انسانی
فطرت پر غور کیا ہی دو طرح پر انسان کو اپنے افعال میں مجبور پایا ہی۔ ایک
امور خارجیہ کے سبب سے جب کہ قومی و ملکی و تمدنی امور کی الفت و
موانست کا اور بچپن سے کسی امر کی ممارست و تربیت و صحبت کا
اس پر ایسا قوی اثر ہوتا ہی کہ وہ انہی افعال کو مستحسن سمجھتا ہے
اور انہی کے کرنے پر اس کا دل اس کو مجبور کرتا ہے۔ گو یہ

یہ مجبوری اس کی سمجھ میں نہیں آتی کیونکہ بظاہر اس پر کسی کا جبر نہیں ہوتا
مگر درحقیقت اپنی قومی و ملکی و تمدنی اور بچپن سے کسی امر کی ممارست
و تربیت و صحبت کا اثر رفتہ رفتہ بے معلوم اس میں ایسا سرایت کرجاتا
ہی کہ جس سے ان افعال کے کرنے پر جن کو وہ کرتا ہے مجبور ہوجاتا ہی
اور جن باتوں کو سمجھتا ہے کہ میں اپنی مرضی سے کرتا ہوں درحقیقت
وہ اسی قومی اثر کے سبب سے بمجبوری کرتا ہی۔ دوسری قسم کی مجبوری
اپنے افعال میں خود انسان کو اپنی خلقت کے سبب سے ہوتی ہی۔ ہم دنیا
کی چیزوں میں ان کی ایک فطرت پاتے ہیں جس کے برخلاف ہرگز نہیں ہوتا
ہم دیکھتے ہیں کہ معدنی چیزیں ہوا میں نہیں اڑتی پھرتیں۔ پانی ہوا کے
اوپر نہیں رہتا مچھلی زمین پر زندہ نہیں رہتی۔ درندے درندگی سے پرند
جانوروں سے پرواز آبی جانوروں سے شناوری کبھی زائل نہیں
ہوتی۔ پس وہ ان سب افعال کے سرزد ہونے میں جو ان
سے منسوب ہیں بمقتضائے اپنی خلقت کے مجبور ہیں اسی طرح

ہم انسانوں میں بھی دیکھتے ہیں کہ وہ بھی اپنے افعال میں بمقتضائے
ی فطرت کے مجبور ہیں جس کی آنکھ خدا نے ایسی بنائی ہے جس سے
دور کی چیز دکھائی دیتی ہے تو وہ دور کی چیز دیکھنے میں مجبور ہے۔ بعض
لوگ ایسے ہیں جن کا حافظہ بہت قوی ہے بعض ایسے ہیں جن کو کوئی
بات یاد نہیں رہتی بعض ایسے ہیں جن کے قوے قوی ہیں بعضے نہایت
ضعیف القوی ہیں بعضے ایسے ہیں کہ کسی کام کو ایسا عمدہ کرتے ہیں
کہ اوروں سے باوصف کوشش کے ایسا نہیں ہوسکتا کسی کا
ہاتھ خوشنویسی کے لایق ہوتا ہے کسی کا مصوری کے کسی کا دماغ
علم ادب کے مناسب ہوتا ہے کسی کا ریاضی کے۔ پس یہ تفاوت
انسانوں میں فطرت کے باعث سے ہے اور جو افعال کہ اس فطرت
پر مبنی ہیں ان کے صادر ہونے میں وہ مجبور ہیں باایں ہمہ انسان میں
ایک قوت پائی جاتی ہے جو قومی ملکی تمدنی فطری اثروں پر غالب
ہو جاتی ہے جس کو نور قلب یا نور فطرت کہنا چاہیے بہت سے لوگ

ایسے گذرے ہیں جنہوں نے بچپن سے ایک خاص قوم کی رسم و عادت
میں تربیت پائی اور اپنی ملکی تمدنی باتوں کے سوا اور کوئی خیال انکے
دل میں نہیں گذرا اور زمانہ دراز تک اپنی قومی و ملکی و تمدنی امور کی الفت
و موانست میں رہی اور پھر خود انہوں نے اپنی سوچ سمجھہ اور غور و فکر سے
ان تمام بندشوں کو توڑا اور انکے عیبوں کو جانا اور اپنے تئیں ان سے
آزاد کیا۔ یہ قوت فکری کم و بیش تمام انسانوں میں فطری ہی اور ہر شخص
خود اپنے حال پر فکر کے سمجھہ سکتا ہے کہ وہ اسکے کام لانے پر
قادر ہی اور یہی وہ قوت ہی جو حق و باطل میں تمیز کرتی ہے اور راستی
سچ کو پرکھہ لیتی ہی یہی قوت ہی جس کے باعث انسان مکلف ہوا ہے
اور دیگر حیوانات سے افضل رکھا گیا ہی۔

نبوت ایک فطری چیز ہی جو انبیا میں بمقتضائے ان کی فطرت کے
مثل دیگر قولے انسانی کے ہوتی ہی جس انسان میں وہ قوت ہوتی
ہی وہ نبی ہوتا ہی جس طرح کہ تمام ملکات انسانی اس کی ترکیب اعضا

دل و دماغ و خلقت کی مناسبت سے علاقہ رکھتے ہیں اسی طرح ملکۂ
نبوت بھی اس سے علاقہ رکھتا ہے۔ یہ بات ملکۂ نبوت ہی پر موقوف نہیں ہے
ہزاروں قسم کے جو ملکات انسانی ہیں بعض دفعہ کوئی خاص ملکہ کسی
انسان میں از روے خلقت و فطرت ایسا قوی ہوتا ہے کہ وہ اسی
کا امام یا پیغمبر کہلاتا ہے لوہار بھی اپنے فن کا امام یا پیغمبر ہو سکتا ہے
شاعر بھی اپنے فن کا امام یا پیغمبر ہو سکتا ہے۔ ایک طبیب بھی فن طب کا
امام یا پیغمبر ہو سکتا ہے۔ مگر جو شخص روحانی امراض کا طبیب ہوتا ہے
اور جس میں اخلاق انسانی کی تعلیم و تربیت کا ملکہ بمقتضاے
فطرت خدا سے عنایت ہوتا ہے وہ پیغمبر کہلاتا ہے اور جس طرح کہ اور قواے
انسانی اس کے اعضا کی مناسبت سے قوی ہوتے جاتے ہیں اسی
طرح یہ ملکہ بھی قوی ہوتا جاتا ہے اور جب اپنی پوری قوت پر پہنچ جاتا ہے تو
اس سے وہ ظہور میں آتا ہے جو اس کا مقتضی ہوتا ہے جس کو عرف
عام میں بعثت کہتے ہیں خدا اور پیغمبر میں بجز اس ملکہ نبوت کے

جس کو ناموس اکبر اور زبان شرع میں جبرئیل کہتے ہیں اور کوئی ایلچی پیغام
پہنچانیوالا نہیں ہوتا اس کا دل ہی وہ آئینہ ہوتا ہے جس میں تجلیات ربانی کا
جلوہ دکھائی دیتا ہے۔ اس کا دل ہی وہ ایلچی ہوتا ہے جو خدا پاس پیغام لے جاتا
اور خدا کا پیغام لے کر آتا ہے وہ خود ہی مجسم چیز ہوتا ہے جس میں سے خدا کے کلام
کی آوازیں نکلتی ہیں۔ وہ خود ہی وہ کان ہوتا ہے جو خدا کے بے حرف و بے
صوت کلام کو سنتا ہے خود اسی کے دل سے فوارہ کے مانند وحی اٹھتی
اور خود اسی پر نازل ہوتی ہے اس کا عکس اس کے دل پر پڑتا ہے جس کو وہ
خود ہی الہام کہتا ہے اس کو کوئی نہیں بلواتا بلکہ وہ خود بولتا ہے اور خود ہی کہتا
"وما ینطق عن الہوی ان ہو الا وحی یوحی" جو حالات و واردات ایسے دل
گذرتے ہیں وہ بھی بمقتضاے فطرت انسانی اور سب کے سب قانون
فطرت کے پابند ہوتے ہیں وہ خود اپنا کلام نفسی ان ظاہری کانوں
اسی طرح پر سنتا ہے جیسے کوئی دوسرا شخص اس سے کہہ رہا ہے وہ خود
آپ کو ان ظاہری آنکھوں سے اسطرح پر دیکھتا ہے جیسے دوسرا شخص

اس کے سامنے کھڑا ہے۔ مجانین بغیر بولنے والے کے اپنے کانوں سے آوازیں سنتے ہیں۔ تنہا بیٹھے ہیں مگر اپنی آنکھوں سے اپنے پاس کسی کو کھڑا ہوا باتیں کرتا ہوا دیکھتے ہیں ایک دوسرا آدمی ہے کہ جس کی ذات ہیں جو سب طرف سے بےخبر ہو کر ایک طرف مصروف اور اس میں مستغرق ہیں اور باتیں سنتے ہیں اور باتیں کرتے ہیں پس ایسے دل کو جو فطرت کی رو سے تمام چیزوں سے بے تعلق اور روحانی تربیت پر مصروف اور اس میں مستغرق ہو ایسی واردات کا پیش آنا خلاف فطرت انسانی نہیں ہے ہاں ان دونوں میں اتنا فرق ہے کہ پہلا مجنون ہے اور دوسرا پیغمبر ہے۔

وحی وہ چیز ہے جس کو قلب نبوت پر بسبب اسی فطرت نبوت کے مبدء فیاض نے نقش کیا ہے وہی انتقاش قلبی کبھی مثل ایک بولنے والی آواز کے انہیں ظاہری کانوں سے سنائی دیتا ہے اور وہی نقش قلبی دوسرے بولنے والے کی صورت میں دکھائی دیتا ہے مگر بجز اپنے آپ کے نہ وہاں کوئی آواز ہے نہ بولنے والا۔ خدا نے بہت سی جگہ جبرئیل کا نام لیا ہے

مگر سورہ بقر میں اس کی ماہیت بتادی ہے جہاں فرمایا ہے "فانہ نزلہ علی قلبک باذن اللہ" یعنی جبرئیل نے تیرے دل پر قرآن کو اتارا ہے۔ دل پر اتارنے والی یا دل میں ڈالنے والی وہی چیز ہوتی ہے جو خود انسان کی فطرت میں ہو نہ کوئی دوسری چیز جو فطرت سے خارج اور خود اس کی خلقت سے جس کے دل پر ڈالی گئی ہے جداگانہ ہو۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہی ملکہ نبوت کا جو خدا نے انبیاء میں پیدا کیا ہے جبرئیل نام ہے

قرآن مجید سے ملائکہ کا وجود خارجی ثابت نہیں ہوتا در اصل ملائکہ نام ہے خدا کی بے انتہا قدرتوں کا اور ان قوی کا جو خدا نے اپنی تمام مخلوق میں مختلف قسم کے پیدا کئے ہیں۔ جن میں سے ایک شیطان یا ابلیس بھی ہے پہاڑوں کی صلابت۔ پانی کی رقت۔ درختوں کی قوت نمو برق کی قوت جذب و دفع غرض کہ تمام قوے جن سے مخلوقات موجود ہوئی ہیں اور جو مخلوقات میں ہیں وہی ملائک و ملائکہ ہیں جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے انسان ایک مجموعہ قوائے ملکوتی اور قوائے بہیمی کا ہے اور دونوں قوتوں

کے بے انتہا ذریات ہیں جو ہر قسم کی نیکی و بدی میں ظاہر ہوتی ہیں اور وہی انسان کے فرشتے اور ان کی ذریات اور وہی انسان کے شیطان اور اس کی ذریات ہیں۔ شیطان کی نسبت قیصری شرح فصوص میں صاف صاف یہ بات لکھی ہے اس میں لکھا ہے کہ بعضوں نے یہ بات کہی ہے کہ انسان کبیر یعنی عالم میں جو قوت وہمیہ کلیہ ہے وہی ابلیس ہے اور ہر ایک انسان میں جو قوت وہمیہ ہے وہی ابلیس کی ذریات ہیں مگر شارح کہتا ہے کہ یہ ٹھیک نہیں ہے۔ وہم نہیں بلکہ نفس امارہ جو انسان میں ہے وہی ذریات ابلیس ہے۔ خدا نے فرمایا ہے کہ نفس ہی برائی کرنے کو کہتا ہے۔ آنحضرت نے بھی فرمایا ہے کہ سب دشمنوں سے زیادہ دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے پہلوؤں میں ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ شیطان انسان میں خون کی طرح چلتا ہے اور ٹھیک یہ حالت نفس کی ہے غرض کہ یہ قوی جو انسان میں ہیں اور جن کو ہم امارہ یا قوائے بہیمیہ سے تعبیر کر سکتے ہیں یہی شیطان ہیں۔

خدا نے زمین و آسمان کو چھہ دن میں نہیں بنایا۔ آیت ان ربکم اللّٰہ الذی خلق السمٰوات والارض فی ستۃ ایام میں ستۃ ایام کا لفظ صرف نقلاً عن المخاطبین کے اعتقاد یا ذہن کے مطابق آیا ہے نہ بطور بیان حقیقت۔ انبیاء کا کام نہ حقایق اشیاء سے بحث کرنے کا ہے اور نہ تمام ان چیزوں پر رد و قدح کرنے کا ہے جو فی الواقع حقایق اشیا کے برخلاف ہیں بلکہ ان کا کام صرف یہ ہے کہ جو چیزیں خدا کی وحدانیت اور قدرت اور عظمت کے برخلاف لوگوں کے دلوں میں ہوں ان کو نیست و نابود کریں خلق السموات والارض کی نسبت جو کچھ کہ مخاطبین کا اعتقاد برخلاف شان خدا تعالیٰ کے تھا وہ صرف تھک کر ساتویں دن آرام لینا تھا اسے مٹانا ایک پیغمبر کو بلحاظ اپنے منصب پیغمبری کے ضرور تھا۔ چنانچہ اس کو الفاظ "وما مسنا من لغوب" سے مٹا دیا۔ اور باقی امور سے کچھ تعرض نہیں کیا۔

آدم کے لفظ سے وہ ذات خاص مراد نہیں ہے جس کو عوام الناس

اور مسجد کے ملا باوا آدم کہتے ہیں. بلکہ اس سے نوع انسانی مراد ہے
جیسا کہ تفسیر کشف الاسرار و ہتک الاستار میں لکھا ہے وبا المقصود
باوم آدم وحدہ اور خود خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے لقد خلقنا کم ثم صورنا
کم ثم قلنا للملئکۃ اسجدو الادم اس آیت میں "کم" کا خطاب کل انسانوں
کی طرف ہے اور آدم سے بنی نوع آدم یعنی نوع انسان مراد ہے "تراب"
اور "طین" اور "صلصال" اور حمامسنون" اور مار کی ترکیب کیمیاوی سے
جو چیز پیدا ہوتی ہے انسان اس سے پیدا ہوا ہے وہ چیز غالباً وہی
جو سطح آب پر جمع ہو جاتی ہے اور نہ وہ مٹی ہوتی ہے نہ ریت نہ گارا نہ
کیچڑ بلکہ ان سب کی ترکیب کیمیاوی سے ایک اور ہی چیز بن جاتی ہے
اور معلوم ہوتا ہے کہ اسی سے تمام جاندار انسان وحیوان مخلوق
ہوئے ہیں اور یہی بات قرآن سے پائی جاتی ہے۔ آدم کا قصہ جو قرآن
میں ہے اس میں واقعات کا بیان نہیں ہے اس کا مقصود انسانی
فطرت کا زبان حال سے بیان کرنا ہے۔

خدا جو سب کا پیدا کرنیوالا ہی گویا قوائے ملکوتی کو مخاطب کرکے فرماتا ہی
کہ میں ایک مخلوق یعنی انسان کثیف مادہ سے پیدا کرنے کو ہوں مگر وہی
میرا نائب ہونے کے لایق ہی اور جب میں اس کو پیدا کرچکوں تو تم
سب اس کو سجدہ کرنا اس مقام پر مخاطبین کو اس بات کا کہ اس
مخلوق میں قوائے بہیمیہ ہونگے عالم قرار دیا گیا ہی اور مقتضائے فطرت
ان قوائے کے انہوں نے کہا کہ کیا تو ایسے کو خلیفہ کرے گا جو زمین پر
فساد مچاوے اور خون بہاوے اور قوائے ملکوتی نے اپنی فطرت اسطرح
بیان کی کہ ہم تو تیری تعریف کرتے ہیں اور تجھ پاک کو یاد کرتے ہیں
پچھلا فقرہ قوائے کی فطرت کو بھی بتاتا ہی جو قوے جس کام کے لیے
ہیں وہی کام کرتے رہتے ہیں کہ وہی ان کی تسبیح اور تقدیس ہے
قوت نامیہ نما اور قوت ناطقہ نطق قوت احراق حرق۔ قوت سیالہ
سیلان۔ قوت جامدہ انجماد کے سوا اور کچھ نہیں کرسکتی انسان
باوجودیکہ قوائے متضادہ ملکوتیہ و بہیمیہ سے مرکب ہی مگر اس میں

ایسی قدرت ہی کہ ایک قوت پر دوسری قوت کو غلبہ دے سکتا ہی۔ اور
جس قوت سے چاہے کام لے سکتا ہی۔ غیر معلوم چیزوں کو جان جاتا ہی
عالم کے اجزا میں ترکیب دے کر ایک نئی چیز ایجاد کر سکتا ہی اور عالم
کے تبدل میں ایک بڑی مداخلت رکھتا ہی اور ٹھیک خدا کا نائب کہلانے
کا مستحق ہی انسان کی فطرت کا مخاطبین پر فطرتی تفوق ظاہر کرنیکو
تمام کمالات نفسانی وروحانی وحقائق ومعارف کو انسان کی فطرت
میں ودیعت کر کے جس کو تعلیم اسماء سے تعبیر کیا ہی انسان کو مخاطبین
کے سامنے کیا۔ کہ جو حقائق ومعارف ان میں ہیں ان کو تبلاؤ۔
قوائے بسیطہ کی فطرت میں اس کا علم نہ تھا پس گویا وہ بولے کہ ہم تو
ان کمالات کو نہیں جانتے ہم تو اتنا ہی جانتے تھے جتنا تو نے بتایا ہی
یعنی محدود فطرت پیدا کیا ہی۔ اس کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔ مگر انسان
کی زبان حال نے جس کی فطرت میں ادراک کلیات وجزئیات تھا
مخاطبین کی حقیقت کو بتا دیا۔ اور گویا مخاطبین نے زک پائی۔

اب خدا اپنی قدرت و کمال کے اظہار کے لیے انسانی محاورہ کے موافق
جیسے کہ انسان کسی کو زیر دیکھ کر دہراتا ہی فرماتا ہی کہ کیوں میں نہ کہتا تھا کہ
جو کچھ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے اس کے بعد خدا تعالیٰ نے ان
قوائے متضادہ کی جن سے انسان مرکب ہی۔ اس طرح پر فطرت بتائی
ہی کہ قوائے ملکوتی اطاعت پذیر و فرماں بردار ہونے کی قابلیت
رکھتے ہیں لا قوائے بہیمیہ نہایت سرکش اور نافرمان بردار ہیں انہی کو
قابو میں لانا اور فرمان بردار کرنا انسان کا انسان ہونا ہی ان کے سرکش
ہونے کو کبھی تو ان لفظوں سے بیان کیا ہی کہ ابلیس نے سجدہ نہیں
کیا کہیں یوں فرمایا ہی کہ اس نے اپنے خدا کے حکم کی نافرمانی کی
اور سجدہ کرنے سے انکار کیا۔ کہیں فرمایا ہی کہ اس کافر نے غرور کیا
اور کہا کہ میں ایسی مخلوق کو سجدہ کروں جو مٹی سے بنی ہی میں تو اس سے
افضل ہوں۔ وہ تو مٹی کا پتلا ہی اور میں آگ کا پوت ہوں۔ قوائے
بہیمیہ کو جنکا مبدا حرارت غریزی و حرارت خارجی ہی آگ سے مخلوق

بیان کرنا ٹھیک ٹھیک ان کی فطرت کا بتلانا ہے پھر جو فطرتی تضاد ان دونو
م کے قویٰ میں ڈالا ہے اس کے اظہار کے لیے قوائے بہیمیہ کو بطور ایک سخت
ن کے قرار دیا ہے اور اس کی زبان سے اس کی فطرت بیان کی ہے
میں ہمیشہ جب تک انسان زندہ رہے یا قیامت تک یعنی جب تک اس کی
ولاد رہیگی اسکو بہکاتا اور راہ راست پر سے بہکاتا رہونگا یہ الفاظ کہ میں
نسان کو دائیں بائیں آگے پیچھے غرض کہ ہر چہار طرف سے گھیرونگا صاف
صاف ان قوائے بہیمیہ کی فطرت کا اظہار کرتے ہیں جو انسان میں ہے
ور ہر ذی عقل و ہوش غور کرنے پر خود اپنے میں یہ سب باتیں پاتا ہے
ور جان سکتا ہے کہ کسطرح ان قوائے بہیمیہ نے چاروں طرف سے ان کو گھیر
کھا ہے - پھر خدا تعالے نیک آدمیوں کی فطرت کو اور اس دشمن کے فریب
میں آنے والوں نا ورنہ آنے والوں کے فطری نتیجہ کو بتاتا ہے اور فرماتا ہے
کہ تو جتنی چاہے دشمنی کر اور جسطرح چاہے اپنے لشکر سے ان پر چڑھائی کر
مگر نیک آدمیوں پر تیرا کچھ قابو نہ ہوگا وہی بھٹکینگے جو تیرے یعنی قوائے

بہیمہ کے تابع ہونے والے اور دونوں کا قدرتی نتیجہ یہ ہی کہ پہلے بہشت
میں چین کریں گے اور پچھلے دوزخ میں بھرے جائیں گے۔ اس کے
بعد خدا تعالیٰ نے انسان کی زندگی کے دونوں حصوں کو بتایا ہی پہلے
حصے کو یعنی جب کہ انسان غیر مکلف اور تمام قیود سے مبرا ہوتا ہی بہشت
میں رہنے اور چین کرنے اور میووں کے کھانے رہنے سے تعبیر کیا ہے
اور جب دوسرا حصہ اس کی زندگی کا شروع ہونے والا ہی تو
اس کے قدیم دشمن کو پھر بلایا ہی جس نے اس کا بہکا کر درخت ممنوعہ
کھلایا ہی یہ وہ حصہ انسان زندگی کا ہی جب کہ اس کو رشد ہوتا ہی اور
عقل و تمیز کے درخت کا پھل کھا کر مکلف اور اپنے تمام افعال واقوال
وحرکات کا ذمہ وار ہوتا ہی زندگی کے ضروری سامان کے لیے خود
محنت کرتا ہی اور نیک و بد کو خود سمجھتا ہی اپنی بدی سے واقف ہوتا
اور اس کو خود چھپاتا ہی۔ یہ فطرت خدا تعالے نے بباغ کے استعارہ
میں بیان کی ہی اس لیے تمام فطرت کو باغ ہی کے استعارہ میں

ن فرمایا ہی یس رشد کی پہنچنے کو درخت معرفت خیر وشر کے
ن کھانے سے اور انسانکا اپنی بدیون کے چھپانے کو درخت کے
ں سے ڈہانکنے سے تعبیر کیا ہی مگر شجرۃ الخلد کے پہل تک نہیں پہنچایا
ں سے ثابت ہوتا ہی کہ وہ ایک فانی وجود ہی اور اس کو دائمی بقا نہیں
کو نہایت عمدگی سے اس کا خاتمہ بیان کیا ہی کہ تم سب نکل جاؤ
ر جاکر زمین پر رہو وہی تمہارے ٹھیرنے کی جگہ ہی اسی میں تم رہوگے
سی میں مروگے اسی میں سے اٹھوگے تمہاری بدیوں کا علاج بھی ہیں
ے جو نیک بندے ہوں ان کی ہدایت پر چلنا اور اپنی بدیوں سے
رمندہ ہوکر ان کے کرنے سے باز آنا اور خدا سے پکا اقرار کرنا کہ پھر
ریں سے گے اور پھر بت کرنا تم اپنے دشمن پہ فتح پاوگے پھر تم کو کچھ
ر اور خوف نہ ہوگا اچھے خاصے مقبول بندے ہوگے یہ ایک نہایت
مدہ اور دلچسپ بیان فطرت انسانی کا ہی مگر عام لوگ اس راز فطرت
کے سمجھنے کے قابل نہ تھے اس لیے خدا نے ابتدا سے اس راز کو

ایک دلچسپ قصہ کے پیرایہ میں بیان کیا ہی جس کو ہر کوئی سمجھ سکے
اور جو نتیجہ از روئے فطرت سے انسان کو حاصل ہونا چاہیے وہ ہر شخص کو حاصل
ہوتا ہی شجر کا لفظ جو قرآن میں آیا ہی اس سے ویسا درخت مراد نہیں
جیسا الھو تالی اور کلو کسان بویا کرتا ہی بلکہ رشد و تمیز مراد ہے۔ و
الادم اسماء کلہا کے یہ معنی نہیں کہ خدا نے آدم سے کہا یہ گھوڑا ہی یہ گ
ہے یہ ٹٹو ہی یہ کلو ہی یہ نہتو ہی یہ بدھو ہی بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ خدا نے
انسان میں ان قوائے کو پیدا کیا جن سے انسان تمام چیزوں کو جا
اور سمجھتا ہی اور خیال کرتا اور سوچتا ہے اور نئی باتیں ظاہر کرتا اور چ
باتوں کے ملانے سے ایک نتیجہ نکالتا ہی۔ قوائے کو جو اسماء کے لفظ سے
تعبیر کیا ہی اس میں بڑا دقیقہ یہ ہی کہ انسان کسی چیز کی حقیقت و ماہیت
کو نہیں جانتا جو کچھ وہ جانتا ہی وہ صرف اسماء ہی اسماء ہیں" ثم
عرضہم علی الملیکۃ۔ فقال انبؤنی باسماء ہٰؤلاء ان کنتم صدقین
اس آیت میں ہم کی ضمیر "اسماء" کی طرف نہیں بلکہ انسانوں

طرف راجع ہی جو ضمناً لفظ آدم سے سمجھے جاتے ہیں آدم سے شخص خاص مراد
نہیں ہی بلکہ انسان مراد ہی اور اس مقام پر افراد انسانی کا موجود ہونا بھی
تسلیم نہیں کیا گیا بلکہ صرف اس کی فطرت کا بیان کرنا تسلیم ہوا ہی اور
اس لیے ضمیر جمع مذکر غایب کا اس کے لیے لانا بالکل صحیح تھا گویا خدا
تعالی نے تمام چیزوں کے جاننے کی قوت انسان میں اور اس کی فطرت
میں ودیعت کرکے فرشتوں سے کہا کہ تم سب باتیں تو کیا بتا دو گے
انسان میں جو کچھ ودیعت کیا گیا ہی انہی کو بتلا دو جب وہ عاجز آئے
تو خدا نے انسان سے کہا کہ ان حقایق و معارف کو جو فرشتوں میں
ہیں بتلا دے اس آیت میں جو ہُم کی ضمیر ہی وہ انسان کی طرف راجع ہی
اور انبئہم اور "اسمائہم" میں جو "ہم" کی ضمیر ہی وہ فرشتوں کی طرف
راجع ہی۔

واتل علیہم نبأ ابنی ادم بالحق اذ قربا قربانا فتقبل من احدہما ولم
یتقبل من الآخر قال لاقتلنک قال انما یتقبل اللہ من المتقین ؛

اس آیت میں آدم کے دو بیٹوں قابیل اور ہابیل کی زندگی کا بیان
ہے معلوم ہوتا ہے کہ قابیل کھیتی کرنے کا پیشہ کرتا تھا اور ہابیل بکریوں و
بھیڑوں کے گلہ رکھنے کا اور اسی سبب سے قابیل نے اپنے کھیت
کی پیداوار میں سے اور ہابیل نے اپنے گلہ کے نوزائیدہ بچوں
میں سے خدا کی نذر دی تھی اس کے بعد قابیل کی کھیتی میں پیداوار
اچھی نہیں ہوئی ہوگی جیسا کہ اکثر ہوتا ہے اور ہابیل کی بکریوں اور بھیڑوں
تھا جن کے چرنے کے لیے جنگل اور گھاس اور غیر مزروعہ زمین بافراط
موجود تھی بہت زیادہ برکت اور بڑھوتری ہوئی ہوگی جس کے سبب سے
ایک کی نذر کا قبول ہونا اور دوسرے کی نذر کا قبول نہ ہونا تصور کیا گیا ہے
آذر حضرت ابراہیم کا باپ نہ تھا چچا تھا حضرت ابراہیم کو جو تین فرشتے
اسحاق کے پیدا ہونے کی بشارت دینے آئے تھے وہ فرشتے نہ تھے
بلکہ انسان تھے قرآن مجید میں صرف لفظ "رسلنا" یعنی ہمارے
بھیجے ہوئے کا ہے۔ مسلمان مفسروں نے صرف یہودیوں کی روایتوں

سے جن کی وہ ہمیشہ ایسے مقاموں پر پیروی کرتے ہیں ان کو فرشتہ
تسلیم کیا ہی مگر قرآن مجید سے انکا فرشتہ ہونا ثابت نہین ہوتا یہ تو ظاہر ہی
کہ قرآن مجید میں ان کے فرشتہ ہونے پر کوئی نص صریح نہیں ہی باقی رہا
طرز کلام یا الفاظِ وارده پر استدلال قطع نظر اس کے کہ وہ مفید یقین
نہیں ہو سکتا ان سے بھی وہ استدلال پورا نہیں ہوتا علمائے مفسرین
نے قبل اس کے کہ الفاظ قرآن مجید پر غور کریں یہودیوں کی روایتوں
کے موافق ان کا فرشتہ ہونا تسلیم کیا ہی حالانکہ وہ خاصے بھلے چنگے
انسان تھے۔ یہ خیال کرنا کہ حضرت ابراہیم و حضرت سارا کی اولاد مافوق
الفطرت ہوئی تھی اس پر قرآن مجید سے کوئی دلیل نہیں ہی قرآن مجید
میں حضرت ابراہیم کی نسبت لفظ شیخ آیا ہی اور لفظ شیخ ایسا نہیں
ہے کہ اس سے یہ سمجھا جائے کہ حضرت ابراہیم اس حد سے جس میں
موافق قانون قدرت کے اولاد ہو سکتی ہی گذر چکے تھے۔ حضرت سارا
کی نسبت لفظ عجوز آیا ہی۔ عجوز کا لفظ اور شیخہ کا لفظ دونو مرادف

ہیں۔ بلکہ کبھی جوان عورت پر بھی اطلاق ہوتا ہے۔ قاموس میں لکھا ہے والعجوز
المراۃ شابۃ کانت او شیخۃ اور یہی عجوز کا لفظ سورہ شعرا میں حضرت
لوط کی بیوی کی نسبت آیا ہے پس اس لفظ سے یہ ثابت نہیں ہوتا
کہ حضرت سارا ایسی حد پر پہنچ گئی تھیں کہ موافق قانون قدرت کے
ان سے اولاد ہونی ناممکن ہو۔ دوسرا لفظ حضرت سارا کی نسبت
عقیم یعنی بانجھ کا آیا ہے جن عورتوں کے ہاں ایک زمانہ تک جو بہ نسبت
عام عادت کے زیادہ ہو اولاد نہیں ہوتی ان پر عادۃً لفظ عقیم کا اطلاق
کیا جاتا ہے اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ وہ اولاد جننے کے ناقابل ہوتی
ہیں کیونکہ بعض عورتیں اب بھی ایسی موجود ہیں جن کے مدت تک اولاد
نہیں ہوئی اور وہ عقیم تصور ہونے لگیں لیکن بڑی عمر میں جب کہ وہ شیخہ
ہو گئیں ان کے اولاد ہوئی۔ مسلمان مفسر جو بغیر غور کئے ہوئے یہودیوں کی
روایتوں کی پیروی کرنے کے عادی ہو گئے ہیں انہوں نے یہ سمجھا ہے
حضرت ابراہیم و حضرت سارا کی عمر اس قدر بڑی ہو گئی تھی کہ ان

...ت اولاد کا ہونا ناممکن تھا اور اس لئے انہوں نے اس واقعے کو بطور ...ت معجزے کے مافوق الفطرت قرار دیا ہے۔

حضرت لوط سدوم میں رہتے تھے جو تین شخص حضرت ابراہیم کے ...س گئے تھے وہی حضرت لوط کے پاس آئے۔ اس زمانے میں اس علاقے میں طوائف الملوکی تھی۔ چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کا حاکم یا بادشاہ جدا تھا سدوم بھی ایک چھوٹی سی سلطنت جدا تھی جب حضرت لوط یہاں جاکر رہے تو وہاں کے لوگوں نے منع کر دیا کہ تم اور لوگوں سے ملنا۔ پس جب یہ اجنبی شخص حضرت لوط کے گھر میں آئے تو ان لوگوں نے آکر گھیر لیا کہ یہ اجنبی شخص کون ہیں اور انکو گرفتار کرنا چاہا حضرت لوط نے کہا کہ یہ میرے مہمان ہیں ان کو مت پکڑو میں اپنی لونڈیوں بخوشی خدمت کے تمہارے حوالے کرتا ہوں ”قال یقوم ہؤلاء بناتی ھن اطہر لکم فاتقوا اللہ ولا تخزون فی ضیفی الیس منکم رجل رشید“ اس آیت میں حضرت لوط نے لونڈیوں کی عظمت ظاہر کرنے کو

ان لوگوں سے کہ ہن اطہر لکم نہ اس مقصد سے جس کا خیال مسلمان مفسرین نے یہودیوں کی تقلید سے کیا ہے۔ سدوم کے پاس آتشیں پہاڑ تھا اور گندھک کی کانیں کثرت سے تھیں۔ غالباً اس شام کو اتفاقاً جب کہ قوم لوط نے جاکر حضرت لوط کا گھر گھیرا وہ آتش خیز پہاڑ اور گندھک کی کانیں جلنی شروع ہوئیں اُن کا دھواں تمام شہر میں گھٹ گیا قوم لوط کو اندھیری کے سبب کچھ نہ دکھلائی دیتا ہوگا اور دھوئیں کے سبب انکی آنکھیں بیکار ہوگئی ہوں گی جس کی نسبت خدا نے فرمایا ہے ولقد راودوہ عن ضیفہ فطمسنا اعینہم یہ حال دیکھکر ان تین شخصوں نے سمجھا کہ آتش فشانی زیادہ ہونے والی ہے اور حضرت لوط کو صلاح دی کہ یہاں سے بھاگ چلو و لا یلتفت منکم احد یعنی کوئی مڑ کر نہ دیکھے اس غرض سے وہاں سے جلد چلے جانے کی تاکید ہے۔ حضرت لوط کی بیوی جو ایمان لانے والوں میں نہ تھی اس نے اس نصیحت کو نہ مانا اور اس عذاب میں مبتلا ہو کر مرنے والوں کے ساتھ مر گئی جن لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ حضرت لوط کی بیوی بھی ساتھ بھاگی

تھی مگر اس نے بھاگتے ہیں جو مڑکر دیکھا تو نمک کی ہوگئی اس کی کچھ اصل
نہیں ہے اور نہ قرآن مجید سے یہ بات پائی جاتی ہے

حضرت نوح ارمینیا کے رہنے والے تھے۔ یہ ملک دریاؤں اور چھوٹی
چھوٹی ندیوں سے ایسا پر تھا کہ انسان کو اس بات کا خیال آنا قرین
قیاس ہے کہ ان کے عبور کرنے اور ان کی طغیانی کی حالت میں بچاؤ کی
کوئی تدبیر ہونی چاہیے خدا تعالیٰ نے حضرت نوح کے دل میں وحی الی
کہ وہ ان مصیبتوں سے محفوظ رہنے کے لیے کشتی بنائیں کچھ شبہ نہیں ہے
کہ یہ کشتی سب سے پہلے کشتی ہوگی جو دنیا میں بنی۔ اس وقت ایسی چیز
جس سے پانی پر چلیں کچھ عجیب نہیں معلوم ہوتی لیکن اول اول جب ایسے
بنانے کا خیال حضرت نوح کو ہوا ہوگا۔ اور اس کے ذریعے سے
پانی پر چلنے اور دریاؤں کے وار پار جانے کا ارادہ معلوم ہوا ہوگا تو
لوگوں نے اسقدر عجیب اور ناممکن سمجھا ہوگا کہ ان سے مسخراپن
کرتے ہوں گے اور ان کو دیوانہ سمجھتے ہوں گے جیسے کہ قرآن

مجید میں بیان ہوا ہے۔ حضرت نوح لوگوں کو بت پرستی چھوڑنے اور خدا
واحد کی پرستش کرنے کی ہدایت کرتے تھے اور لوگ نہیں مانتے تھے حضر
نوح ان پر خدا کا عذاب نازل ہونے کی پیشین گوئی کرتے تھے۔ تمام قوموں
جو عذاب نازل ہوئے ہیں وہ عذاب انہی اسباب سے واقع ہوئے ہیں
جن کا واقع ہونا امور طبعی سے متعلق ہے۔ پس ملکی حالت کے خیال سے
ضرور حضرت نوح کے دل میں خدا نے ڈالا ہوگا کہ ان لوگوں کی
نافرمانی بدکاری اور گنہگاری سے ایک دن خدا ان کو ڈبو دے
کشتی کا بنانا اور خصوصاً پہلے پہل اور بالتخصیص اتنی بڑی کا جتنی کہ نو
کی کشتی تھی اور ایسی مضبوط کہ جو طوفان نوح کی موجوں کو سہار سکے کچھ آسا
کام نہ تھا اور خدا ہی کے القائے وحی سے وہ بن سکتی تھی مگر لوگوں
امداد اور سعی کی بھی ضرورت تھی۔ جو لوگ حضرت نوح پر ایمان نہیں لا
تھے بلکہ اس کام پر تمسخر کرتے تھے۔ یقیناً وہ لوگ اس میں شریک نہ
انہی کی نسبت خدا نے فرمایا کہ تو ہماری ہدایت سے کشتی بنا

تھا جو بکا ہم سے ذکر مت کر۔ وہ سب ڈوبنے والے ہیں غرض کہ حضرت نوح نے ان لوگوں کی مدد سے جو انکو مانتے تھے وہ کشتی طیار کی۔ طوفان کا آنا بذریعہ ان اسباب کے جو طوفان آنے سے متعلق ہیں خدا نے مقدر کیا تھا چنانچہ بے انتہا مینہ کے برسنے اور زمین سے پانی کے چشمے کھل جانے اور دریاؤں اور ندیوں کے ابل پڑنے سے اس ملک میں طوفان آیا حضرت نوح اور ان کے ساتھی کشتی پر بیٹھ کر بچ گئے۔ اور تمام ملک کے لوگ جس میں طوفان تھا ڈوب کر مر گئے۔ طوفان خاص اس ملک میں آیا تھا جہاں حضرت نوح کی قوم رہتی تھی۔ عالمگیر نہیں تھا خدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے نوح کو تمام دنیا کے لوگوں کے پاس بھیجا ہے بلکہ یہ فرمایا ہے کہ اس کی قوم کے پاس بھیجا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت دنیا میں اور قومیں بھی موجود تھیں پس جس قوم کے پاس نوح بھیجے گئے اسی قوم پر طوفان کا عذاب آیا تھا۔ وقال نوح رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا۔ اس آیت میں جو ارض کا لفظ ہے اس پر

بھی الف لام ہے اور کافرین کا جو لفظ ہے اس پر بھی الف لام ہے بس اس سے صاف ثابت ہے کہ زمین سے وہی زمین مراد ہے جہاں نوح کی قوم رہتی تھی اور کافرون سے وہی کافر مراد ہیں جنہوں نے حضرت نوح کا انکار کیا تھا۔

حضرت ہود قوم عاد کے پیغمبر تھے یہ قوم نہایت قوی اور قدآور تھی جیسے کہ اب بھی بعض ملکوں کے لوگ قوی اور قدآور ہوتے ہیں یہی بات ہے خدا تعالیٰ نے اس قوم کی نسبت فرمائی ہے "وزادکم فی الخلق بصطۃ" ان کے قد معمولی قدآور آدمیوں سے زیادہ نہ تھے تفسیروں میں جو یہ بات لکھی ہے کہ چھوٹے سے چھوٹا آدمی ان میں کا ساٹھ ذراع کا لمبا تھا اور اوسط آدمی سو ذراع کا لمبا تھا اور لمبے سے لمبا چارسو ذراع کا محض غلط ہے نہ قرآن مجید سے یہ بات ثابت ہے نہ اور کسی سند سے یہ قوم آندھی سے تباہ ہوئی۔ قرآن مجید میں اس قسم کے واقعات ارضی و سماوی کا کسی قوم پر نازل ہونا بہ سبب اس قوم کی

معصیت کے بیان ہوئی دساں آندھی اور طوفان پہاڑوں کی آتش فشانی
ن سے ملکوں اور قوموں کا برباد ہونا زمین کا دھنس جانا قحط کا پڑنا کسی
قسم کے حشرات کا زمین میں پانی میں ہوا میں پیدا ہو جانا کسی قسم کے وباؤں
کا آنا اور قوموں کا ہلاک ہونا سبب امور طبعی ہیں جو انکے اسباب جمع
ہو جانے پر موافق قانون قدرت کے واقع ہوتے رہتے ہیں۔ انسانوں
کے گنہگار ہونے یا نہ ہونے سے فی الواقع انکو کچھ تعلق نہیں انسان کی
ابتدائی حالت کی فلاسفی پر غور کرنے سے جو وحشی قوموں کی حالت
یا وحشی زمانہ سے شروع ہوتی ہے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح انسان کے دل میں
اپنے سے زیادہ قوی و زبردست اشیا کو اپنے گرد دیکھکر کسی وجود قوی کا
جس کو انہوں نے خدا تسلیم کیا خیال آیا ہے انہی کے ساتھ ساتھ اس
کے خوش رکھنے کے لیے اسکی عبادت کا بھی خیال ہوا ہے اور اسی
کے ساتھ یہ خیال بھی پیدا ہوا ہے کہ دنیا میں جو مصیبتیں آتی ہیں وہ اسکی خفگی
اور انسانوں کے افعال سے ناراض ہو جانے کے سبب سے آتی ہیں

پس یہ خیال کہ تمام آفات ارضی و سماوی انسانوں کے گناہوں کی
وجہ سے ہوتی ہیں ایک ایسا خیال تھا جو تمام انسانوں کے دلوں میں
بیٹھا ہوا تھا اور اس زمانہ میں بھی جاہل قوموں کے دلوں میں ویسی ہی
مضبوطی سے جما ہوا ہی یہ خیال خواہ وہ حقیقت اشیا علی ماہی علیہ کے
مطابق ہو یا نہو ایک ایسا خیال ہی جو تہذیب نفس انسانی کا نہایت موید ہی
اور بموجب اس اصول فطرت کے جس کے تابع انبیاء علیہ السلام
ہوتے ہیں ان کو ضرور تھا کہ اس امر مسلمہ کو تسلیم کر کے لوگوں کو تہذیب
نفس کی ہدایت کریں پس قرآن مجید کے اس قسم کے بیانات کو جن
میں حوادث ارضی و سماوی کو انسان کے گناہوں سے منسوب کیا ہی
یہ سمجھنا کہ وہ ایک حقیقت اشیا علے ماہی علیہ کا بیان ہی ان سمجھنے
والوں کی غلطی ہی نہ قرآن مجید کی۔ نبوت ہمیشہ فطرت کے تابع ہوتی ہی
اس کا مقصد حقائق اشیاء کو علے ماہی علیہ بیان کرنا نہیں ہوتا بلکہ
اس کی غایت تہذیب نفس ہوتی ہی۔ پس جو امور کہ کسی قوم میں یا انسان

کے خیال میں ایسے پائے جاتے ہیں جو موید تہذیب نفس کے ہیں گوکہ وہ
مطابق حقائق اشیاء علے ما ہی علیہ کے نہ ہوں تو انبیا ان سے کچھ
تعرض نہیں کرتے بلکہ؛ ان کو بلا لحاظ اس بات کے کہ وہ مطابق
حقیقت اشیا علے ما ہی علیہ کے ہیں یا نہیں بطور ایک امر مسلمہ مخاطب کے
تسلیم کر کے لوگوں کو ہدایت کرتے ہیں اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے
کہ ایک شخص بحث کرنے والا اپنے مخالف کے امر مسلمہ کو باوجودیکہ وہ
اس کو صحیح نہ جانتا ہو تسلیم کر کے مخالف ہی کے امر مسلمہ سے مخالف
کو ساکت کرنا چاہتا ہے پس ایسے مواقع پر یہ سمجھنا کہ جو کچھ انبیا نے تسلیم
کیا یا اس کو اپنے مقصد کے لیے کام میں لائے۔ اسی کے مطابق حقایق
اشیا بھی ہیں غلطی ہے مثلاً لوگ یقین کرتے تھے کہ خدا نے چھ دن میں
زمین و آسمان و تمام کائنات پیدا کی ہے۔ اب ایک پیغمبر اس قوم
کو نصیحت کرتا ہے کہ جس نے چھ دن میں زمین و آسمان پیدا کیے
اسی کی عبادت کرو پس اس بیان سے یہ نتیجہ نکالنا کہ اس پیغمبر کا

بیان نسبت چھ دن میں آسمان و زمین کی پیدایش کے بطور بیان

حقیقت انتیا ماہی علیہ کے ہے سخت غلطی ہے کیونکہ اس پیغمبر نے اس قوم

کے امر مسلمہ ہی کو تسلیم کر کے آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے کے

استحقاق عبادت کو ثابت کیا ہے۔

حضرت صالح قوم ثمود کے پیغمبر تھے یہ لوگ الحجر میں رہتے تھے جب

حضرت صالح نے انہیں خدائے واحد کی پرستش کی ہدایت کی

تو انہوں نے کہا کہ اگر تم سچے ہو تو اس کی نشانی لاؤ جس کے ذریعہ سے

اس بن دیکھے خدا کی پرستش کریں بغیر کسی وجود ظاہری کے انکے

دلکو تسلی نہیں ہو سکتی تھی حضرت صالح نے ایک اونٹنی کو بطور سانڈ

کے چھوڑ دیا کہ یہ خدا کی اونٹنی ہے اور تمہارے لیے خدا کی نشانی ہے۔

اس کو کسی قسم کی ایذا مت پہنچاؤ۔ اور چرنے پھرنے دو۔ معلوم ہوتا ہے

کہ اس طرح پر جانوروں کے چھوڑنے کی قدیم رسم تھی۔ عرب متعدد

طرح پر سانڈ چھوڑتے تھے۔ اونٹنی جب پانچ بچے جن لیتی تھی تو اسکو

تو اسکو بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے اور جہاں وہ چرتی چرنے دیتے تھے
اور پانی پینے سے نہ روکتے تھے۔ بیماری سے اچھا ہونے یا سفر سے آنے پر
یا دس برس خدمت لینے کے بعد اونٹ کو بتوں کے نام پر بطور سانڈ
کے چھوڑ دیتے تھے حضرت صالح نے بھی اسی طرح اس اونٹنی کو چھوڑا صرف
اتنا فرق تھا کہ کسی بت یا کسی مخلوق کے نام پر نہیں چھوڑا بلکہ خدا کے نام
پر چھوڑا۔ قد جاءتکم بینۃ من ربکم ہذہ ناقۃ اللہ لکم آیۃ فذروہا تاکل" اس
آیت میں بینۃ اور آیت کے معنی نشانی اور دلیل کے ہیں نہ کہ معجزہ کے۔
مفسرین نے جو لکھا ہے کہ حضرت صالح نے جب دو رکعت نماز پڑھی تو
پہاڑ کو فی الفور اونٹنی کا حمل رہا اور وہ مثل حاملہ کے پیٹ کے پھوٹا شروع
ہوا اور شق ہو گیا اور ایک اونٹنی بڑی موٹی مسٹنڈی بلی لمبی ساٹھ گز
چوڑی اور معلوم نہیں کس قدر لمبی اس میں سے پیدا ہوئی اور پیدا ہوتے
ہی اپنی برابر کا بچہ جنا یہ انکی خام خیالی ہے اور خوش اعتقادی ہے قوم
ثمود نے جب اس اونٹنی کو مار ڈالا اور کفر و بت پرستی کو نہ چھوڑا۔ تو

حضرت صالح نے فرمایا کہ تم تین دن اور چین کر لو پھر تم پر عذاب ضرور آئیگا
اعداد جو ایسے مقام پر بیان ہوتے ہیں ان سے وہی عدد مقصود نہیں ہوتا
بلکہ ایک تھوڑا زمانہ مراد ہوتا ہے اصطلاح کے کلام کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ چند روز
تم اور چین کر لو پھر تم پر عذاب ہوگا - بدکار انسان کی نسبت کہا جاتا ہے
کہ تین دن کا یا چند روز کا عیش و آرام ہے اور اس سے اس کی تمام عمر مراد
ہوتی ہے اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد اس کا حال معلوم ہوگا - پس
اسی طرح حضرت صالح نے فرمایا "تمتعوا فی دارکم ثلثۃ ایام" جو آفت کہ
قوم ثمود پر آئی وہ شدید بھونچال تھا "رجفۃ" کے معنی بھونچال کے ہیں
لفظ "طاغیۃ" جو بعض آیتوں میں آیا ہے وہ اس کی شدت پر دلالت کرتا ہے
اور لفظ "صیحۃ" کا اس کی گڑگڑاہٹ پر اشارہ کرتا ہے غرض کہ جس طرح
عادت اللہ جاری ہے بھونچال کے آنے سے وہ قوم غارت ہوگئی یعنی
اس کے بہت سے آدمی مر گئے اور بہت سے بچ بھی رہے - قوم ثمود
کے مکانات پہاڑوں میں بھی تھے اور میدانوں میں بھی تھے میدانوں

سب کے مکانات پر تو بھونچال سے صدمہ ظاہر ہوا مگر پہاڑ کے اندر کے مکانات
پر بھی متعدد طرح سے صدمہ پہنچ سکتا ہے۔ یہ واقعہ کوئی ایسا واقعہ نہیں ہے
جس کو معجزہ یا خلاف قانون قدرت یا مافوق الفطرت تصور کیا جائے

حضرت موسے کی قوت متخیلہ بہت قوی تھی ایک قسم کے "ہپنوٹسٹ"
تھے جب وہ مدین سے واپس آئے تھے تو خدا نے ان سے کہا اپنی
لکڑی کو ڈال دے۔ جب موسے نے اسے ڈال دیا تو وہ یکایک اژدہا
ہو گئی پھر خدا نے ان سے کہا اپنا ہاتھ جیب سے نکال جب نکالا تو
ہاتھ چمکتا تھا۔ یہ خود انکا تصرف اپنے خیال میں تھا ورنہ اصل میں انکا ہاتھ ویسا ہی
تھا جیسا کہ تھا اور ان کی لکڑی لکڑی تھی اس میں فی الواقع کچھ تبدیلی
نہیں ہوئی تھی خدا نے کسی جگہ یہ نہیں فرمایا فانقلبت العصا ثعبانا یعنی
وہ لاٹھی بدلکر اژدہا ہو گئی یہ نشانیاں لیکر حضرت موسے فرعون کے
پاس گئے اور اسکے ساحروں کا مقابلہ کیا۔ پہلے ساحروں نے اپنی
رسیاں اور لکڑیاں ڈالیں وہ سانپوں کی طرح چلنے لگیں

پھر موسے نے اپنی لکڑی ڈالی وہ بھی اژدہا بن گئی جو ساحروں کے سانپوں
کو نگل گیا۔ سورہ اعراف میں آیا ہے سحروا اعین الناس یعنی لوگوں کی ذہن
بند کردی۔ یہ جملہ صاف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ درحقیقت وہ لاٹھیاں
یا رسیاں سانپ اور اژدہے نہیں ہوگئی تھیں بلکہ بہ سبب تاثیر قوت
نفس انسانی کے جو ساحروں نے کسب سے حاصل کی تھی وہ رسیاں
اور لاٹھیاں لوگوں کو سانپ اور اژدہے معلوم ہوتی تھیں۔ حضرت موسیٰ
نے جو کچھ کیا وہ بمقتضاے قوت نفس انسانی تھا کوئی امر مافوق الفطرت
نہ تھا مگر وہ قوت حضرت موسیٰ میں فطری اور جبلی تھی جس زمانہ میں
بنی اسرائیل مصر میں رہتے تھے اور فرعون مشہور بادشاہ تھا اس کی
میں اس کا دارالسلطنت شہر رامیسس تھا اس کے بائیں طرف
تھوڑے فاصلہ پر دریائے نیل تھا اور دائیں طرف یعنی جانب مشرق
تین منزل کے فاصلہ پر بحر احمر کی ایک شاخ تھی جب فرعون نے
بنی اسرائیل کا تعاقب کیا تو وہ راتوں رات بحر احمر سے پار

اتر گئے۔ بہت لوگونکا خیال ہی کہ انہوں نے دریائے نیل سے عبور کیا
تھا یہ بالکل غلط ہی۔ بلکہ انہوں نے بحر احمر کی ایک شاخ سے عبور کیا
تھا معلوم ہوتا ہی کہ اُس وقت بہ سبب جوار بھاٹے کے جو سمندر میں
آتا رہتا ہی اس مقام پر کہیں خشک زمین نکل آتی تھی اور کہیں پایاب
رہ جاتی تھی۔ بنی اسرائیل پایاب و خشک راستے سے راتوں رات
بہ امن اتر گئے یہی مطلب صاف اس آیت سے پایا جاتا ہی جو سورہ
دخان ہی کہ "واترک البحر رہوا" جس کا ٹھیک مطلب یہ ہی کہ چھوڑ چل سمندر
کو۔ ایسی حالت میں کہ اترا ہوا ہی۔ صبح ہوتے فرعون نے جو دیکھا کہ بنی
اسرائیل پار اتر گئے اس نے بھی انکا تعاقب کیا اور لڑائی کی گاڑیاں
اور سوار پیادے غلط راستے پر سب دریا میں ڈالدیئے اور وہ وقت
پانی کے بڑھنے کا تھا لمحہ لمحہ میں پانی بڑھ گیا جیسے کہ اپنی عادت کے
موافق بڑھتا ہی اور ڈباؤ ہوگیا۔ جس میں فرعون اور اس کا لشکر ڈوب
گیا معلوم ہوتا ہی کہ اس زمانہ میں جب بنی اسرائیل نے

عبور کیا بحر احمر ایسا قہار سمندر نہ تھا جیسا کہ اب ہی گو اس زمانہ کا صحیح جغرافیہ
کو نہ ملے مگر بہت پرانا جغرافیہ جو بطلیموس نے بنایا تھا مع اسکے نقشجات
کے جو بطلیموس کے جغرافیہ کے مطابق بنائے گئے ہیں آج کل موجو
اور اس میں بحر احمر کا بھی نقشہ ہی اس سے معلوم ہوتا ہی کہ بطلیموس
زمانہ تک بحر احمر میں تیس چھوٹے بڑے جزیرے موجود تھے اور یہ صا
دلیل اس بات کی ہی کہ اس زمانہ میں بحر احمر ایسا قہار سمندر نہ تھا جیسا
اب ہی یا جیسا کہ ہمارے علمائے اسلام تیرہ سو برس سے اسکو دیکھتے
ہیں بحر احمر کی اس حالت پر خیال کرنے سے بالکل یقین ہوجاتا ہی کہ
مقام جہاں سے بنی اسرائیل اترے بلاشبہ جوار بھاٹے
سبب رات کو پایاب اور دن کو عمیق ہوجاتا ہوگا - تمام مفسرین حض
موسی کے عبور اور فرعون کے غرق ہونے کو لطور ایک معجزے
قرار دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ نے سمندر پر اپنی
ماری وہ پھٹ گیا اور پانی مثل دیوار یا پہاڑ کے ادہر ادہر کھڑا

اور پانی نے بیچ میں خشک راستہ چھوڑ دیا اور حضرت موسیٰ اور تمام
بنی اسرائیل اس راستہ سے پار اتر گئے فرعون بھی اسی رستہ میں
دوڑ پڑا اور پھر سمندر مل گیا اور سب ڈوب گئے اگر در حقیقت یہ واقعہ خلاف
قانون قدرت تھا تو خدا تعالےٰ سمندر کے پانی ہی کو ایسا سخت کر دیتا کہ
مثل زمین کے اس پر سے چلے جاتے خشک رستہ نکالنے ہی سے
یہ بات پائی جاتی ہے کہ یہ واقعہ مطابق قانون قدرت کے واقع ہوا تھا
جو مطلب مفسرین نے بیان کیا ہے وہ مطلب قرآن مجید کے لفظوں سے
بھی نہیں نکلتا۔ سمندر میں راستہ ہو جانے کی نسبت قرآن مجید میں
تین جگہ ذکر کیا ہے اول سورہ بقرہ میں جہاں فرمایا ہے کہ "اذ فرقنا بکم البحر"
دوم سورہ شعرا میں جہاں فرمایا ہے کہ "اوحینا الی موسیٰ ان اضرب بعصاک
البحر فانفلق فکان کل فرق کالطود العظیم" تیسرے سورہ طٰہٰ میں جہاں
فرمایا ہے "فاوحینا الی موسیٰ ان اسر بعبادی فاضرب لہم طریقا فی البحر
یبسا لا تخاف درکا ولا تخشیٰ فاتبعہم فرعون بجنودہ فغشیہم من الیم ما غشیہم"

پہلی آیت میں تو کوئی لفظ ایسا نہیں ہی جس سے سمندر کے جدا ہو جا
یا پھٹ جانے کو خلاف قانون قدرت قرار دے سکیں دوسری آیت
میں جو الفاظ ہیں انہی پر تمام مفسرین کا دارومدار ہی وہ ان اضرب بعصا
البحر کے یہ معنی لیتے ہیں کہ خدا نے موسیٰ سے کہا کہ سمندر کو اپنی لاٹھی سے
مار چنانچہ حضرت موسیٰ نے لاٹھی ماری اور سمندر پھٹ گیا یا پھٹ گیا
یا سمندر کی تہ زمین کھل گئی وہ اس جملہ کو اس طرح پر بطور شرط و جزا کے
قرار دیتے ہیں کہ شرط گویا علت ہی اور جزا اُس کا معلول یعنی لاٹھی
مارنے کے سبب سے سمندر پھٹ گیا اور زمین نکل آئی۔ مگر یہ استدلال
صحیح نہیں ہی" انفلق" ماضی کا صیغہ ہی اور عربی زبان کا یہ قاعدہ ہی کہ جب
ماضی جزا میں واقع ہوتی ہی تو اس کی دو حالتیں ہوتی ہیں اگر ماضی اپنے
معنوں پر نہیں رہتی بلکہ شرط کی معلول ہوتی ہی تو اس وقت اُس پر "ف"
نہیں لاتے اور جب کہ وہ اپنے معنوں پہ باقی رہتی ہی اور جزا کی معلول
نہیں ہوتی تب اُس پر "ف" لاتے ہیں جیسے کہ اس مثال میں ہے

متنی فاکرمنک انس" یعنی اگر تعظیم کرے گا تو میری تو میں تیری تعظیم
کر چکا ہوں" اس مثال میں جزا یعنی گذشتہ کل میں تعظیم کا کرنا
شرط کی معلول نہیں ہے کیونکہ وہ اس سے پہلے ہو چکی تھی اسی طرح اس
آیت میں سمندر کا پھٹ جانا یا زمین کا کھل جانا "ضرب" کا معلول نہیں
ہو سکتا۔ اصل یہ ہے کہ یہودی اس بات کے قائل تھے کہ حضرت موسیٰ
کے لاٹھی مارنے سے سمندر پھٹ گیا تھا اور زمین نکل آئی تھی اور لاٹھی
مارنے سے پتھر میں سے پانی بہ نکلا تھا علمائے اسلام تفسیروں میں
اور خصوصاً بنی اسرائیل کے قصوں میں یہودیوں کی پیروی کرنیکے
عادی تھے اور قرآن مجید کے مطالب کو خواہ نخواہ کھینچ تان کر یہودیوں
کی روایت کے موافق کرتے تھے اس لیئے انہوں نے اس جگہ بھی
اور وہاں بھی جہاں قرآن میں آیا ہے "فاضرب بعصاک الحجر فانبجست
منہ اثنتا عشرۃ عینا" ضرب کے معنی زدن کے لیے اور اس سیدھی
سادے واقعے کو ایک معجزہ خارج از قانون قدرت بنا دیا۔ اس مقام پر

ضرب کے معنی زدن کے نہیں ہیں بلکہ چلنے یا جلد چلنے کے ہیں جیسے کہ
عرب بولتے ہیں "ضرب فی الارض" یعنی چلایا دوڑا زمین پر خود قرآن مجید
میں آیا ہے "فاذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصروا من
الصلوٰۃ" یعنی جب تم چلو زمین پر یعنی سفر کرو تو کچھ حرج نہیں ہے کہ نماز
میں کمی کرو۔ پس صاف معنی یہ ہیں کہ خدا نے حضرت موسیٰ کو کہا
کہ اپنی لاٹھی کے سہارے سمندر میں چل وہ پھٹا ہوا یا کھلا ہوا ہے یعنی
پایاب ہو رہا ہے سورہ طٰہٰ میں جو آیت ہے اس میں صاف بیان ہوا
ہے کہ میرے بندوں کو رات کو سمندر میں سوکھے رستے سے لیکر
نکل چل پس جو معجزہ تھا وہ یہی تھا کہ ایسی مشکل کے وقت سمندر کے
پایاب ہونے سے خدا تعالیٰ نے موسیٰ کو اور تمام بنی اسرائیل
کو فرعون کے پنجے سے بچا دیا اور جب فرعون [illegible] اترنا
چاہا تو پانی بڑھ گیا تھا وہ مع اپنے لشکر کے ڈوب گیا۔ اس مقام
پر یہ بحث پیش آوے گی کہ جب ضرب کے معنی چلنے کے آئے

…اور اس کے ضمن میں فی کا لفظ آتا ہے جیسے کہ "اذا ضربتم فی الارض" میں ہے
… فاضرب بعصاک البحر اور فاضرب بعصاک الحجر میں "فی" کیوں نہیں ہے
… "فی" کے ہونے سے کچھ حرج نہیں ہے اس لیے کہ جب ضرب کے معنی چلنے
کے لیے جاتے ہیں تو بواسطہ حرف جر یعنی "فی" کے متعدی کیا جاتا ہے اور جو
… افعال کہ بواسطہ جر کے متعدی ہوتے ہیں ان میں سے حرف جر کو محذوف
… کرنا اور فعل کو بلا واسطہ مفعول کی طرف متعدی کرنا جائز ہے اور اس مفعول کو منصوب
علی نزع الخافض کہتے ہیں اس مقام پر فعل "ضرب" کے عصا کے ساتھ ربط دینے کو ایک
… جر یعنی "ب" "عصا" پر آ چکی تھی۔ پھر اسی فعل کو مفعول کی جانب متعدی کرنے
کے لیے دوسرے حرف جر یعنی فی کا لانا کسی قدر فصاحت کلام کے
… مناسب نہ تھا اور اس لیے اس کا حذف اولے تھا پس تقدیر کلام
کی یہ ہے کہ فاضرب بعصاک فی البحر اور قرینہ حذف فی کا خود قرآن
مجید سے پایا جاتا ہے کیونکہ یہ قصہ انہی الفاظ سے سورہ طٰہٰ میں بھی آیا ہے
… بیان فرمایا ہے کہ فاضرب لہم طریقا فی البحر یبسا ایک جگہ لفظ "فی" مذکور ہے

تو یہی قرینہ باقی مقامات میں اس کے محذوف ہونے کا ہے اسی آیت
میں فعل "ضرب" کے بلا واسطہ حرف جر متعدی الی المفعول ہونے
کی مثال بھی موجود ہے شاہ ولی اللہ صاحب نے اس آیت کا ترجمہ
یہ کیا ہے کہ "پس برو برائے ایشاں در راہ خشک" یعنی شاہ صاحب
نے "ضرب" کے معنی زدن کے نہیں لیے "رفتن" کے لیے ہیں جو لازمی
ہے اور لفظ "طریقا" اس آیت میں اضرب کا مفعول ہے اور بلا واسطہ حرف
جر متعدی الی المفعول ہوا ہے۔ بحر احمر کو عبور کرنے کے بعد حضرت موسیٰ
کوہ طور پر اعتکاف کرنے گئے تاکہ خدا کی ہدایت اس بات میں
چاہیں کہ بنی اسرائیل کے انتظام اور خدا کی عبادت کے لیے قواعد
یا احکام قرار دیے جائیں۔ تیس دن مجاہدہ کرنے کے بعد طور پر خدا
کی تجلی دیکھی یعنی طور کی آتشفشانی دیکھی اور اس کی گڑگڑاہٹ اور زور شور
کی آواز اور پتھروں کے اڑنے کے خوف سے بے ہوش ہو گئے۔
حضرت موسیٰ ایک مہینہ میں واپس آنے کا اقرار کر کے پہاڑ پر گئے تھے

لیکن انہیں چالیس دن لگ گئے۔ بنی اسرائیل کو ان کے واپس
آنے کی توقع جاتی رہی انہوں نے اپنے لیے بطور دیوتا کے ایک بچھڑا بنا لیا
اور اس کی پوجا کرنے لگے اسے اسطرح بنایا تھا کہ اس میں سے آواز نکلتی
تھی ہزاروں جانور اب بھی کاریگر اسطرح سے بناتے ہیں کہ وہ اڑتے
اور حرکت کرتے ہیں اور بولتے ہیں جب حضرت موسے واپس آئے
تو ان پر بہت خفا ہوئے اور انہیں خدا کی پرستش کرنے کی ہدایت کی
انہوں نے کہا کہ ہم خدا کو دیکھنا چاہتے ہیں حضرت موسے ان میں
سے ستر آدمیوں کو طور کے قریب لے گئے پہاڑ کی آتش فشانی دیکھکر
وہ بھی موسے کی طرح بے ہوش گئے ثم بعثنکم بعد موتکم میں موت کے
معنی بیہوشی کے ہیں "رفعنا فوقکم الطور" کا یہ مطلب ہے کہ وہ ستر آدمی طور
کے نیچے کھڑے ہوئے تھے پہاڑ ان کے سر پر نہایت اونچا اٹھا ہوا
تھا وہ اس کے سامنے کے گئے تھے۔ اور طور بہ سبب آتش فشانی
کے شدید حرکت اور زلزلہ میں تھا جس کے سبب وہ گمان کرتے تھے

کہ ان کے اوپر گر پڑیگا بعض مفسروں نے لکھاہی کہ کوہ طور سینا کو خدا
ان کے سر پر اٹھا لایا تھا کہ مجھہ سے اقرار کرو نہیں تو اسی پہاڑ کے تلے کچل
دیتاہوں اور بعضوں نے لکھاکہ نہیں خدا بیت المقدس کے پہاڑوں میں سے
ایک پہاڑ کو اکھاڑ کر ہوا میں اُڑا لایا تھا. وہ پانچ میل کا لمبا اور پانچ میل کا چوڑا
تھا اتنی بڑائی اس کی اس لیے تھی کہ کل لشکر بنی اسرائیل کا اس کے تلے
ایک ہی دفعہ کچل جائے یہ تمام خرافاتیں لغو وبیہودہ ہیں. طور کی تجلی دیکھنے
کے بعد حضرت موسی بنی اسرائیل کو لیکر فلسطین کی طرف روانہ ہوے
ان کا ایک جنگل میں گذر ہوا جہاں کہانے کو من وسلوی ملتا تھا من ایک
چیز ہی جو بطور ترنجبین کے ایک خاص قسم کی جہاڑیوں پر جم جاتی ہی اور سلوی
بٹیر کی قسم کا جانور ہی جو اس جنگل میں بکثرت پایا جاتا تھا اور اب تک وہاں
پایا جاتا ہی. جہاں بنی اسرائیل کو بارہ چشمے ملے تھے وہ مقام ابھی تک
موجود ہی اور سیاحوں نے دیکھا ہی مگر اب وہاں پانی کے چشمے نہیں
بہتے کیونکہ پہاڑی چشمے انقلاب زمانہ سے سوکھہ جاتے ہیں جیسے کہ مکہ معظمہ

میں زمزم کا چشمہ سوکھ گیا ہی ایسے مقاموں کو لوگ مقدس سمجھتے تھے اور
اس کے یادگار یا نشان قائم رکھنے کو وہاں کنوئیں کھود دیتے تھے
جس طرح مکہ معظمہ میں چاہ زمزم کھودا گیا ہی اس مقام پر بھی جہاں حضرت
موسیٰ کو بارہ چشمے ملے تھے۔ لوگوں نے کسی زمانہ میں کنوئیں کھودے تھے
اب وہاں سترہ کنوئیں موجود ہیں اور وہ عیون موسے کے نام سے
مشہور ہیں اس مقام پر قرسک کے درخت ہوتے ہیں خشکے تیون یمن حرج
حضرت مریم عمران کی بیٹی تھیں یہودیوں کے ہاں رواج تھا کہ اپنے کسی
بیٹے کو خدا کے نام پر وقف کر دیتے تھے یہ وقف کیے ہوئے لڑکے
جب کسی قدر ہوشیار ہوتے تھے تو معبد میں بھیج دیے جاتے تھے
اور اس کی خدمت کیا کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت مریم کی ماں نے
اپنے پیٹ کے بچے کو خدا کی نذر کیا تھا مگر اتفاق سے بیٹا نہ ہوا بیٹی ہوئی
بیٹی معبد کی خدمت گزاری پر مامور نہیں ہو سکتی تھی اسلیے جب حضرت
مریم پیدا ہوئیں تو انکی ماں نے افسوس کیا اور کہا نہیں لڑکا لائی تب

حضرت مریم کسی قدر ہوشیار ہو گئیں تو اس وقت حضرت زکریا
کے سپرد ہوئیں معبد کی خدمت پر تو مامور نہیں ہو سکتی تھیں مگر ایک بالاخانہ
میں یا حجرہ میں ان کو رکھا جو عابد اور زاہد عورتوں کے لیے معین ہو گئے
اس میں حضرت مریم خدا کی عبادت کرتی تھیں۔ ایک روز حضرت زکریا
ان کے پاس گئے دیکھا تو کھانا رکھا ہوا تھا پوچھا یہ کہاں سے آیا ہے حضرت
مریم نے جواب دیا ہو من عند اللہ اس کو مفسروں نے معجزہ سمجھا ہے
حالانکہ اس بات کے کہنے ہیں کہ اللہ کے پاس سے آیا ہے یا اللہ نے بھیجا ہے
کوئی عجیب بات نہیں یہ تو ایک روزمرہ محاورے کی بات ہے جب حضرت مریم بڑی
ہوئیں تو یوسف سے ان کی شادی ہوئی۔ حضرت عیسے بن باپ کے
نہیں پیدا ہوئے یوسف ان کے والد تھے۔ جب فرشتوں نے
مریم کو بشارت دی کہ تیرے بیٹا ہو گا اور انہوں نے جواب دیا "رب
انی یکون لی ولد ولم یمسسنی بشر" یا جب خواب میں ایک انسان
نے ان سے کہا "انما انا رسول ربک لاہب لک غلاما زکیا" اور حضرت

مریم نے جواب دیا "انی یکون لی غلام ولم یمسسنی بشر ولم اک بغیا" اس وقت ان کی شادی نہیں ہوئی تھی۔

حضرت عیسے کی طرف غلطی سے معجزے منسوب کئے گئے ہیں "یکلم الناس فی المھد وکہلا" میں "مھد" سے صغیر سنی کا زمانہ مراد ہے نہ وہ زمانہ جس میں کوئی بچہ بمقتضائے قانون قدرت کلام نہیں کر سکتا "انی اخلق لکم من الطین کہیئۃ الطیر فانفخ فیہ فیکون طیرا باذن اللہ" مطلب یہ ہے کہ جب وہ بچے تھے تو مٹی سے جانوروں کی مورتیں بنایا کرتے تھے کسی شخص نے ایک روز ان سے پوچھا ہوگا "ما تفعل" انہوں نے جواب دیا ہوگا انی اخلق لکم من الطین کہیئۃ الطیر وغیرہ۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ پھونکنے کے بعد درحقیقت وہ پرندوں کی مورتیں جو مٹی سے بناتے تھے جان دار ہو جاتی تھیں اور اڑنے لگتی تھیں "و ابری الاکمہ والابرص واحی الموتی باذن اللہ" کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ اندھوں اور کوڑھیوں کو چنگا کرتے تھے اور مردوں کو

زندہ کرتے تھے بلکہ یہ کہ وہ اندھوں اور کوڑھیوں کو ناپاک نہیں سمجھتے تھے
اور لوگوں کو کفر کی موت سے بچاتے تھے۔ یہودی کہتے ہیں کہ حضرت
عیسے سنگسار ہوئے تھے عیسائی کہتے ہیں کہ وہ صلیب پر قتل ہوئے
تھے۔ دونوں باتیں غلط ہیں اپنی دونوں اعتقادوں کے رد کرنے
کو خدا نے فرمایا ہے کہ ماقتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لہم وغیرہ وہ سنگسار
تو ہرگز نہیں ہوئے صلیب پر البتہ لٹکائے گئے مگر صلیب پر مرنے نہیں
مرنے سے پہلے اتار دیئے گئے۔ اس کے بعد جھوٹ موٹ دفن کیئے
گئے لیکن رات کے وقت انکے حواری انہیں قبر سے نکال لے گئے
پھر وہ روپوش رہے خوش اعتقاد لوگ سمجھے کہ وہ آسمان پر اٹھا لیے
گئے "رافعک الی" کے معنی نہیں ہیں کہ ہیں تجھے اپنی طرف اٹھا لونگا
بلکہ یہ کہ میں تیرا درجہ مرتفع کرونگا۔ مولوی چراغ علی کی بھی یہی رائے
ہے کہ وہ اس آیت کی کہ وقولہم انا قتلنا المسیح عیسی ابن مریم رسول اللہ
وماقتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لہم وان الذین اختلفوا فیہ لفی شک منہ

مالہم بہ من علم الا اتباع الظن وما قتلوہ یقیناً بل رفعہ اللہ الیہ مفسر یوں بیان
کرتے ہیں حضرت عیسیٰ نہ تو تلوار سے نہ پتھروں سے مار ڈالے گئے اور صلیب پر
لٹکائے گئے لیکن ان کے قتل کرنے والوں کو دھوکا ہوگیا یا ان سے اصل
بات پوشیدہ ہوگئی یا ان کو حضرت عیسے کی موت کا اشتباہ ہوگیا حالانکہ
وہ یقیناً نہیں مرے تھے البتہ وہ تین گھنٹہ تک صلیب پر اذیت سے لٹکتے
رہے اور پھر اتار لیے گئے صلیب پر مصلوب ہونے سے جلد ہی کوئی شخص
نہیں مرجاتا بلکہ کئی روز لٹکنے سے دھوپ کی تپش اور بھوک کی شدت
اور زخموں کی تکلیف سے البتہ مرجاتا ہے یہ معاملہ حضرت عیسیٰ کے ساتھ نہیں
ہوا اور جب وہ اتار کے ایک قبر میں رکھے گئے تو ان کو کہ وہ ابھی زندہ
مگر غشی میں تھے بعض مخلص مومنین شب کو مقبرہ سے نکال کے گھر میں
کہیں پوشیدہ لے گئے اور پھر حضرت عیسے بعض حواریوں کو زندہ
نظر آئے مگر یہود کی عداوت اور رومیوں کے اندیشہ سے کہیں دیہات ال
میں اپنے قرابت داروں کے ساتھ رہتے تھے پھر خدا نے ان کو اٹھا

یعنی اپنی موت طبعی سے مرگئے اور خدا کے پاس چلے گئے اور اسکے د
ہاتھ جگہ پائی یہ دونوں باتیں مجازاً اور فضیلتاً کہی جاتی ہیں جو لوگ یہ
سمجھتے تھے کہ ہم نے انکو مارڈالا قرآن مجید ان کو جھٹلاتا ہے اور جو لوگ
سمجھتے تھے کہ ان کی صورت کا ایک دوسرا آدمی پکڑا گیا ان کو بھی
قرآن مجید جھٹلاتا ہے اور کہتا ہے کہ ان کو علم قطعی نہیں ہے اٹکل پر چلتے ہیں
اور پھر اصلی حقیقت تبلاتا ہے کہ اصل بات ایسی چھپ گئی یا پوشیدہ ہوگئی
بل رفعہ اللہ الیہ کے معنی ہیں بلکہ خدا نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا
خدا کی طرف جانا یا اٹھا لیا جانا ایسا ہی ہے جیسے حضرت ابراہیم نے فر
انی ذاھب الی ربی اور مہاجروں کی نسبت لکھا " ومن یخرج من
بیتہ مہاجراً الی اللہ "

ان حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی معجزہ نہ تھا جیسا کہ
اس آیت سے ظاہر ہے " لولا انزل علیہ آیات من ربہ قل انما الآیات
عند اللہ وانما انا نذیر مبین " انبیائے سابقین کے پاس بھی کوئی معج

تھا جن واقعات کو لوگ معجزات سمجھتے ہیں وہ معجزات نہیں ہیں بلکہ وہ
اقعات ہیں جو مطابق قانون قدرت کے واقع ہوئے ہیں معجزہ
ممکن ہی کیونکہ اس کے معنی کسی امر کے بطور خرق عادت یعنی خلاف
فطرت یا خلاف جبلت یا خلاف قدرت اللہ واقع ہونے کے ہیں۔
شق قمر معجزات میں سے نہیں ہاں وہ قیامت کی نشانیوں میں سے
یک نشانی ہی بدر کی لڑائی میں جو فرشتے دشمنوں سے لڑنے کے لیے
ترے ان سے جرات وہمت وصبر وشجاعت و استقلال وغیرہ
کوئی مراد ہیں۔ اذ یوحی ربک الی الملائکۃ انی معکم فثبتوا الذین آمنو
سالقی فی قلوب الذین کفروا الرعب" اس آیت میں ثابت قدم
کھنے والی کون چیز تھی وہی ان کی جرات وہمت تھی کوئی اور شخص
ن کے پاس کھڑے ہوئے ان کو شاباش شاباش نہیں کہہ
ہے تھے صاف ظاہر ہی کہ فرشتوں سے مراد وہی قوائے انسانی
تھے جن کے پاس وحی بھیجی گئی اور جو لڑنے والوں میں موجود تھی اور

اور فرشتوں سے ان کی مدد کرنے سے انکو لڑائی میں ثابت قدم رکھنا اور
شجاعت جرات ہمت استقلال کو قائم رکھنا مراد تھا نہ جسمانی فرشتوں کو سپاہی
بنا کر اور ڈھال تلوار تیر کمان دیکر اور سفید سفید گھوڑوں پر سوار کر کے
بھیجنا۔ معراج جس میں اسرا بھی داخل ہی ابتدا سے انتہا تک بالروح اور
سونے کی حالت میں ہوئی۔ اس کے دلائل یہ ہیں (۱) دلالت النص
یعنی خدا کا یہ فرمانا کہ "سبحان الذی اسری بعبدہ لیلاً" یعنی رات کو خدا
اپنے بندہ کو لے گیا یہ اس بات پر دلالت کرتا ہی کہ خواب میں یہ واقعہ
ہوئے تھے جو وقت عام طور پر انسانوں کے سونے کا ہی ورنہ لیلاً کی
قید لگانے کی ضرورت نہ تھی (۲) خدا فرماتا ہی وجعلنا الرویا التی اریناک
الا فتنۃ للناس یعنی ہم نے نہیں کیا اس خواب کو جو تجھے دکھایا مگر آزمایش
واسطے لوگوں کے (۳) مالک بن صعصعہ اور انس بن مالک کی حدیثیں
جو بخاری اور مسلم میں مذکور ہیں ان سے پایا جاتا ہی کہ معراج کے وقت
آپ سوتے تھے وہ حدیثیں یہ ہیں۔ بینا انا عند البیت بین النائم والیقظان

بینما انا فی الحطیم دربما قال فی الحجر مضطجعا فیما یری قلبہ وتنام عینہ ولا ینام
قلبہ وتنام عینہ ولا ینام قلبہ فاستیقظ ہو فی المسجد الحرام (۴) معاویہ
حسن۔ حذیفہ بن الیمان اور حضرت عائشہ کا مذہب تھا کہ اسرا یا
معراج خواب میں ہوئی۔ شق صدر معراج کے ساتھ ہوا معجزہ دلیل نبوت
نہیں ہوسکتا ابن رشد کا ہی یہی خیال تھا مختصر طور پر اس کی دلیلیں یہ
ہیں (۱) جو امر کہ واقع ہوا اس کی نسبت اس امر کے لزوم کا ثبوت
نہیں ہوتا کہ جس شخص سے وہ واقع ہو وہ رسول ہوتا ہے (۲) کوئی خارق
عادت ایسی نہیں ہے جو بطور خاصہ رسولوں سے مخصوص ہو (۳) کچھ ثبوت
نہیں ہے کہ خرق عادت سے رسالت کو کیا تعلق ہے (۴) اس کا ثبوت نہیں
ہوتا کہ اس کا وقوع قانون قدرت کے مطابق نہیں ہوا کیونکہ بہت
سے عجائبات اب بھی ایسے ظاہر ہوتے ہیں کہ فی الحقیقت انکا وقوع
قانون قدرت کے مطابق ہوتا ہے مگر وہ قانون ابھی لامعلوم ہے (۵)
اس کا کچھ ثبوت نہیں ہوتا کہ جو امر واقع ہوا وہ خواص نفس انسانی سے

جو ہر ایک انسان میں ہی کچھ تعلق نہیں رکھتا (۶) غیر انبیاء سے جو امور خرق عادات
کے ہوتے ہیں اور جو انبیاء سے واقع ہوتے ہیں دونوں میں کوئی ما بہ
الامتیاز نہیں ہی (۷) یہاں تک کہ اہل ہنر سے جو امور واقع ہوتے ہیں
ان میں اور خرق عادات میں امتیاز نہایت ہی مشکل ہوتا ہی - آیات بینات
کے معنی معجزے کے نہیں بلکہ احکام و مواعظ و نصائح کے ہیں۔

صور کا جو لفظ قرآن میں متعدد جگہ آیا ہی اس سے فی الواقع کوئی
آلہ مثل نرسنگھے یا سنکھ یا تری و قرنا کے مراد نہیں ہی بلکہ یہ استعارہ ہی
بعث و حشر کا اور تبدیل حالت کا جسطرح لشکر میں صور بجنے سے سب
مجتمع ہو جاتے ہیں اور لڑنے کو کھڑے ہو جاتے ہیں اسی طرح بعث و نشر
میں ارادہ اللہ سے سب لوگ اٹھیں گے اور جمع ہو جائیں گے اس
حالت کا نفخ صور سے استعارہ کیا گیا ہی میزان اور وزن عمل سی
فی الحقیقت میزان کا موجود ہونا اور فی الحقیقت اعمال کا وزن ہو
مراد نہیں ہی بلکہ صرف عدل کا

استعارہ ہے۔ موت کے بعد روح باقی رہتی ہے قیامت کے روز حشر اجساد
ہوگا لیکن اجساد دیگر ہوں گے جیسا کہ قرآن میں آیا ہے "نحن قدرنا بینکم
الموت وما نحن بمسبوقین علی ان نبدل امثالکم وننشئکم فی ما لا تعلمون"
قیامت کے روز جو واقعات کائنات پر گذرنے والے ہیں وہ اپنے
وقت پر گذریں گے مگر جو لوگ اس سے پہلے مر چکے ہیں ان کے لیے
قیامت اسی وقت سے شروع ہوتی ہے جب کہ وہ مرے خدا نہ ان آنکھوں
سے دکھائی دیگا نہ دل کی آنکھوں سے جنت اعلیٰ درجہ کی روحانی راحت اور دوزخ
اعلیٰ درجہ کے روحانی عذاب کا نام ہے قرآن میں جو آیا ہے کہ جنت میں
حوریں اور نہریں ہوں گی اور دوزخ میں آگ ہوگی پینے کو پیپ ہوگی کھانے
کو تھوہر ہوگا اس سے اعلیٰ درجہ کی راحت اور اعلیٰ درجہ کے عذاب کا
بقدر فہم انسانی بیان کرنا مقصود تھا نہ واقعی ان چیزوں کا جنت و دوزخ
میں موجود ہونا یہ سمجھنا کہ جنت مثل ایک باغ کے ہے اس میں سونے کے
اور موتی کے جڑاؤ محل ہیں باغ میں سرسبز و شاداب درخت ہیں

دودھ و شراب و شہد کی ندیاں بہ رہی ہیں ہر قسم کا میوہ کھانے کو
موجود ہے ساقی و ساقنیں نہایت خوبصورت چاندی کے کنگن پہنے
ہوئے جو ہمارے ہاں کی گھوسنیں پہنتی ہیں شراب پلا رہی
ہیں ایک جنتی ایک حور کے گلے میں ہاتھ ڈالے پڑا ہے ایک نے ران پہ
سر دہرا ہے ایک چھاتی سے لپٹا رہا ہے ایک نے لب جان بخش کا بوسہ
لیا ہے کوئی کسی کونے میں کچھ کر رہا ہے کوئی کسی کونہ میں کچھ ایسا بیہودہ
پن ہے جس پر تعجب ہوتا ہے اگر بہشت یہی ہے تو بے مبالغہ ہمارے خرابات
اس سے ہزار درجہ بہتر ہیں ۔ اعدت للکفرین اور الجنۃ والنار مخلوقتین سے
جنت و دوزخ کا بالفعل موجود ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ تمام قرآن کا
طرز بیان اسی طرح پر ہے کہ آئندہ کی باتوں کو جو یقین ہونے والی ہیں ماضی
کے صیغوں سے بیان کیا جاتا ہے جو ان کے قطعی ہونے پر دلالت
کرتا ہے اسی طرح ان آیتوں میں جو باتیں ہونے والی ہیں انکو بطور ہو چکی
یعنی ماضی کے صیغہ سے بیان کیا ہے۔ دعا ایک قسم کی عبادت ہے

جیساکہ حدیث میں آیا ہے الدعا ہو العبادۃ بنفس دعا کے مستجاب ہونے
سے اس مطلب کا جس کے لیے دعا کی جاتی ہے حاصل ہونا مراد نہیں ہے
بلکہ جو معنی عبادت کے قبول ہونے کے ہیں وہی معنی دعا کے مستجاب
ہونے کے ہیں۔

سورہ فیل کی تفسیر مفسروں نے اسطرح لکھی ہے کہ جب ابرہہ کا لشکر
ہاتھیوں سمیت کعبہ کے پاس آیا تو اللہ تعالےٰ نے ایک قسم کے پرند
جانوروں کو حکم دیا کہ مسور یا چنے کے دانہ کے برابر ایک کنکری چونچ
میں اور ایک ایک دونوں پنجوں میں لیکر جاؤ اور ابرہہ کے لشکر پر
چھوڑو ان پرندوں نے ایسا ہی کیا اور کنکری جس کے سر پر پڑی پار
نکل گئی سارا لشکر برباد ہوگیا یہ تفسیر غلط ہے قرآن مجید سے صرف اسقدر
پایا جاتا ہے کہ ابرہہ کے لشکر پر ایک آفت پڑی اور وہ برباد ہوگیا اس
آفت کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے مگر قرآن مجید کی سیاق عبارت
سے اور تاریخی واقعات معلوم ہوتا ہے کہ وہ آفت وبائی چیچک

کی بیماری تھی جو ابرہہ کے لشکر میں دفعتاً زمانہ محاصرہ مکہ میں پھیلی - اور بہت سے
آدمی اور جانور چیچک سے مر گئے اور سارا لشکر تباہ ہو گیا اسی واقعہ
کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں فرمایا ہے "طیراً ابابیل" کے معنی وبالوں
کے غول کے ہیں "ترمیھم بحجارۃ من سجیل" کے معنی یہ ہیں جو ان پر پتھر یعنی
آفت ڈالتے تھے - طیر کے لغوی معنی پرند جانور کے ہیں مگر شومی اور
وبال اور بد فالی اور بدشگونی پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے اس کا
سبب یہ ہے کہ عرب والے پرند جانوروں کے اڑنے سے شگون
و بدشگون لیا کرتے تھے اس لیے جب کسی پر آفت آتی تھی تو کہتے تھے کہ
جرت غلان الطائر بکذا" یعنی اس کی چڑیا اسی طرح پر اڑی - لغات
قرآن میں اس آیت کی تفسیر کہ "طائرکم معکم" یہ لکھی ہے کہ "لے شومکم من
عند انفسکم" یعنی تمہاری چڑیا تمہارے ساتھ ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ تمہارا
وبال تمہاری ہی ذات سے ہے اور تفسیر ابن عباس میں بھی طائرکم کے
معنی مصائبکم کے لکھے ہیں - ابابیل سے وہ پرند جانور مراد نہیں ہیں

جو گھروں کی چھت نہیں یا پرانے مکانوں میں پرندوں کا گھونسلا بنا کر رہتے ہیں اور شام کو مغرب کے وقت اڑتے ہیں۔ بلکہ اس لفظ کے معنی کثرت کے ہیں چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب نے فوج فوج اس کا ترجمہ کیا ہے اور شاہ رفیع الدین صاحب نے جماعت جماعت حجارہ جمع ہے حجر کی اور لغوی معنی اسکے پتھر کے ہیں۔ لفظ ترمیہم جو اسکے ساتھ ہے تو اس سے لوگوں کو یہ خیال جم گیا کہ وہ پرندجانور پتھر مارتے تھے۔ مگر بات یوں نہیں ہے اصل یہ ہے کہ پتھر مارنے سے مراد مصیبت ڈالنا ہے اور محاورہ میں بولتے ہیں کہ پتھر پڑے ہیں یعنی آفت پڑی ہے عرب میں بھی یہ محاورہ ہے چنانچہ قاموس میں لکھا ہے رمی بحجارۃ الارض ای بداھیۃ" یعنی زمین کے پتھر ڈالے گئے یعنی مصیبت میں مبتلا ہوا قرآن میں جن کے لفظ سے چھپے ہوئے یا پہاڑی اور صحرائی لوگ مراد ہیں نہ کہ وہ وہمی مخلوق جو دیو اور بھوت وغیرہ کے الفاظ سے مفہوم ہوتی ہے۔ مولوی چراغ علی کا بھی یہی خیال تھا۔

مولوی چراغ علی کی تاویلات

مولوی چراغ علی سید صاحب کی طرح معجزہ کے منکر تھے بڑے عالم متبحر تھے عبرانی اور عربی زبان سے خوب واقف تھے انہوں نے حضرت سلیمان کے قصے کی تاویل ایک رسالہ میں نہایت عمدگی اور قابلیت سے لکھی ہی ذیل میں اس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہی

قرآن میں جو آیا ہی کہ حضرت سلیمان منطق الطیر سمجھتے تھے اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ پرندوں کی بولی سمجھتے تھے بلکہ یہ کہ وہ علم منطق الطیر سمجھتے تھے یہ ایک علم ہی جس میں پرندوں کی بناوٹ صورت اور عادات کا بیان ہوتا ہی اور یہ ایک شعبہ ہی حیوۃ الحیوان کے علم کا جس میں ہر قسم کے جانداروں کا ذکر ہوتا ہی. چیونٹی کو بھی نمل کہتے ہیں اور اس نام کا ایک قبیلہ بھی تھا جب اس قوم یا قبیلے کے ملک میں سلیمان کا لشکر پہنچا تو چونکہ دستور ہے کہ لشکری آدمی اکثر اوروں پر زیادتی اور جبر کرتے تھے اسلئے

ں قوم نمل نے اپنے اہل قوم کو سمجھا دیا کہ اپنے گھروں میں بیٹھے رہو سب
ؤں میں دستور ہے کہ وہ اپنے نام جانوروں کے نام پر رکھتی ہیں جیسے
ب میں اسد اور کلب کے دو مشہور قبیلے تھے اور ہندوستان میں ناگ
ں. تو کیا درحقیقت وہ شیر اور کتے اور سانپ تھے۔ ایسے ہی
ہ بھی جو چیونٹی کو بھی کہتے ہیں اور ایک قبیلہ یا قوم کا نام بھی تھا مسلمان
سروں میں سے عجائب پسند اور وہمی خیال کے آدمیوں نے اس
م نمل کو چیونٹی سمجھا اور شاعروں کی وجہ سے اس کی بڑی شہرت
وگئی ہدہد ایک آدمی کا نام ہے اور ایک چڑیا کی عربی زبان میں ہدہد
ہلاتی ہے اور لفظ ہداہد جو کہ ہدہد کی جمع ہے ایک قبیلہ کا نام ہے جو یمن میں
تا اور تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان کے زمانہ میں اور
دمی بھی اسی نام کے یا اسی کے قریب اللہجہ نام کے تھے۔ شاید بعض
تفسیروں میں ہے کہ ہدہد بلقیس کے چچا کا نام تھا اور ڈاکٹر پوکاک کی
تاریخ عرب میں بلقیس کے باپ کا نام ہداد بن شرجیل لکھا ہے

وتفقد الطیر فقال مالی اری الهدهد ام کان من الغائبین لاعذبنه عذابا شدیدا او لاذبحنه اولیاتینی بسلطان مبین" اس آیت جو لفظ طیر ہی اس کی مناسبت سے مفسرین نے ایک انسان سردار لشکر یا مصاحب حضرت سلیمان مسمی بہ ہدہد کو چڑیا بنا دیا۔ طیر کے معنی اس جگہ لشکر کے ہیں نہ کہ پرندہ کے۔

قرآن میں جو آیا ہی کہ حضرت سلیمان کے لشکر میں جن بھی تھے ان سے مراد وہ مخلوق نہیں جن کو لوگ بھوت پریت کہتے ہیں بلکہ اس سے مراد قوم عملیق ہی یہ قوم بڑی قوی ہیکل۔ دیو قامت تند و شدید اور جبار تھی کنعان کے گرد نواح میں بستی تھی اور بنی اسرائیل ان کو اپنی شدید عداوت اور اذیت کی وجہ سے اور ان کی بت پرستی اور دیویوں کی عبادت اور بھوت پریت کی پوجا سے ان کو بھی شتد یا جن کہا کرتے تھے وہی جبار بنی عمالیق حضرت سلیمان کے زیر فرمان کچھ مقید اور کچھ ملازم و مصاحب تھے۔

یہ لوگ فنون و دستکاری و جہانرانی میں بڑے صناع اور استاد کار تھے "ومن الجن من یعمل بین یدیہ باذن ربہ" اس آیت میں رب کے

نی مالک اور آقا کے ہیں یعنی بنی عمالیق اپنے مالک و آقا کی اجازت سے
حضرت سلیمان کے پاس کام کرتے تھے مالک و آقا کو رب کہنا ایک معروف
ت ہے۔ بنی اسرائیل نے حضرت موسے کے بڑے بھائی کو انکا رب
کہنا اذہب انت وربک فقاتلا انا ہہنا قاعدون۔ حضرت یوسف نے
اپنے آقا کو رب کہنا انی ربی احسن مثوی۔ اور یہود اپنے استاد و اور معلم کو
بی کہتے ہیں۔ قرآن میں آیا ہے کہ ہوا حضرت سلیمان کے تابع یعنی مسخر تھی
ن کے معنی ہیں کہ حضرت سلیمان ہوا سے متمتع ہوتے تھے نہ یہ کہ وہ ہوا میں
اڑا کرتے تھے۔ مفسرین تو یہ کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان ایک اوڑن کھٹولے
پر سوار ہوکر مع ساز و سامان و حشم و خدم ادہر سے ادہر اور ادہر سے
ادہر یعنی ممالک و شام و ایران و یمن و فلسطین یا دمشق سے اسطخر اور
فارس اور وہاں سے کابل کی سیر کیا کرتے تھے۔ مگر مفسرین کا قاعدہ
ہے کہ جب وہ کہنے لگے تو ایک انوکھی بات کہنے لگے جس کا کچھ پتا
ٹھکانا نہو۔ وہ اپنے خیال کی بلند پروازیوں سے وہم کے گھوڑے دوڑاتے

ہیں سہ ترے توسن کو صبا باندہتے ہیں ۔شعرا اپنی ہوا باندہتے ہیں
کبھی تاریخانہ تحقیقات پر متوجہ نہیں ہوتے وہ جو شام کی کسی لڑائی میں
بار نشتر یہود کے قصے کہانیوں کا ملگیا تھا وہی انکا مایہ بساط ہے حالانکہ حضر
سلیمان کی تاریخی کتابیں جو یہود کے مجمع اربع عشریم کے صیغہ کتوبیم میں
مدون ہیں اگر ان پر رجوع کرتے تو انہیں ان آیات کی تفسیر میں باد
قصے کہانی لکہنے کی ضرورت نہ پڑتی ۔ کتاب سلاطین اور اخبار الایا
کے ملاحظہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان نے بنی اسرائیل میں
اول اول جہاز رانی شروع کی ان کے دو بڑے بڑے بیڑے
روم اور بحر ہند میں آسمان سے باتیں کرتے ہوے ہوا کے رخ پر چلتے
اور چونکہ اس زمانہ میں دخانی جہاز نہ تھے اور بادی جہاز بغیر تسخیر ہوا کا
نہیں دیتے ۔ ان کی رفتار ایسی تھی کہ صبح سے شام تک اور شام سے
تک . . . . اسقدر مسافت طے کر جاتے تھے جو اس زمانہ
ایک مہینے کے سفر میں طے ہو سکتی تھی " اور الی الارض التی بارکنا

سے بھی ان کی واپسی پر اشارہ ہے۔ پس سلیمان علیہ السلام کے ان جہازوں کا چلنا اور ہوا کا مسخر ہونا ایک ہی بات ہے۔ قرآن کوئی تاریخ کی کتاب نہیں جس میں مفصل کیفیت لکھی جاتی بلکہ اس میں تو بر سبیل تذکرۂ فضائل سلیمان علیہ السلام اس بات پر اشارہ ہے جو تاریخ کی کتابوں میں مفصل لکھی ہوئی ہے۔

قرآن میں آیا ہے کہ حضرت سلیمان نے اپنے درباریوں سے کہا کہ کوئی ہے جو بلقیس کا تخت اٹھا لائے عفریت نام ایک جن نے کہا کہ میں آپ کے اپنی جگہ سے اٹھنے سے پہلے اسکو لا سکتا ہوں اور میں اس پر قوی اور امین ہوں۔ اس پر ایک شخص جس کے پاس کتاب کا علم تھا بولا کہ میں اس کو ایک طرفۃ العین میں لا دیتا ہوں چنانچہ دکھلا دیا اس واقعہ کی تفسیر یہ ہے۔ عفریت قبیلہ بنی عمالیق سے جو جن کہلاتے تھے ہوگا اور یہ نام تو شہر عفرون کی نسبت سے اس کا ہوگا یا اس کا ذاتی نام ہو یا اس کی قوت اور شدت کی وجہ

وجہ سے وہ عفریت کہلاتا ہوگا جس کا لفظ اشارہ لفظ قوی میں بھی ہے
اور یہ تو عجائب پرستوں کی خام خیالی ہے کہ وہ رہا بس یا دیو تھا بلقیس
کا تخت غالباً ایک معمولی طور کے بیٹھنے کی ایک چوکی ہوگی جیسے بلقیس
ساتھ لائی ہوگی اہل کتاب نے وہ بلقیس کے یہاں سے منگوا دی۔
اور یہ بات غالباً بلقیس کی اطلاع سے ہوئی چنانچہ دوسری آیت سے
ظاہر ہوتا ہے کہ جب ملکہ سبا کو وہ تخت دکھلا کے پوچھا گیا تمہارا تخت
ایسا ہی ہے اس نے کہا کانہ ہو اوتینا العلم من قبلہا کہ گویا وہی ہے اور ہمکو
معلوم ہو چکا آگے سے۔ قصہ گو مفسروں نے بعض ان سیدھی سادی
باتوں کو افسانہ کا رنگ دینے کو بہت کچھ مبالغے کیے ہیں کہ بلقیس کا
تخت حد سے زیادہ مثلاً ۸۰ گز لمبا تھا اور وہ اسکو سات کوٹھریوں میں
سبا میں بند کر آئی تھی اور اس پر کھڑے تھے اور آصف وزیر سلیمان
نے درحقیقت ایک طرفتہ العین میں اس طور سے منگا دیا کہ اسم اعظم
پڑھا اور وہ تخت زمین کے نیچے ہی نیچے چلا آیا اور سلیمان علیہ السلام

نے قریب آ کر زمین سے پیدا ہو گیا. قرآن کے مضمون میں کوئی ایسا مضمون خلاف مجرای طبعی اور افسانہ کے طور پر نہیں ہے مگر قصہ خوانوں نے اپنی طرف سے لغو اور بیہودہ حکایتیں بڑھا اور ملا کے اصلی باتوں کو مسخرہ بنا دیا ہے.

حضرت سلیمان کے محل میں ایک کمرہ تھا جس کا فرش آئینے کا تھا قرآن میں آیا ہے کہ جب بلقیس اس کمرے میں جانے لگی تو سمجھی کہ پانی ہے اور اپنی پنڈلیاں ننگی کر دیں. (کشفت عن ساقیہا) کشف ساق سے کنایہ تھا گھبراہٹ سے اور یہ کہ اس نے اپنی پنڈلیاں فی الحقیقت ننگی کر دیں جب کوئی ہنگامہ برپا ہو یا معرکہ جنگ میں شکست ہو اور بھاگڑ مچی ہو اور ہل چل اور بھاگڑ پڑے تو عرب کے لباس کے مقتضا سے پنڈلیاں کھل جاتی ہیں قرآن مجید میں ایک جگہ اور بھی کشف ساق کا ذکر ہے یوم یکشف عن ساق اور یہاں قیامت کے ہول اور گھبراہٹ اور ہراس اور افراتفری پیچ جانے سے ہی صاف اور صحیح معنی ہو سکتے ہیں کہ

جس دن ہلڑ پچے نہ یہ کہ حقیقت میں کسی کی پنڈلی کھل جائے اور عرب کا محاورہ یہی ہے کہ جب لڑائی میں شدت ہو تو کہتے ہیں کشفتہ الحرب عن ساق۔ جو لوگ یہاں پر یہ معنی مراد لیتے ہیں کہ ملکہ سبا نے اپنی دو نو پنڈلیاں ننگی کردیں تاکہ اس پانی میں اتر جائے وہ صرف اس لغو قصہ کی رعایت سے ایسا کہتے ہیں یعنی حضرت سلیمان سے جنات نے کہا تھا کہ ملکہ بلقیس ایک جنیہ کے پیٹ سے ہے اور اس کی پنڈلیوں پر بال ہیں اور اس کے پیر گدہے کے کھر کی مانند ہیں تو اس امر کی تحقیق کے لیے حضرت سلیمان نے یہ سب سامان کیا تھا مگر حضرت سلیمان کی نبوت اور حکمت پر نظر کرنے سے یہ قصہ محض واہیات معلوم ہوتا ہے اور یقیناً جھوٹ ہے یہ ان کا بادشاہی سامان تھا اور اس پانی کو دیکھکر ملکہ سبا گھبراتی تھی کہ کیونکر جاؤں اتنے میں کسی نے کہدیا کہ اس پانی پر آئینہ کا فرش ہے۔

سید صاحب کی تفسیر کے پڑھنے سے تین باتیں معلوم ہوتی ہیں ایک
یہ کہ انکے اسلام اور الحاد یعنی آج کل کے طبعیین اور عقلیین کے مذہب
میں بہت کم فرق ہے۔ دوسرے یہ کہ باوجود اسقدر کھینچ تان اور اٹکل پچو کے
سید صاحب اسلام کی علوم جدیدہ سے پوری تطبیق نہیں کر سکے چنانچہ
نگم "محبوب" مرحوم محسن الملک مولوی مہدی علی نے جو خوش بیانی اور تیز
فہمی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے اس باب میں انکو یہ خط لکھا۔

"آپ یہ خیال نہ فرماویں کہ میں اس ضرورت سے بے خبر ہوں جسنے
آپ کو تفسیر لکھنے پر مجبور کیا یا مذہب اور علم کی اس لڑائی سے نا
واقف ہوں جو نہایت زور شور سے اس زمانہ میں ہو رہی ہے یا میں علم
کے حملہ کو خفیف سمجھتا ہوں جو وہ نئے ڈھنگ سے اور نو ایجاد ہتھیاروں
سے کر رہا ہے یا میں [illegible] موجودہ کتابوں کو اس وقت کی ضرورت کے
لیے کافی سمجھتا ہوں یا نئے خیالات اور نئے افکار کا مخالف ہوں
غالباً بہت کم آدمی ایسے ہونگے جو مجھ سے بڑھکر اس بات کے

خواہشمند ہوں کہ مذہب علم کے حملے سے بچایا جائے اور کم ایسے لوگ ہونگے
جو آپ کی اس مردانہ ہمت کی داد نہ دیتے ہوں۔ آپ اس لڑائی میں اسلام
کا سفید علم لیکر علم کے سامنے آئے اور ایسے غالب اور قوی حریف سے
مصالحت کی کوشش کی مجھ سے بڑھ کر کوئی نہیں جانتا کہ تفسیر کے لکھنے
سے آپ کا مقصود کیا ہے کچھ نہیں سوائے اسکے کہ اسلام ہی سلطنت پر
قائم رہے اور علم اس کا دوست سمجھا جائے۔ اور آپ کی تفسیر میں اس ہمت
کی بہت نشانیاں بھی پائی جاتی ہیں اور وہ غور سے دیکھنے والے کو بہت سے
عمدہ مضامین اور حکیمانہ خیالات اور محققانہ باتوں سے بھری ہوئی نظر
آتی ہے۔ لاریب فیہ انہ کنز مدفون من جواہر الفواید وبحر مشحون بنفائس
الغرائد مگر میں یہ نہیں مانتا کہ آپ ہر جگہ اس مقصود کے حاصل کرنے میں
کامیاب ہوئے بلکہ برخلاف اس کے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ آپ
بعض جگہ تسامح کے درجے سے گزر کر مغالطہ میں پڑ گئے اور جس حد
پر پہنچ کر آپ کو ٹھیرنا چاہیے تھا اس سے گذر گئے آپ نے ان باتوں کو

جو اس زمانہ کے علم و سائینس نے پیدا کی ہیں. بغیر کسی شک و شبہ کے
صحیح اور یقینی مان لیا اور جو باتیں قرآن میں بظاہر اس کی مخالف معلوم
ہوئیں اس میں اپنی تاویلیں کرنی شروع کیں کہ قرآن کا مقصود
ہی فوت ہو گیا اور اس پر ستم ظریفی آپکی یہ ہے کہ آپ تاویل کو
کفر قرار دیتے اور اپنی تفسیر کو قرآن کے الفاظ اور سیاق ہو رمحاورے
اور مقصود کے مطابق بتاتے ہیں لیکن اسپر بھی آپ کا اصل مقصود
کوسوں دور رہا اسلیے کہ "نیچر" اور "لاآف نیچر" اگر وہی ہے جو اس مذ
کے یورپین حکیم بتاتے ہیں تو خدا کی خدائی اور رسولوں کی رسالت
اور عذاب و ثواب کا اقرار وہی آبائی تقلید اور بچپن کی سنی سنائی
باتوں کا اثر سمجھا جائے گا اور قرآن باوجود انکار معجزات اور خرق عادات
اور دعا اور اجابت دعا اور فرشتوں اور جنات کے "نیچر اور لاآف
نیچر" کے مخالف ہی رہیگا. پس میرے نزدیک آپ دو مقصدوں
مین سے ایک سے بھی نہ نکل سکے. کہیں قرآن کے معنی سمجھنے

غلطی کی اور کہیں نیچر اور لاز آف نیچر کے ثابت کرنے میں بعض جگہ تو آپ
قرآن کا وہ مطلب سمجھے جو نہ خدا سمجھا نہ جبریل نہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ
صحابہ نہ اہل بیت نہ عامہ مسلمان اور کہیں نیچر کے دائرہ سے نکل گئے اور
مذہبی آدمیوں کی طرح پرانے خیالات اور پرانی دلیلوں اور پرانی باتوں کا
گیت گانے لگے۔ چنانچہ آپ کی تفسیر میں دونوں باتوں کا جلوہ نظر آتا ہے
جہاں آپ نے دعا اور اجابتِ دعا کے مشہور معنوں سے انکار کیا معجزات
اور خرق عادات کو ناممکن سمجھکر حضرت عیسیٰ کے بے باپ پیدا ہونے
اور انکی طفلی کے زمانہ کے واقعات اور احیاے اموات وغیرہ باتوں
کو اہل کتاب کی کہانیاں تبلایا وہاں آپ نے دکھادیا کہ آپ کی تفسیر
قرآن کے الفاظ اور سیاق عبارت اور اس کے عام منشا سے کچھہ
مناسبت اور مطابقت نہیں رکھتی۔ اور جہاں آپ نے خدا کی خدائی
اور پیغمبر کی پیغمبری اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے اور ثواب و عذاب
وغیرہ کا اقرار کیا گو اس کی حقیقت میں علماے ظاہری کی رایوں سے